پاکستان کے
کالے جادوگر
(اندر کی کہانی)
سعید احمد عباسی
BLACK MAGICIAN OF
PAKISTAN

Marfat.com

Marfat.com

DATA ENTERED

پاکستان کے کالے جادوگر

اندر کی کہانی

تحریر و تحقیق: سعید احمد عباسی

Book Time

Naveed Square, Urdu Bazar
Near Muqadus Mosque Karachi.

Marfat.com

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ ہمارے ادارے کے پیشِ نظر صرف تحقیقی کتب کی اشاعت ہے۔

297.45
س 73 ک
110458

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

نام کتاب : پاکستان کے کالے جادوگر، اندر کی کہانی
تحریر و تحقیق : سعید احمد عباسی
سال اشاعت: 2013ء
قیمت : -/300 روپے

Marfat.com

انتساب

مانچسٹر برطانیہ کی صحافی میری فلورا کے نام جس نے میرے ساتھ مل کر اس موضوع پر تحقیق کی اور مجھے ریسرچ رپورٹنگ اور کیس اسٹڈیز سے آشنا کیا۔ پاکستان اور اس سے باہر کئی جگہوں پر ہم نے مختلف موضوعات پر ایک ساتھ کام کیا۔ افسوس کہ اس وقت وہ ہمارے درمیان نہیں ۔ کہنے کو تو اس کی موت ایک حادثہ تھی مگر کچھ سر گوشیاں اسے تاریک راہوں میں مارے جانے والوں میں سے ایک گردانتی ہیں

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	7
2	نانی کا مندر: بلوچستان میں انسانی قربان گاہ	9
3	اپنے بچوں کی بلی دینے والے والدین	15
4	کالے جادوگر کی طاقت کا راز!	20
5	شوہر اور بچے کالی ماتا کے قدموں میں ذبح کرنے والی خاتون	25
6	کالے جادو کے آخری مراحل میں مردے کھانے پڑتے ہیں	31
7	لاش کھانے سے قبل اس پر بیٹھ کر گھنٹوں جاپ کیا جاتا ہے	36
8	مردے کھانے والے بھکر کے جادوگر بھائی	40
9	آخری مراحل کے جادوگر انسانی کھوپڑی میں پانی پیتے ہیں	47
10	بنگالی سال کا پہلا ہفتہ بھینٹ کے لئے اہم ہوتا ہے	53
11	سب سے زیادہ ہلاکتیں پراسرار تالاب کے پاس ہوئیں	58
12	کالے جادو کے ماہروں کا خاندان برباد ہو جاتا ہے	63
13	کالا جادو سیکھنے والوں کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا	68
14	غلام موکل آقا کو ہی مار ڈالتے ہیں	73
15	محبت اور نفرت کے تعویذوں پر ہندو اور سکھ موکل عمل کراتے ہیں	76
16	پیر مکھنا اور اس کے جنات	83
17	مکلی کا قبرستان کالے جادوگروں کا مسکن	89
18	کالے جادوگر ہمیشہ کے لئے جنات کے غلام ہو جاتے ہیں	105
19	نوچندی کی رات جادوگر اپنے بیٹے کے ہاتھوں ذبح	116
20	بلوچستان کا شہر روغان: ہزاروں سال قدیم غاروں کی بستی	154
21	شہر روغان کی ممی 8 سال ایدھی مردہ خانے میں پڑی رہی	171

Marfat.com

پیش لفظ

کالے جادو اور پراسرار علوم پر میری دلچسپی شروع سے ہی رہی ہے مگر اس کتاب کی وجہ تسمیہ دراصل میری اخباری ملازمت بنی۔ یونیورسٹی کے زمانے سے ہی جب میں نے اخباری ملازمت شروع کی تو اس کوشش میں رہا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جو سب سے جدا ہو۔ پھر اسی دوران مجھے مواقع ملے اور میں نے ان کا فائدہ اٹھایا اور تحقیقی رپورٹنگ کے سلسلے میں دوسرے شہروں، قصبوں کا سفر شروع کیا۔ اس ریسرچ کا آغاز میں نے ٹھٹھہ کے مشہور زمانہ قبرستان مکلی سے کیا تھا مگر آپ کو اس کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملے گا کیونکہ وہ بعد میں ایک بالکل علیحدہ موضوع ثابت ہوا اس لئے ایک علیحدہ کتاب میں اس کا تفصیلی حال بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ کتاب دراصل میری وہ سلسلہ وار ریسرچ رپورٹس اور کیس اسٹڈیز ہیں جو تقریباً ڈھائی سال کے عرصے میں پوری ہوئیں اور وقتاً فوقتاً روزنامہ امت میں شائع ہوتی رہیں۔ ان میں، کراچی، میر پور خاص، بلوچستان کے شہر بیلہ، ڈیرہ اسماعیل خان اور دیگر کئی جگہوں کی کیس اسٹڈیز شامل ہیں۔ اس کتاب میں یہ سب یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس تحقیق کے دوران مجھ پر کیا بیتی اور کیا کیا مسائل درپیش رہے، کچھ کا ذکر تو آپ کتاب کے واقعات میں ہی پڑھ لیں گے اور کچھ میرے اور اللہ کے درمیان ہی رہیں گے۔ گو کہ دورانِ تحقیق مالی وسائل کی کافی تنگی رہی مگر پھر بھی روزنامہ امت کے چیف ایڈیٹر جناب رفیق افغان صاحب کا تعاون اس دوران غیر معمولی طور پر انتہائی مثبت رہا۔ ویسے ایک حقیقت یہ بھی ہے دورانِ تحقیق میں اپنی اخباری ملازمت کے سلسلے میں جس طرح بے ہنگم مصروفیات میں پھنس گیا تھا، اگر رفیق افغان صاحب مسلسل اصرار نہ کرتے تو یہ کتاب

Marfat.com

اب تک ادھوری ہی ہوتی۔ یہ تسلیم نہ کرنا بھی زیادتی ہی ہوگی کہ اس ریسرچ کے اکثر اخراجات کے جو بھی بل میں نے انہیں دیئے، آپ نے ادا کردیئے۔ اب تک کالے جادو اور پراسرار علوم پر واقعاتی انداز کی جو بھی کتب ہیں وہ افسانوی اور تخیل نگاری پر مشتمل ہیں۔ میرے علم کی حد تک یہ پہلی کتاب ہے جو پاکستان میں کالے جادو کے حوالے سے سائنسی بنیادوں پر کی گئی تحقیق کا احوال ہے۔ اس تحقیق کا طریقہ کار بالکل سیدھا سادہ رہا۔ میں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے پراسرار یا جادو سے جڑے واقعات کی تفصیل جمع کرتا، پھر اس سے جڑے کرداروں کے انٹرویوز کرتا، پھر تفتیش کرنے والے پولیس اہلکاروں سے ان کے نتائج جمع کرتا اور اس کے بعد ان علوم سے جڑے جادوگروں، باباؤں، سادھوؤں اور سنپیروں سے ان کی بستیوں یا گھروں میں جا کر معلومات جمع کرتا۔ ہاں میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے رابطے کرنا اور پھر انہیں بات کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے میں نے کچھ اخلاقی اور کچھ غیر اخلاقی، یعنی ہر قسم کے ذرائع استعمال کئے۔ ان لوگوں کے ساتھ رہنے اور زیادہ وقت بتانے کی وجہ سے مجھ پر بہت ہی برے نفسیاتی اور روحانی اثرات پڑے۔ جس طرح یہ لوگ گندگی میں ہر وقت گھرے رہتے تھے، بالکل اسی طرح مجھ میں بھی گندگی سے کراہیت اور نفرت میں کمی آنے لگی۔ میری سوچ بھی انہی کے انداز میں کام کرنے لگی اور میں بے خودی میں رات کو یا دن کو کسی بھی وقت اپنے آپ کو انہی کا حصہ سمجھنے لگا۔ میں اس کی تفصیل تو نہیں بتا سکتا البتہ یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ اپنی روحانی اور نفسیاتی صحت کی بحالی کیلئے مجھے کئی بار جید روحانی عاملوں سے علاج کرانا پڑا مگر اب بھی میں اس کے اثرات محسوس کرتا ہوں۔ شاید اسی لئے کہتے ہیں کہ بھٹی کے قریب جاؤ گے تو ہاتھ بے شک نہ بھی کالے ہوں مگر دھواں تو لازمی آئے گا ہی۔ اس لئے میرا تو یہی مشورہ ہے کوئی بھی اس کتاب کو پڑھ کر ہرگز کسی کالے جادوگر کی تلاش میں نہ نکلے اور نہ ہی ان کی صحبت اختیار کرے۔

سعید احمد عباسی

Marfat.com

نانی کا مندر: بلوچستان میں انسانی قربان گاہ

رات کا وقت تھا اور بجلی گئی ہوئی تھی، گجر نالے کے اندر قائم موسیٰ کالونی میں ہم موبائل ٹارچ کے سہارے کشور کا مکان ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ یہ ایک ایسی کچی آبادی ہے جہاں کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں اور ان میں پھیلی غلاظت میں دن کے وقت بھی کسی کا مکان تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے، پھر گرمیوں کی راتوں میں جب بجلی جاتی ہے تو لوگ اپنے بچوں سمیت یہاں وہاں پھرتے رہتے ہیں، انہیں بچانا راگیروں کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ موسیٰ کالونی میں آپ کو ہر قومیت اور ہر مذہب کے لوگ مل جائیں گے، انہی میں سے ایک ہندو مت کا پیروکار کشور بھی ہے، کشور کا کام خواہش مند لوگوں کو بلوچستان کے ویران پہاڑی سلسلے ہنگلاج میں قائم مندروں کے کمپلیکس تک لے جانا ہے۔ ان پراسرار غاروں میں کتنے استھان قائم ہیں اور کون کون سی پوجا ہوتی ہے، کسی کو نہیں معلوم؟ البتہ پاکستان کے علاوہ بھارت، بنگلادیش اور دیگر ممالک سے آنے والے ماتا کالی کے پیروکاروں کی یہ پسندیدہ ترین جگہ ہیں۔ ہندوؤں میں ''نانی کے مندر'' کے نام سے مشہور اس مندر کے بارے میں یہ بات عام ہے کہ مندر ہر سال انسانی بھینٹ لیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بھینٹ مندر نہیں لیتا بلکہ فیصل آباد کے ندیم موچی، میر پور خاص کے تیکم داس، شریمتی پاؤی اور لانڈھی کے پیر بابا جیسے انسانی روپ میں موجود شیطان اس مندر میں اور اس کے نام پر انسانی بلی چڑھاتے ہیں۔ اس رپورٹ کی تیاری کے دوران ہم کیس اسٹڈیز کے لئے ایسے

Marfat.com

متاثرین کی تلاش کرتے پھر رہے تھے جن کے پیارے ''نانی کے مندر'' کا شکار ہوئے ہوں یا وہاں سے ان کی لاشیں واپس آئی ہوں، اسی تلاش کے دوران کڑی سے کڑی ملاتے ہم کشور تک پہنچے، زرد آنکھوں اور منحنی سے جسم والا کشور مختلف دفاتر میں جھاڑو لگا کر پیٹ پا۔لنے کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اسے چھوٹا موٹا ٹور آپریٹر یا گائڈ بھی کہا جاسکتا ہے، جو لوگوں کو بلوچستان کے پہاڑوں میں ماتا ہنگلاج کے مندر تک لے کر جاتا ہے، کراچی میں ہمیں ایسے تین افراد کا پتہ چلا، کشور کا ذکر ہم کر چکے ہیں، دوسرا سندرداس ہے جو کینٹ اسٹیشن کے قریب سول لین میں رہتا ہے، تیسرا اویرامال تھا جو ایم اے جناح روڈ پر سوامی نارائن نامی ہندو محلے میں رہتا تھا، مگر اب وہ بھارت کے گجرات میں ہے، کم ازکم اس کے گھر والوں نے ہمیں یہی بتایا کہ وہ ہنگلاج کا داس بن کر بھارت شفٹ ہوگیا ہے۔ یوں دو افراد سے ہماری ملاقات ہوئی، بھارتی گجرات میں ہنگلاج کا دوسرا مندر قائم ہے۔ ہندو بھگتوں کے مطابق کسی بھی منت کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ پہلے بلوچستان کے ہنگلاج مندر پر حاضری اور چڑھاوا دیا جائے اور اس کے بعد بھارتی گجرات کے مندر پر حاضری دی جائے۔ بھارت اور پاکستان، دونوں جگہوں پر ہنگلاج کے مندر انسانی قربان گاہوں، کالا جادو کرنے والوں اور لالچ کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہوجانے والوں کے مرکز کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ عام طور پر بلوچستان میں ہنگلاج کے مندر ویران رہتے ہیں یا پھر یہاں ''تانترکوں'' کا بسیرا رہتا ہے، البتہ ہر سال اپریل میں ایک بار کراچی سے ہندو یاتریوں کا قافلہ ہنگلاج جاتا ہے، ان یاتریوں میں بھارت، بنگلہ دیش اور نیپال سے آئے ہوئے یاتری شامل ہوتے ہیں۔ کشور سے ہماری ملاقات کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ ان افراد کا پتہ چل سکے جو کسی منت کو پورا کرنے کے سلسلے میں اس کے ساتھ ہنگلاج گئے ہوں، مگر ہم نے اسے اعتماد میں لینے کے لیے پہلے یہ کہا کہ وہ ہمارا گائڈ بن کر ہنگلاج کے پہاڑوں تک ہمیں لے چلے۔ شروع میں تو اس نے یہ ماننے سے ہی انکار کر دیا کہ وہ لوگوں کو ہنگلاج کے مندر تک لے جاتا ہے یا اسے اس بارے میں کچھ معلومات ہیں، مگر بعد میں وہ ہمیں

Marfat.com

اپنے ساتھ لے جانے پر تیار ہو گیا۔ ہنگلاج مندر تک جانا کتنا خطرناک ہے؟ اس کا اندازہ یوں لگا لیں کہ ہندو بھی اس جگہ تنہا جانے کے بجائے سال میں ایک بار گروپ کی شکل میں جاتے ہیں، جنگلی جانوروں یا دیگر عناصر سے زیادہ خطرہ اس ویرانے میں ان افراد سے ہوتا ہے جو یہاں چلّے کے لیے مناسب موقع کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، ایسے تین افراد کے کیس ہم نے اسٹڈی کیے جو منت پوری کرنے ہنگلاج گئے اور سادھوں یا جادوگروں کا نشانہ بن کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان کا ذکر ہم آگے چل کر تفصیل سے کریں گے۔ ہنگلاج کے پہاڑوں میں بلی دینے یا چلہ کاٹنے والے افراد کسی گروپ کے ساتھ جانے کے بجائے تنہا ہی جاتے ہیں مگر مندر ویران پہاڑوں میں واقع ہونے کے سبب اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی گائیڈ ضرور لیکر جاتے ہیں، لہٰذا ایسے افراد کے بارے میں معلومات یا تو ان پیروں اور عاملوں سے مل سکتی ہیں جو پریشان یا لالچی لوگوں کو عمل کے کسی حصے کے دوران وہاں بھیجتے ہیں یا پھر ایسے لوگ جو گائیڈ کے طور پر ان افراد کو ہنگلاج تک لے جاتے ہیں۔ عاملوں تک رسائی مشکل ہونے کے باعث ہم نے کشور جیسے گائیڈوں سے رابطہ کیا، جس سے ہمارا کام آسان ہو گیا۔ پاکستان میں انسانی قربانی دینا انتہائی مشکل کام ہے، لہٰذا ایسے واقعات بھی سال میں کبھی کبھار ہی ہوتے ہیں، مگر اب یہ سلسلہ بڑھ رہا ہے۔ رواں برس صرف تین ماہ میں اب تک چھ ایسے قتل منظر عام پر آ چکے ہیں، جو انسانی قربانی کے لیے کیے گئے، ہم صرف پولیس میں رجسٹرڈ ہونے والے کیسوں کی بات کر رہے ہیں، جن کی ایف آئی آر میں وجہ انسانی قربانی لکھا ہے۔ یہ بھی بتاتے چلیں کہ صرف ایک انسانی بلی دینے سے کوئی عمل پورا نہیں ہوتا، بلکہ کسی ایک مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کئی انسانی جانوں کی بھینٹ چڑھانی پڑتی ہے۔ انسانی قربانی کیلئے مشہور ہندو کتاب ''انتھراویداس'' کے مطابق جنسی کمزوری دور کرنے سے لے کر کالے جادو کے اعلیٰ رتبے ''کھنڈال'' تک پہنچنے کیلئے انسانی بلی دی جاتی ہے۔ جن تانترکوں سے ہماری بات ہوئی، ان کا کہنا تھا کہ ہر مقصد کیلئے انسانی قربانی کا طریقہ بھی الگ ہے، عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ماتا کالی کیلئے انسانی قربانی دینے کا طریقہ یہ

Marfat.com

ہے کہ انسان کو اس کے قدموں میں لٹا کر ذبح کر دیا جائے، حالانکہ یہ بات غلط ہے، مثلاً جنسی کمزوری دور کرنے کیلئے جو بلی دی جاتی ہے، اس میں ''بلیدان'' کو مندر تک لانا لازم نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی اماوس کی رات ''بلیدان'' کو سر پر بھاری پتھر مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے، پھر اس لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر ''تنتر'' پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل نو ماہ میں پورا ہوتا ہے، اس طرح نو افراد کی بلی دینا پڑتی ہے۔ اگر اس حقیقت کو مدنظر رکھا جائے تو پھر انسانی قربانیوں کے بہت سی وارداتیں ایسی ہوں گی، جنہیں قتل کی عام واردات قرار دے کر داخل دفتر کر دیا گیا ہوگا۔ ہندومت کے سینئر افراد اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستان بھر میں جہاں کہیں بھی انسانی بھینٹ ہوگی، اس کا ایک سرا لازماً ہنگلاج کے پہاڑوں میں ہوگا یا تو بلی انہی پہاڑوں میں دی جائے یا پھر بلی دینے سے قبل ان پہاڑوں میں ایک چلہ ضرور کاٹا جائے گا۔ یہ پہاڑ ''تنترک'' اور ''منترک'' دونوں کیلئے ایک جیسی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہندومت میں اچھے مقاصد کیلئے عملیات ''منتر'' اور کرنے والوں کو مانترک کہتے ہیں، عام طور پر یہ لوگ بھگت بھی کہلاتے ہیں۔ جب کہ برے کاموں کیلئے چلے کاٹنے اور کالے جادو کو تنتر کہتے ہیں، جب کہ ایسے لوگ تانترک کہلاتے ہیں۔ ہنگلاج میں اچھے ہندوؤں کیلئے ماتا ہنگلاج کا مندر ہے، ہندوؤں کا کہنا ہے کہ ماتا ہنگلاج دراصل سانپوں کے زہر کی دیوی ہے، لہٰذا اگر تانترک بھی یہاں اپنے غلط مقاصد کیلئے بھینٹ چڑھا کر چلہ کاٹیں تو ان کے مقاصد پورے ہو سکتے ہیں، اسی لئے اردگرد کے پہاڑوں میں ''تانترکوں'' نے ماتا کالی کی مورتیاں رکھ کر درجنوں چھوٹے چھوٹے استھان قائم کر لئے ہیں، جہاں اکثر گوشت جلنے کی بو پھیلی رہتی ہے، قانونی طور پر ہندوؤں کو یہاں جانوروں کی بھینٹ دینے اور انہیں جلانے کی اجازت ہے، جب کہ کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ویرانہ ہونے کی وجہ سے یہاں ایک قانونی شمشان گھاٹ بھی ہے، جہاں بیلہ اور دیگر قریبی علاقوں سے ہندو اپنے مردے کبھی کبھار لے آتے ہیں۔ اس علاقے میں ہمیں بھی گوشت جلنے کی ناگوار بو محسوس ہوئی مگر شمشان گھاٹ ہمیں نظر نہیں آیا۔ گوشت جلانے والوں میں وہ افراد بھی شامل ہیں، جو یہاں

Marfat.com

چلے وغیرہ کاٹنے آتے ہیں۔ان افراد میں مسلمان، عیسائی، ہندو سبھی شامل ہیں۔۔یہ بتادیں کہ نانی کا مندر کراچی سے تقریباً ساڑے تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر بلوچستان کی تحصیل لیاری میں دریائے ہنکول کے کنارے واقع ہے، یہاں سے سمندر کا فاصلہ بھی زیادہ نہیں، دریائے ہنکول عموماً خشک رہتا ہے،اس کے ایک کنارے کھیر تھر کا پہاڑی سلسلہ ہے۔کراچی سے گوادر کی طرف جانے والی کوسٹل ہائی وے پر سفر کریں تو ''نانی مندر'' کا بورڈ لگا نظر آئے گا، یہاں سے ایک کچا پکڈنڈی نما راستہ پہاڑی بھول بھلیوں میں گم ہوتا نظر آتا ہے،اس راستے پر تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد پہاڑی غاروں میں قائم ہندوؤں کے ان قدیم مندروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جہاں گم، ہلاک اور قتل ہونے والے افراد کی ہر سال بڑھتی ہوئی تعداد بلوچستان، لیاری تھانے کے رجسٹر میں ریکارڈ بن رہی ہے۔ہنگلاج جاتے ہوئے ہم نے احتیاطاً اپنے ساتھ بیلہ کے ایک مقامی بلوچ سردار اور ان کے چند ساتھیوں کو بھی لے لیا تھا۔اس پہاڑی سلسلے میں ہم نے مختلف غاروں، چٹانوں اور پہاڑی درزوں میں درجن بھر مندر دیکھے، جن میں زیادہ تر ماتا کالی کے تھے۔مندر کیا تھے بس کسی غار میں سرخ زبان اور ایک ہاتھ میں کٹا انسانی سر اور دوسرے میں تلوار والی مورتی رکھ دی گئی تھی۔ ماتا کالی کے الگ الگ مندروں کی وجہ یہ ہے کہ ہر مندر الگ گروہ کی شناخت رکھتا ہے اور صرف اسی کے چیلے اس مندر میں چلہ کاٹ یا بھینٹ چڑھا سکتے ہیں، ہندومت کے بعض بھگتوں کا کہنا ہے کہ سنسان جگہ میں لاکر رات کے وقت کسی انسان کو ذبح کرنا خاصا مشکل کام ہے، پھر اس سارے عمل کے دوران گرو کا بھی چیلے کے قریب رہنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا انسانی بلی والے چلے کے لئے اب ایسی کوئی بھی جگہ منتخب کر لی جاتی ہے جہاں آسانی ہو۔اس لئے ضروری ہے کہ ہنگلاج مندر سے مٹی لاکر منتخب جگہ پر ہی مندر بنا لیا جائے۔ مثلاً جس طرح فیصل آباد کے موچی ندیم نے کیا۔ندیم موچی نے امیر ہونے کے لئے پاکستان بھر کی خاک چھانی، مگر کامیابی اس کے آگے آگے بھاگتی رہی۔ آخر کار وہ لالچ کے ہاتھوں ''ہنگلاج'' کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا، مگر پھر

Marfat.com

بھی کامیابی اس کے قریب نہیں آئی۔ ندیم موچی کی کہانی ان افراد کے لیے ایک عبرت ناک داستاں ہے جو دولت کی لالچ میں انسانی قربانی تک جا پہنچتے ہیں، مگر پھر بھی کامیابی ان کا مقدر نہیں بنتی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

اپنے بچوں کی بلی دینے والے والدین

فیصل آباد کے ایک پسماندہ گاؤں سے تعلق رکھنے والی ثنا فاطمہ دھوبیوں کے خاندان سے بیاہ کر موچیوں کے پاس آئی تھی، بچپن تو غربت کی نذر ہوا ہی، مگر شادی کے بعد شوہر کے گھر بھی غربت نے اس کا استقبال کیا۔ سکھ بھری زندگی کے ہزاروں سپنے اس کی آنکھوں میں سجے تھے، جن کی تعبیر تو کبھی نہ مل سکی، البتہ شادی کے بعد شوہر بھی اس کے سپنوں میں شریک ہو گیا۔ دن رات جوتے گانٹھنے کے بعد بھی جب ہاتھ دراز ہونے کے بجائے تنگ ہوتا گیا تو دونوں میاں بیوی نے کالے جادو کا سہارا لینے کا فیصلہ کیا۔ کالے جادو سے کسی کی قسمت بنتے آج تک نہیں دیکھی گئی، مگر اس چکر میں پڑ کر تباہ ہونے والوں کی کہانیاں ہر جگہ بکھری پڑی ہیں، یہی کچھ ندیم موچی اور اس کی بیوی ثنا فاطمہ کے ساتھ ہوا۔ دونوں ایک ایسے شیطان کے چیلے بن گئے، جس نے انہیں بھی شیطان بنا دیا۔ ثنا کو شادی سے قبل کبھی اپنے گاؤں سے باہر نکلنا نصیب نہیں ہوا تھا، البتہ اس کا شوہر ندیم فیصل آباد اور لاہور میں مزدوری کر چکا تھا، شادی کے بعد دونوں اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے ایک شہر سے دوسرے شہر چکراتے رہے، ثنا کے کچھ رشتہ دار کراچی میں مقیم ہیں، ان تک ہماری رسائی اس پولیس افسر کے ذریعے ہوئی جو ندیم اور ثنا کے معاملے کی تفتیش کرتا رہا تھا، البتہ ندیم موچی کا کوئی رشتہ دار کراچی میں نہیں رہتا، اس لیے اس کے کسی رشتہ دار سے ہماری ملاقات نہیں ہو سکی۔ ثنا اور ندیم اسی برس 11 جنوری کو کورنگی پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے، اس وقت تک دونوں اپنی ایک بیٹی کی بلی چڑھا چکے تھے، جب کہ دوسری بچالی گئی۔ اس وقت پولیس کا

Marfat.com

خیال تھا کہ کسی جادوٹونے کے چکر میں دونوں نے چلہ کاٹتے ہوئے اپنی بچی کی بھینٹ چڑھائی ہوگی، مگر حقیقت اس سے بہت زیادہ خوفناک تھی۔ کراچی آنے سے قبل ندیم اور اس کی بیوی ثنا، حب چوکی میں کئی سال رہے تھے، وہاں سے دونوں ہنگلاج کئی بار گئے، گو کہ اس بارے میں پوری طرح معلوم نہیں ہوسکا کہ بچی کی بھینٹ ان کی طرف سے پہلی بلی تھی یا اس سے قبل بھی وہ کسی انسان کو قربان کر چکے تھے، البتہ یہ بات واضح ہے کہ دونوں کالے جادو میں نوآموز نہیں تھے، بلکہ کئی برس کی ریاضت کے بعد کئی مدارج طے کر چکے تھے۔ اس بات کی تصدیق کئی ہندو بھگتوں نے بھی کی کہ انسانی قربانی کا مرحلہ کالے جادو میں نویں نمبر پر جا کر آتا ہے اور یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے، جس میں انسانی قربانی دے کر ''بیر'' قابو کیا جاتا ہے۔ ''بیر'' کو کچھ لوگ موکل بھی کہتے ہیں، جب کہ ہندو اور کالے جادو والے اسے بیر کہتے ہیں، یہ جنات کی ہی قسم ہوتی ہے۔ ندیم اور ثنا کے رشتہ داروں نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ دونوں میاں بیوی ہر حال میں مال دار بننا چاہتے تھے، مال، جائیدار کے سلسلے میں ندیم کا اپنے سسرالیوں سے کئی بار جھگڑا بھی ہوا تھا، جس میں اس کی بیوی بھی اپنے شوہر کا ساتھ دیتی تھی۔ پھر وہ سٹے کا نمبر پوچھنے کے لیے جوگیوں اور ملنگوں کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ کالے جادو سے ان کا تعلق جوگیوں کے ذریعے ہی شروع ہوا تھا، یہی تعلق اسے ہنگلاج کے مندر تک لے گیا۔ گزشتہ قسط میں ہم بتا چکے ہیں کہ ہنگلاج ماتا اصل میں سانپوں کے زہر کی دیوی کہلاتی ہے، لہٰذا پاکستان بھر کے جوگی سال میں ایک بار لازماً یہاں آتے ہیں یا پھر وہ لوگ جو سانپ اور دیگر زہریلے کیڑوں کا توڑ کرنے کے لیے منتر وغیرہ پڑھتے ہیں، وہ بھی یہاں آکر جاپ ضرور کرتے ہیں۔ منتروں وغیرہ کے ذریعے زہر کا توڑ کرنا کالے جادو یا کالے علم کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ مرحلہ نرتھ کہلاتا ہے، اس میں انسان کے پاس چھوٹے موٹے شعبدے تو آجاتے ہیں، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا، مثلاً سانپ اور بچھو وغیرہ ایسے لوگوں کو نہیں ڈستے، زہر ان پر اثر نہیں کرتا، مگر اس کے لیے بہت بھاری قربانی دینا پڑتی ہے۔ انسانی اور حیوانی گندگی غذا میں شامل کر کے جسم میں اتارنا پڑتی ہے، تب ہی ''نرتھ'' کا جاپ مکمل ہوسکتا ہے۔ ہندومت کے ان مراحل کے بارے میں ہمیں کافی معلومات کشور

Marfat.com

سے بھی ملیں، ہمارا خیال تھا کہ وہ ہمیں ہنگلاج تک لے جانے کے علاوہ ایسے لوگوں سے بھی ملاقات کرا دے گا جو وہاں جاتے رہے ہیں، مگر سوئیپر کشور کی معلومات ''لونا چماری'' سے لے کر ''ماتا کالی'' تک حیران کن تھیں۔ انسانی قربانی ویسے تو کئی ''ویداسوں'' یعنی ہندو مت کے علوم کی شاخوں میں دی جاتی ہے، مگران میں سب سے شیطانی کالا جادو ہے۔ اکثر لوگ اپنی منت کو پورا کرنے کے بجائے ''بیروں'' یعنی موکلوں یا جنات کو قابو کرنے کے لیے انسانی قربانی دیتے ہیں، مگراس کا مرحلہ بہت بعد میں آتا ہے۔ اس مرحلے تک پہنچنے کے لیے عمر کھپانا پڑتی ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ کالے جادو کا سب سے پہلا مرحلہ ''نرٹھ'' کہلاتا ہے، اس میں آدمی چھوٹے موٹے جھاڑ پھونک میں مہارت حاصل کر لیتا ہے۔ مخصوص تنتر جو اس مرحلے میں پڑھا جاتا ہے، وہ گلی محلے میں پھرنے والے سپیرے بھی بتا دیتے ہیں، اسے نرٹھ جاپ کہتے ہیں۔ اس کے بعد کا مرحلہ بھی انسانی قربانی سے بہت دور ہوتا ہے، اسے سکنت جاپ کہتے ہیں، اس درجے کو پار کرنے والے چھوٹے موٹے شعبدے دکھا لیتے ہیں، مگران کے پاس کسی قسم کے جنات وغیرہ نہیں ہوتے نہ تو یہ لوگ دولت کما سکتے ہیں اور نا ہی اپنی خواہشات پوری کر سکتے ہیں۔ ان مرحلوں سے گزرنے والا نا تو جادوگر ہوتا ہے اور نا ہی کسی مذہب سے اس کا کوئی تعلق باقی رہتا ہے۔ یہ کل سات مراحل ہوتے ہیں جن میں کسی انسانی بھینٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اکثر سپیرے، جادو کا تماشا دکھانے والے' ور جعلی پیر یا پروفیسر بنگالی جیسے افراد انہی سات مراحل میں ہوتے ہیں، ان مراحل کو ''کنٹھا'' کہا جاتا ہے۔ کنٹھا سے آگے بڑھنے والا شخص انسانیت کے دائرے سے نکل کر ''لونا چماری'' کے خاندان میں شامل ہو جاتا ہے اور پہلی انسانی بھینٹ بھی اسی کو دی جاتی ہے، ہندو بھگتوں کا کہنا ہے کہ لونا چماری بھی ہندومت میں ماتا کالی کی طرح ایک دیوی ہے، مگراس کا درجہ ماتا کالی سے کم ہے۔ ماتا کالی تک پہنچنے کے لئے ہی لونا چماری کو انسانی بھینٹ دینا پڑتی ہے، جس کے بعد ایک ''بیر'' غلام بن جاتا ہے، اس بیر سے کچھ بھی کرایا جا سکتا ہے، یہ دولت بھی لا سکتا ہے اور کسی کو مار کر بھی آ سکتا ہے، محبوب کو قدموں میں جھکانے کا کام صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جو لونا چماری کو انسانی بھینٹ دے کر ایک عدد بیر

Marfat.com

کا مالک بن چکا ہو، مگر بیر کے ذریعے کسی کو قابو کرنے کا انجام بہت دردناک ہوتا ہے، کیوں کہ بیر اگر کسی پر مسلط ہو جائے تو پھر زندگی بھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور اولاد تک کو برباد کر دیتا ہے۔ ندیم اور ثنا کا معاملہ اس کے رشتہ داروں کی باتوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ وہ ''کنٹھا'' کے سات مراحل طے کر چکے تھے، مگر ظاہر ہے کہ اس دوران انہیں کچھ حاصل ہونے کے بجائے جو کچھ تھا، اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑا تھا، لہٰذا اب وہ انسانی بلی دے کر بیر کو قابو کرنے کی ترکیب کر رہے تھے، حب چوکی میں رہائش کے دوران انہوں نے ہنگلاج کی مٹی حاصل کی ہوگی اور کراچی میں اپنا ٹھکانہ بنا کر کام شروع کر دیا، مگر قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور وہ پولیس کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ پولیس حراست میں ندیم کا کہنا تھا کہ اپنے ہی بچوں کی بلی دینے کا فیصلہ اس نے اس لئے کیا تھا کہ کسی اور کو لا کر بلی چڑھانا ناممکن تھا۔ دونوں میاں بیوی اکیس دن کا چلہ کاٹنے اپنے گھر میں ہی بیٹھے تھے، مگر ان کی پر اسرار گمشدگی پر دسویں روز ہی محلے والے پولیس کی مدد سے گھر میں گھس گئے اور انہیں گرفتار کر لیا، جس کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ وہ ایک بچی کی بلی چڑھا چکے ہیں۔ کالے جادو کی جاپوں والی کتابوں اور ڈائری پر لکھے تنتروں نے تمام حقیقت کھول دی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ شروع میں کوئی بھی اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ کوئی اپنے بچوں کی بلی بھی چڑھا سکتا ہے، پاکستان میں ایسے واقعات بہت ہی کم ہوتے ہیں اور پھر اسلام میں ایسا کوئی تصور بھی نہیں ہے، لہٰذا پولیس سمیت تمام لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ندیم اور ثنا شاید پاگل پن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ گرفتاری کے بعد پولیس نے جب ان کے کمرے کو کھود کر بچی کی کچلی ہوئی لاش برآمد کر لی تو ندیم اور اس کی بیوی نے یہ قبول کیا کہ بچی کو انہوں نے بھینٹ چڑھا دیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے رہے کہ انہیں ایسا کرنے کا حکم ملا تھا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کسی ایسے عالم کی خدمات حاصل کی جاتیں جو یہ بتا سکتا کہ انسانی قربانی کن جاپوں میں، کس لیے اور کب دی جاتی ہے تاکہ اصل حقائق کا پتہ لگایا جا سکتا، مگر اس کے بجائے پولیس نے دونوں میاں بیوی کا دماغی معائنہ کرانے کا فیصلہ کیا تاکہ یہ پتہ چلایا جا سکے کہ وہ پاگل پن کا شکار تو نہیں ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ آج تک ندیم کے گرو کا پتہ

Marfat.com

نہیں چل سکا، جو یہ سب کچھ کرا رہا تھا۔ لونا چماری کے خاندان میں شامل ہونے کے لیے یہ لازمی ہے کہ جاپ کرنے والے کا کوئی گرو ہو، جو اسے عمل کرائے۔ انسانی قربانی کا مرحلہ چوں کہ کافی خطرناک ہوتا ہے اور اس کے بعد حاصل ہونے والی شیطانی طاقتیں بھی خطرناک ہوتی ہیں، لہٰذا کم از کم ''پورن بھگت'' کے درجے کا کوئی جادوگر ہوتا ہے۔ اپنے چیلوں میں اضافے کا مقصد ہی یہ ہوتا کہ گرو خود بھی اگلے درجے میں داخل ہو سکے، لہٰذا یہ بات نہایت اہم تھی کہ ندیم اور ثنا کا گرو کون تھا جو انہیں یہ عمل کرا رہا تھا، کیوں کہ یہ بات تو یقینی ہے کہ ندیم کی ناکامی کے بعد وہ ایسا کوئی اور ڈھونڈے گا، جو اس کے کام آسکے۔ ندیم اور ثنا نے حب چوکی سے کراچی آنے کے بعد کورنگی میں مکان حاصل کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا گرو بھی کورنگی میں ہی کہیں ہوگا۔ گزشتہ تین ماہ میں کورنگی میں کئی قتل ہوئے ہیں، جن میں بچے اور بڑے دونوں شامل ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کالے جادوگر کی طاقت کا راز!

ہم نے کئی سادھوں اور عاملوں سے اس بارے میں جاننا چاہا کہ ''بیر'' دراصل ہوتا کیا ہے، مگر کوئی بھی واضح طور پر یہ نہیں بتا پایا کہ ''بیر'' کس بلا کا نام ہے، کچھ کا کہنا تھا کہ یہ جنات ہوتے ہیں۔ کچھ کا کہنا تھا کہ یہ جنات نہیں، بلکہ کوئی اور شیطانی مخلوق ہے، جسے قابو کرنے کے بعد اس سے کچھ بھی کرایا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے لونا چماری کے خاندان میں شامل ہونا پہلی شرط ہے۔ ہم نے گزشتہ قسط میں بھی بتایا تھا کہ جو لوگ انسانی قربانی کرتے پکڑے جاتے ہیں وہ کالے جادو کے کم از کم آٹھویں مرحلے میں ہوتے ہیں۔ ماتا کالی کی بھینٹ کبھی بھی ایک انسان کو نہیں چڑھایا جاتا بلکہ کسی بھی جاپ کو پورا کرنے کے لیے کئی انسانوں کی بلی چڑھانا پڑتی ہے۔ عام طور پر یہ بلیاں یا تو خود کالے علم کے ماہر دیتے ہیں یا پھر ان کی نگرانی میں دی جاتی ہے۔ ایسے ہی ایک ''ویداس'' کے بارے میں ہمیں کراچی کے ایک ہندو بھگت نے بتایا کہ جنسی کمزوری دور کرنے کا ایک عمل ایسا بھی ہے جس پر بھارت کے دور دراز کے دیہاتوں میں کئی بار عمل کرتے ہوئے لوگ پکڑے گئے ہیں۔ اس عمل میں ہر چاندنی رات کو سر کچلی لاش پر ایک ناریل کا پانی چھڑکا جاتا ہے پھر اس کے سرہانے کھڑے ہو کر جاپ کیا جاتا ہے۔ اس عمل میں نو ماہ تک ہر ماہ ایک انسان کی بلی دینی پڑتی ہے، پاکستان میں آج تک صرف ایک ایسا کیس سامنے آیا ہے۔ یہ 1980ء کی دہائی کے آخر کا واقعہ ہے جب کراچی میں ایک بار ہتھوڑا گروپ مشہور ہوا تھا، اس گروپ کا طریقہ واردات یہ تھا کہ سڑک پر سوئے لوگوں کا سر کسی بھاری چیز یا ہتھوڑے سے کچل کر انہیں ہلاک کر

Marfat.com

ڈالتے تھے، ایسی بعض وارداتیں گھروں میں گھس کر بھی کی گئیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی بھی ایسی واردات میں کسی کا سامان چوری نہیں کیا گیا۔ 1988ء کے اخبارات کی فائلوں کو دیکھا جائے تو ایک اور حیرت انگیز بات یہ بھی پتہ چلتی ہے کہ سر کچلنے کی کل نو وارداتیں ہوئی تھیں۔ اس وقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ بھارتی خفیہ ایجنٹ خوف و ہراس پھیلانے کے لیے یہ وارداتیں کر رہے ہیں، البتہ اس جرم میں کوئی پکڑا نہیں گیا، پھر یہ وارداتیں خود بخود ختم ہوگئیں۔

ہندو مت میں بھگت ان عاملوں کو کہا جاتا ہے جو جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ دینے کا کام کرتے ہیں، کراچی میں ایسے کئی بھگت موجود ہیں جو سٹے کی پرچی کا نمبر بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں، ریس کے گھوڑوں کا حال بتاتے ہیں اور ایسے ہی کئی کام کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، دوسروں کو سٹے کا نمبر بتانے والے ان بھگتوں کی خود اپنی مالی حالت دیکھ کر ہنسی آتی ہے، ایسا ہی ایک بھگت کشور نام کا وہ سوئپر بھی ہے جس کا تعارف ہم شروع میں ہی کرا چکے ہیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ یہ تمام بھگت دراصل چھوٹے موٹے عمل کرنے کے قابل ہی ہوتے ہیں اور جس طرح جعلی عامل لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا روزگار چلا رہے ہیں، اسی طرح بھگت اپنا کام چلا رہے ہیں، اگر حقیقت میں یہ بھگت کالے علم کے کسی اہم درجے پر فائز ہوتے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی طرح یہ لوگ شہریوں یا آبادیوں میں نہ رہتے، کیونکہ جو کوئی ایک بیر بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اسے ناقابل یقین طاقت تو حاصل ہو جاتی ہے، مگر پھر وہ خود اپنی زندگی بچانے کی ایسی دوڑ میں شامل ہو جاتا ہے، جس میں مال دولت اور ایسی دیگر چیزیں اپنی اہمیت ہی کھو دیتی ہیں۔ مثلاً بیر سے اگلا درجہ بھیروں کا ہوتا ہے۔ بھیروں میں کئی بیر حاصل ہو جاتے ہیں، اگر ایک ''بیر'' والا جلد ہی بھیروں کا درجہ حاصل کرنے میں ناکام رہا تو آخر کار اس کا اپنا بیر ہی اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ کالے جادو کی بنیاد ہی دھوکے اور انسانی خون پر ہے، لہٰذا غلام بیر اپنی آزادی کے لیے مقررہ وقت کے بعد آقا کو مار ڈالتا ہے۔ جان بچانے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ مزید انسانوں کی بھینٹ دے کر ''بھیروں'' بنا جائے۔ بھیروں کے غلام کئی جنات ہوتے ہیں اور اسے ایک نئی زندگی ملتی

Marfat.com

ہے مگر یہ بھی مقررہ مدت کے لیے ہوتی ہے اگر وہ مقررہ مدت کے اندر انسانی بھینٹ دے کر اگلے مرحلے میں داخل نہ ہو تو مارا جائے۔ ہندو بھگتوں کا کہنا ہے کہ بھیروں کے بعد ''پدما'' کا نمبر آتا ہے، یہ گیارہواں نمبر ہے اور اسے ہی پورن بھگت بھی کہا جاتا ہے۔ پورن بھگت اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایسے عامل کے قبضے میں سات پورنیاں ہوتی ہیں، پورنیاں بھی جنات ہی کی طرح کی ایک مخلوق ہوتی ہیں، مگر ان کی جنس مونث ہوتی ہے، یہ انسانی روپ میں انتہائی خوبصورت عورت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور ان سات پورنیوں کے غلام 171 بیر ہوتے ہیں۔ اس طرح پورن بھگت یا ''پدما'' کو کالے علم میں دنیا کا بادشاہ تصور کیا جاتا ہے، ہم نے اس بارے میں کافی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ کیا پاکستان میں کوئی ''پورن بھگت'' ہے، مگر ہندو سادھوں اور بھگتوں سمیت ایسے افراد جو کالے علم کی شدبد رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آج تک پاکستان میں ایسے کسی شخص کی موجودگی کے شواہد نہیں ملے، جو پورن بھگت ہو۔ البتہ ''بھیروں'' کے رتبے تک کئی لوگ پہنچے اور اس کے شواہد بھی ملتے ہیں، اس سے آگے بڑھنے کی جس کسی نے بھی کوشش کی، وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، ایسی ہی ایک مثال رواں برس اندرون سندھ میں بھی سامنے آئی تھی، جس ایک ہندو بھگت نے انسانی بلی دیتے دیتے خود اپنی گردن بھی کاٹ کر دھڑ سے الگ کر لی تھی، پولیس کا خیال تھا کہ کسی چالاک مجرم نے قتل کی واردات کو بھینٹ کا رنگ دینے کی کوشش کی، مگر اس قاتل کے شواہد کبھی نہیں مل سکتے۔ پورن بھگت یا پدما بننے کے لیے انسانی قربانی کی ایک پہچان یہ ہے کہ ایک ہی رات میں ایک سے زیادہ انسانوں کی قربانی دی جاتی ہے، اگر کسی جگہ ایک ہی رات میں ایک ہی مقام پر کئی انسانوں کے گلے کٹے ملیں تو اس بات کی تحقیق کرنی چاہیے کہ انہیں کسی کالے علم کے ماہر نے پدما بننے کے لیے بھینٹ تو نہیں چڑھایا۔ پاکستان میں آج تک کوئی پدما بننے کے لیے کامیاب کیوں نہیں ہو سکا؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کالے جادو میں تھوڑی بہت مہارت حاصل کرنا تو زیادہ مشکل کام نہیں ہے اور ایک آدھ انسان کی بھینٹ دے کر بیر بھی قبضے میں کیے جا سکتے ہیں مگر پدما بننا بہت ہی مشکل کام ہے اور ایک ''شنکھا'' ہی کسی کو پورن بھگت بنا سکتا ہے۔ ''شنکھا'' کالے جادو کا

1104081

Marfat.com

پندرہویں نمبر کا ماہر ہوتا ہے۔اس کا کوئی ٹھوس وجود یا جسم نہیں ہوتا، اسے ہلاک کرنا بھی مشکل کام ہے، یہ بس ایک طرح سے ہوا ہوتی ہے، جو ہزار شکلیں اختیار کرسکتی ہے، شنکھا کچھ بھی کرسکتا ہے، مگر پاکستان میں آج تک کالے جادو کا کوئی اتنا بڑا ماہر نہیں بن سکا کہ وہ شنکھا کے درجے تک پہنچے۔شنکھا کے بعد کالے جادو کا آخری مرحلہ ''کھنڈولا'' بننے کا ہوتا ہے، مگر شاید ہی دنیا میں کبھی کوئی کھنڈولا بن سکا ہو۔کھنڈولا کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، نا ہی اس کی زندگی کبھی ختم ہوتی ہے۔وہ قیامت تک کے لیے امر ہو جاتا ہے۔جادو وغیرہ کا علاج کرنے والے کچھ علما کا یہ کہنا ہے کہ دراصل شیطان یا ابلیس ہی کالے جادو کی انتہا ہے، اسے خدا نے دھتکار کر راندۂ درگاہ کردیا اور قیامت تک کے لیے زندگی بخش دی، دنیا میں وہی واحد ''کھنڈولا'' ہے اور قیامت تک رہے گا۔کالے علم میں بھی کھنڈولا کی جو صفات بتائی گئی ہیں، شیطان یا ابلیس ان پر پورا اترتا ہے، اس کا کوئی ایک وجود نہیں، اسے موت نہیں آسکتی، وہ دنیا میں کہیں بھی کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، اس کے ہزار چہرے اور ہزار روپ ہیں، ہر برائی کے پیچھے اس کا کوئی نہ کوئی چیلا ہوتا ہے۔

پدما بننے کے لیے کسی شنکھا کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ پورن بھگت جاپ صرف ایک شنکھا ہی کرسکتا ہے۔کالے جادو کے گیارہویں مرحلے یعنی پورن بھگت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کم از کم سترہ انسانوں کی بلی چڑھائے، یہ بلی خود اس شخص کو چڑھانا پڑتی ہے، جو پدما یا پورن بھگت بننے کا عمل کررہا ہو، جبکہ اس کا گرو، شنکھا، پورن جاپ کرکے اپنے چیلے کو پورن بھگت بناتا ہے۔ہم نے گزشتہ اقساط میں یہ بتایا تھا کہ ہنگلاج کے پہاڑوں میں ماتا کالی اور لونا چماری کے درجن بھر چھوٹے چھوٹے مندر بنے ہوئے ہیں، ان الگ الگ مندروں کی وجہ یہ ہے کہ ہر شنکھا اپنا ایک الگ مندر بناتا ہے، جس میں اس کا اپنا علیحدہ شناختی نشان یعنی ''پدم'' بھی ہوتا ہے، اسی شناختی نشان کی شکل میں اس کے بیر ہوتے ہیں اور یہی نشان مندر میں بھی نظر آتا ہے۔مثلاً کسی شنکھا کا پدم مکڑی ہوتی ہے، کسی کا نشان کالی بلی ہوتی ہے، کوئی کوے کو اپنا پدم یا نشان بناتا ہے، یہ نشان عام طور پر کسی بھی ماتا کالی یا لونا چماری کے مندر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ویسے تو کالا علم سیکھنے والے شروع سے ہی اپنے

Marfat.com

چیلے بنانا شروع کر دیتے ہیں، مگر کالے جادو میں اصل گرو ایک شنکھا ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی کالا جادوگر جب اپنے چیلے بناتا ہے تو اس کا مقصد صرف ایک ہی ہوتا ہے کہ اگلے مرحلے میں داخل ہونے کے لیے مدد حاصل کرنا۔ کالے جادو کے گیارہویں مرحلے میں داخل ہونے والے لوگ کسی صورت بھی شہروں اور آبادیوں میں نہیں رہتے، بلکہ ویرانوں میں نکل کر الگ دنیا بسا لیتے ہیں۔ چونکہ ان کی خواہشات اور ترجیحات ہی بدل جاتی ہیں، اس لیے وہ گاڑی، بنگلہ یا اس قسم کی کوئی خواہش نہیں کرتے۔ ایک پورن بھگت کے ہزار دشمن ہوتے ہیں، خود ساتوں پورنیاں اور ان کے 171 غلام بیر بھی اس کے دشمن قیدی ہوتے ہیں، اس لیے اگر کوئی پدما اگلے درجے ''بھیروں ستوترن'' کے لیے کوشش نہ کرے تو کتے کی موت مارا جائے، لہٰذا ایسے جادوگروں کی زندگی سے چین نام کی چیز ہی رخصت ہو جاتی ہے، وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح اگلا جاپ مکمل کر کے بھیروں ستوترن اور پھر شنکھا اور پھر کھنڈولا بننے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ مگر اس کا نتیجہ اکثر اوقات میرپور خاص کے بھگت، درزی تیکم داس کی سرکٹی لاش کی صورت میں نکلتا ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

شوہر اور بچے کالی ماتا کے قدموں میں ذبح کرنے والی خاتون

تیکم داس میر پور خاص کا ایک ہندو بھگت تھا۔ 23 مارچ کی رات وہ اپنے چار بچوں سمیت ماتا کالی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ یہ ایک پراسرار مگر تقریباً حل شدہ کیس تھا۔ مگر ایک ماہ بعد ایک ذہین پولیس افسر کی تفتیش نے اسے انسانی بھینٹ دینے کا سب سے پیچیدہ کیس ثابت کر دیا۔ اس واردات میں وہ فرد قاتل نکلا جس کے بارے میں کوئی سوچ تک نہ سکتا تھا۔ تمام لاشیں گھر میں قائم ماتا کالی کے مندر میں اس مورتی کے قدموں میں پڑی تھیں، جس کے ایک ہاتھ میں کٹا انسانی سر اور دوسرے میں کلہاڑی تھی، اطراف میں ناریل، سندور اور گلاب کے پھولوں کا ڈھیر تھا، ہر لاش کی گردن صفائی کی ایک پلیٹ بھی پڑی ہوئی تھی۔ اس واردات کی اطلاع صبح سویرے میر واہ گورچانی پولیس کو دی گئی۔ ساتھ میں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ واردات کالے جادو میں ماتا کالی کو انسانی بھینٹ دینے کے سلسلے میں کی گئی ہے۔ میر واہ گورچانی میر پور خاص سے تقریباً 20 کلومیٹر دور ہے، یہاں میگھواڑ پاڑے میں ہندو بستے ہیں، اسی جگہ پر تیکم داس کا خاندان بھی رہائش پزید تھا۔

گو کہ علاقے کی پولیس کے افسران اور اہل کار مسلمان ہیں، مگر کالے جادو میں انسانی قربانی کی بات سن کر انہوں نے فوری طور پر جائے وقوع پر پہنچنے کے بجائے ایک مولوی صاحب سے رابطہ کیا اور تمام صورت حال بتا کر انہیں ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ یہ واقعہ خود ان عالم صاحب نے بتایا جب کہ گورچانی پولیس اس بات کی تصدیق یا تردید کرنے سے گریز کرتی ہے۔ کچھ اہل کاروں کا کہنا ہے کہ ممکن ہے کسی نے اپنے طور پر مولانا صاحب

Marfat.com

سے رابطہ کیا ہو، مگر سرکاری سطح پر ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔ مولانا صاحب کا کہنا ہے کہ پولیس والوں کا کہنا تھا کہ ایک گاؤں میں کالے جادو کے سلسلے میں انسانی قربانیاں کی گئی ہیں، وہ پولیس پارٹی کے ساتھ جائے وقوع تک چلیں اور اس دوران قرآنی آیات کا ورد کرتے رہیں تاکہ کسی قسم کے ممکنہ اثرات سے پولیس پارٹی محفوظ رہ سکے، مگر مولانا صاحب نے ساتھ جانے کے بجائے یہ مشورہ دیا کہ تمام لوگ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے گرد حصار کھینچ لیں اور بلا خوف چلے جائیں۔ پولیس پارٹی موقع پر پہنچی، لاشیں قبضے میں لی گئیں اور معلومات کی گئیں تو محلے داروں اور خاندان والوں نے تصدیق کر دی کہ تیکم داس ایک بھگت تھا اور چند برسوں سے کالے جادو کے چکر میں پڑھ کر عملیات میں لگا رہتا تھا۔ اسے جوئے یا سٹے کی پرچی کا نمبر بتانے میں مہارت حاصل تھی اور جواری اس کے پیچھے پھرتے تھے۔ اسی دوران ہندوؤں کی مقدس رات ''نوراتی'' آ گئی۔

تیکم داس کا کہنا تھا کہ اسے ماتا کالی نے پرچی کا نمبر بتا کر ساڑھے سات سو کے پرائز بانڈ میں 15 لاکھ کا انعام دیا ہے، اب اسے ماتا کالی کو بھینٹ چڑھانا ہوگی۔ پھر اس نے نوراتی سے دس روز قبل ہی چلہ کاٹنا شروع کر دیا اور روزہ رکھ لیا، نوراتی کی رات 26 سالہ بھگت تیکم داس میگھواڑ نے اپنی تین معصوم بیٹیوں 6 سالہ بھارتی، 4 سالہ آرتی اور 7 ماہ کی کرن کو ذبح کر کے کالی ماتا کی بھینٹ چڑھا دیا اور بعد میں ماتا کالی کے بت کے قدموں میں بیٹھ کر خود اپنی گردن بھی کاٹ ڈالی۔ جنازوں کا منظر روایتی انداز کا تھا، پورا محلہ سوگوار تھا۔ تیکم داس کی بیوی کہتی تھی ان لاشوں کو مت لے جاؤ، کیونکہ بلیدان دوبارہ زندہ ہو جائے گا لہٰذا فکر کی کوئی بات نہیں۔ پولیس کو تفتیش میں زیادہ مشکلات پیش نہیں آئیں۔ یہ بات واضح تھی کہ کالے جادو کے ماہر کو بلی دینے کے لیے کوئی اور نہیں ملا تو اس نے اپنے بچوں کی بلی دے ڈالی اور پھر نئے جنم کے چکر میں اپنے آپ کو بھی ماتا کالی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ یوں معاملہ حل ہو گیا اور زندگی دوبارہ اپنی ڈگر پر رواں دواں ہو گئی، مگر میر پور خاص کے ایک پولیس افسر نے اس کیس پر کام جاری رکھا۔ اسے شک تھا کہ تین معصوم بچیوں سمیت 4 افراد کی موت کالی ماتا کی بھینٹ نہیں، بلکہ اس کی آڑ میں قتل کی واردات ہے، جو شاید پندرہ لاکھ

Marfat.com

روپے کے لالچ میں کی گئی ہے، بعد میں یہ شک نصف درست ثابت ہوا۔ خود تیکم داس کے والدین، بیوی اور اہل محلّہ کا کہنا تھا کہ تیکم داس ایک ایسا خطرناک عمل کر رہا تھا، جس میں ماتا کالی کو انسانی خون کی بلی دینا ہوتی ہے، لہٰذا اس نے بچوں اور اپنی بلی دے ڈالی۔ مگر حقیقت اس کے بالکل متضاد تھی۔ تیکم داس ایک درزی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، وہ ہندو تو تھا مگر مذہب سے اسے کچھ زیادہ لگاؤ نہیں تھا، آٹھ سال قبل اس کی شادی کے ساتھ ہی ایک نئی کہانی شروع ہوئی۔ اس کی شادی گھر والوں نے دور کے رشتہ داروں میں شریمتی پاؤی نامی لڑکی کے ساتھ کی۔

پاؤی ایک بھگتنی تھی، مگر شادی سے قبل اس بات کا علم کسی کو نہیں تھا، جب وہ بیاہ کر آئی تو گھر میں مذہبی معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے، اس کے ساتھ ساتھ پڑوس اڑوس میں لوگوں کو تعویذ دینا، بچوں پر دم کرنا، مختلف کاموں کے لیے منتر بتانا جیسے کام شروع کر دیئے اور بہت جلد ہی محلے میں اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ یہ سلسلہ شادی کے تین برس بعد تک چلتا رہا، تیکم داس کا گھرانہ درزی تھا اور اس کا کام ٹھیک چل رہا تھا مگر تین سال بعد اچانک اس نے اپنی دکان بند کر دی اور گھر میں ایک مندر قائم کر لیا۔

یہیں سے اس خاندان کی بربادی کا سفر شروع ہوا۔ شریمتی پاؤی نے اپنے شوہر کو پوری طرح قائل کر لیا تھا کہ وہ درزی کا کام چھوڑ کر خود بھی بھگت بن جائے۔ اس طرح پانچ سال قبل تیکم داس درزی سے بھگت بن گیا اور اس نے شریمتی پاؤی میگھواڑ بھگتنی کو گرو بنا لیا۔ گورچانی کے میگھواڑ پاڑے میں جادو اور جادوگروں کا کافی اثر و رسوخ ہے، پورے میرپور خاص میں یہ علاقہ مشہور ہے، جس کسی کو بھی جادو کرانا ہو یا اس کی کاٹ۔ وہ یہاں آتا ہے، اسی طرح کافی دور دور سے لوگ سٹے کا نمبر پوچھنے، تعویذ بنوانے، پرائز بانڈ کا نمبر پوچھنے آتے رہتے ہیں۔ تیکم داس نے بھی بھگت کا روپ دھار کر کام شروع کر دیا، جواریوں کو آکڑا پرچی کے نمبر وغیرہ بتاتا تھا، یعنی کس نمبر پر انعام نکلے گا اور کس نمبر پر نہیں نکلے گا۔

اس نے اپنے گھر کی اوپر کی منزل پر ماتا کالی کا مندر قائم کر رکھا تھا۔ یہی جگہ اس کی کمین گاہ تھی، جہاں لوگ اس سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ تیکم داس کے کام میں کوئی خاص بات

Marfat.com

تھی، ایسے لوگوں کی تعداد درجنوں میں ہے، جنہیں تیکم داس نے سٹے کا نمبر بتایا اور وہ درست نکلا، سب کے سامنے تیکم داس ایک کامیاب بھگت تھا، مگر اندر کی کہانی کچھ اور تھی۔ بعد میں پولیس کی تفتیش سے یہ پتہ چلا کہ اصل ماسٹر مائنڈ شریمتی پاوی تھی، تیکم داس نے چھوٹے موٹے جاپ تو یاد کر لیے تھے مگر اصل کام بھگتنی شریمتی پاوی کرتی تھی، کسی کو نمبر بتانا ہو، تعویذ دینا ہو، فرنٹ پر تیکم داس ہوتا مگر کام پاوی کر کے دیتی۔ اس دوران پانچ برس گزر گئے اور تیکم داس کی تین لڑکیاں بھی ہو گئیں، مگر ان کے گھر کے حالات نہیں بدلے۔ وہی بوسیدہ گھر اور روکھی سوکھی روٹی۔ تیکم داس نے اپنی بیوی سے جھگڑنا شروع کر دیا تھا کہ جب وہ پوری دنیا کو سٹے کی پرچی کا نمبر بتا سکتی ہے تو پھر خود اسے کیوں نہیں بتاتی تاکہ وہ بھی مال دار ہو سکے۔ پاوی نے اس کی شرط یہ رکھی کہ وہ انعام نکلنے کے بعد ماتا کالی کو بھینٹ چڑھائے گا۔ تیکم داس نے آمادگی ظاہر کر دی۔ اس کی بیوی نے جو نمبر بتایا تھا وہ بالکل درست نکلا اور ساڑھے سات سو کے بدلے 15 لاکھ روپے اس کے ہاتھ لگے۔ وہ دل سے بیوی کے کالے علم کا قائل ہو گیا۔ پولیس کے علاوہ تیکم داس کے خاندان کے افراد بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ قتل سے چند روز قبل تیکم داس کا ساڑھے سات سو روپے والا پرائز بانڈ لگا تھا، جس میں اسے تقریباً 15 لاکھ روپے بطور انعام ملے تھے۔ اس انعام کے بعد سے تیکم داس کی چال بدل گئی تھی اور اس کے گھر میں بھجن (ست سارنگ) کی محفلیں چل رہی تھیں۔ بعض افراد کا یہ بھی کہنا ہے کہ انعام نکلنے کے بعد اس کی بیوی نے تیکم پر دباؤ ڈالا کہ اب وعدے کے مطابق نوراتی کو ماتا کالی کو بھینٹ دینا پڑے گی۔ ''نوراتی'' کے بارے میں ہندوؤں کا کہنا ہے کہ یہ طاقت کی دیوی کالی ماتا کا تہوار ہے، جس میں کالی ماتا کے ماننے والے اس پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور اس کے جواب میں امید رکھی جاتی ہے کہ کالی ماتا انہیں طاقت سے نوازے گی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو جس قدر اچھی اور بڑی بھینٹ چڑھائے گا، اسے اسی قدر زیادہ شکتی ملے گی۔

کالی ماتا کے لیے سب سے بڑا چڑھاوا انسانی خون کی بلی ہوتی ہے، جس میں کسی انسان کو کالی ماتا کے بت کے قدموں میں ذبح کر کے اس کا سر علیحدہ کر دیا جاتا ہے، پھر اس انسانی

Marfat.com

سر کو کالی ماتا کے بت کے قدموں میں رکھ دیا جاتا ہے۔
تیکم داس کے اہل خانہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اپنا انعام نکلنے کے بعد اس رات کے انتظار میں تھا اور بار بار اپنے گھر والوں سے کہہ رہا تھا کہ کالی ماتا نے بانڈ کے انعام کی صورت میں شکتی دے دی ہے اور اب وہ اپنی بلی مانگ رہی ہے، اب کچھ کرنا ہی ہو گا اور کالی ماتا کو بلی دینا ہی پڑے گی۔ ''نوراتی'' کی رات وہ اپنے مندر میں ہی تھا۔ اگلی صبح سب سے پہلے اس کی بیوی پاؤی نے دیکھا کہ تیکم اور اس کی تینوں بیٹیوں کے سر کٹے ہوئے ماتا کالی کے قدموں میں رکھے ہیں۔ پاؤی نے ہی سب کو اس بارے میں اطلاع دی، وہ صبح گائے کا دودھ نکالنے کے بعد مندر کی طرف گئی تھی۔ کہا یہ گیا کہ تیکم داس تمام رات اپنی پوجا میں مصروف رہا اور اسی صبح اس نے اپنی تین معصوم بیٹیوں کے گلے کاٹ کر انہیں کالی ماتا کی بھینٹ چڑھا دیا اور بعد میں اپنی گردن کاٹ کر خود کو بھی ہلاک کر لیا۔ تیکم داس کے والد دیوراج میگھواڑ کے مطابق ان کی بہو شریمتی پاؤی گائے کا دودھ دوھنے گئی تھی اور دودھ لے کر جب واپس آئی تو کمرے میں تین معصوم بچیوں اور شوہر کی لاشیں دیکھ کر حواس کھو بیٹھی اور اس کے شور مچانے پر علاقے کے لوگ جمع ہو گئے، کمرے میں چاروں لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں۔ پولیس نے لاشیں اپنی تحویل میں لے کر مقامی اسپتال میں پوسٹ مارٹم کرانے کے بعد ورثا کے حوالے کر دیں، جبکہ واقعہ میں استعمال ہونے والی چھری بھی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی۔ تیکم داس کے اہل خانہ کا کہنا تھا کہ انہیں پتہ نہیں کس وقت تیکم نے اپنی بیٹیوں کے سر تن سے جدا کیے، کیوں کہ وہ اوپر اپنے مندر میں تھا اور بچیاں نیچے گھر میں سوئی ہوئی تھیں، کس وقت وہ نیچے آیا اور لڑکیوں کو اوپر لے گیا جہاں انہیں قتل کر کے ماتا کالی کے قدموں میں سر رکھ کر ان کے گرد پھول ڈال دیئے۔ یہ باتیں پولیس کی ابتدائی تفتیش میں سامنے آئی تھیں، مگر بعد میں کہانی کا رخ بدل گیا۔ انسانی بلی چڑھانے کی اس واردات کا نوٹس صدر پاکستان تک نے لے لیا تھا، پھر تیکم داس کے بھائی مولی چند میگھواڑ نے بھی تعلقہ تھانے میں نامعلوم افراد کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کراتے ہوئے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ تیکم داس نے خود اپنی ہی بلی چڑھا دی، لہٰذا ڈی پی او میر

Marfat.com

پورخاص منیر احمد شیخ نے اس معاملے کی انکوائری کے لیے ایس پی انوسٹی گیشن محمد حسن دل ایس پی اوسیٹلائٹ ٹاؤن جمیل احمد قریشی، ایس ایچ او تعلقہ تھانہ رسول بخش تھیم، ایس ایچ او سیٹلائٹ ٹاؤن عبدالجبار ابڑو پر مشتمل انکوائری کمیٹی قائم کر دی تھی۔ بعد میں یہ پتہ چلا کہ اصل مجرم پاؤی تھی۔ اصل جادوگر بھی وہی تھی۔ اس نے پرچی نمبر بتانے سے قبل ہی بلی دینے کا وعدہ لے لیا تھا، لہٰذا انعام نکلنے کی خوشی میں تیکم نے اپنی بیوی کی بات مان کر اپنے ہی بچوں کی بلی دینے کا فیصلہ کرلیا، کیوں کہ پاؤی نے یقین دلایا تھا کہ جس کی بھی بلی دی جائے گی، وہ اسے بعد میں دوبارہ زندہ کر دے گی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ پرچی کا درست نمبر بتانے پر تیکم داس بیوی کا معتقد تو ہو چکا تھا، لہٰذا اس نے بچوں کی بلی دے ڈالی اور بعد میں پاؤی نے خود اپنے شوہر کو بھی ماتا کالی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ نجانے اس کا منصوبہ کیا تھا، کیوں کہ جب لاشیں اٹھائی جارہی تھیں، تو وہ لاشوں سے لپٹ گئی تھی اور چلا چلا کر کہہ رہی تھی کہ انہیں تین دن یہاں پڑا رہنے دو، یہ سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، انہیں شمشان گھاٹ نہ لے کر جاؤ، یہ مرے نہیں، بلکہ ماتا کالی کی بھینٹ چڑھے ہیں، یہ تین دن کے اندر اندر دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعد میں پولیس نے پاؤی کو گرفتار کرلیا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

کالے جادو کے آخری مراحل میں مردے کھانے پڑتے ہیں

ٹھیک ایک برس قبل گذشتہ مارچ کی بات ہے۔ بلوچستان کے پہاڑوں میں ماتا ہنگلاج کے پراسرار مندر اور غاروں کی ٹوہ میں ہم نے یہاں کے کئی چکر لگائے تھے۔اس تحقیقی رپورٹ میں ہم نے کراچی اور میر پور خاص کی ایسے درجن بھر کیس اسٹڈیز پیش کی تھیں، جو ہنگلاج کے مندر سے جڑی تھیں اور ان میں کالے جادو کے نام پر انسانی قربانی کی گئی تھی۔ان کیس اسٹڈیز میں کراچی کورنگی میں اپنے بچے کو ذبح کرنے والے ندیم موچی، میر پور خاص میں اپنے تین بچوں اور شوہر کو کالی ماتا کی بھینٹ چڑھانے والی پاؤی دیوی، لانڈھی نمبر ایک میں کالے جادو کے ماہر پیر بابا، جسے اس کے بیٹے نے عمل الٹنے کے دوران ذبح کر دیا تھا، کی سچی کہانیاں شامل تھیں۔ یہ رپورٹ اپریل 2009 کی شروع کی تاریخوں سے شائع ہونا شروع ہوئی مگر پندرہ سے زائد اقساط میں ادھوری ہی ختم ہو گئی۔ رپورٹ مکمل نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی اس رپورٹ میں ہم نے کالے جادو کے تیرہ درجوں کا ذکر کیا تھا، ان درجات میں سے بارہ کی کیس اسٹڈیز ہم نے اپنی رپورٹ میں شامل کیں، تیرھواں درجہ، جو کہ کھنڈولا کا تھا، اس رپورٹ میں ہم نے بتا دیا تھا کہ پاکستان میں آج تک کوئی کھنڈولا کے درجے کے مراحل شروع کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکا ہے لہذا بہت بھاگ دوڑ کے بعد بھی اس کی کیس اسٹڈیز نہیں مل سکیں اور یوں کالے جادو اور

Marfat.com

انسانی قربانی پر یہ رپورٹ ادھوری ہی رہ گئی۔ اب ٹھیک ایک سال بعد دو اپریل کو بھکر کے علاقے دریا خان میں رہنے والے خلیل احمد کی آدم خور فیملی ایک مردہ لڑکی کو بھون کر کھاتے ہوئے پکڑی گئی۔ اس حوالے سے تفصیلی واقعاتی رپورٹ، قارئین پڑھ چکے ہیں مگر شاید یہ انکشاف ان کے لئے حیرت انگیز ہوگا کہ انسانی گوشت کھانا کوئی بیماری یا نشہ نہیں بلکہ کالے جادو کے آخری مراحل، جسے کھنڈولا بننے کا مرحلہ کہتے ہیں، انہیں شروع کرنے کی بنیادی شرط یہی ہے۔ کالے جادو کا یہ تیرہواں درجہ ہوتا ہے اور اسے پورا کرنے کے بعد، جیسا کہ کہا جاتا ہے، انسان شیطان کے قریب ترین پہنچ جاتا ہے۔ ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں آسکا، جس میں کوئی انسان کھنڈولا بننے کے تمام مراحل بخوبی طے کر گیا ہو، بھارت میں ایسی کوششیں کافی زیادہ ہیں مگر پاکستان میں اب تک ایسا ایک ہی خاندان سامنے آیا ہے جس نے کالے جادو کے آخری مراحل تک پہنچنے کے لئے انسانی گوشت کھانا شروع کر رکھا تھا۔ بھکر کے خلیل احمد فیملی کی آدم خوری کے پس منظر میں ہم بعد میں جائیں گے، پہلے کھنڈولا بننے کے مراحل کی کچھ تفصیل بتا دیں۔ یہ بھی بتاتے چلیں کہ پاکستان ہو یا بھارت، بنگلہ دیش، کالے جادو کے تحت انسانی قربانی کرنے اور انسانی گوشت کھانے کی تمام کڑیاں، کالی اور بلوچستان کی ہنگلاج ماتا نامی ہندو دیویوں کے مندوروں میں جا کر ملتی ہیں، کالی کا سب سے قدیم مندر بھارت میں کلکتہ میں موجود ہے جب کہ ہنگلاج کا سب سے قدیم مندر بلوچستان میں کراچی سے 280 کلومیٹر دور ایک پہاڑی سلسلے میں واقع ہے، اس بارے میں ہم گذشتہ برس اپریل میں تفصیلات لکھ چکے ہیں۔

کالا جادو کرنے والوں کی طرف سے انسانی گوشت کھانے کا ایک تہلکہ خیز انکشاف، پختہ ثبوتوں کے ساتھ دو برس قبل پہلی بار سامنے آیا تھا۔ 30 جولائی 2009 کو ایک بھارتی نژاد برطانوی شہری، منجو ناتھ نے اپنے آبائی ملک کا سیاحتی دورہ کیا۔ اس نے بھارت اور بنگال کے کالے جادو پر بہت کچھ پڑھ رکھا تھا اور وہ ان داستانوں سے کافی مرعوب بھی تھا۔ بھارت آنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ وہ ایسے بھارتی سورما دیکھنا چاہتا تھا جو کسی جدید ٹیکنالوجی کے بغیر بھی غیر انسانی طاقتوں پر عبور رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسے کچھ

Marfat.com

دوست ایک دریا کے قریب بنے ہنگلاج کے مندر میں لے گئے، یہاں تین نوجوان سادھو اپنے گیان دیان میں مصروف رہتے تھے۔ واضح رہے کہ تمام تر ہنگامے کے باوجود منجوناتھ نے اس علاقے کا نام نہیں بتایا، جہاں یہ واقعات پیش آئے، ہنگلاج کا مرکزی مندر تو بلوچستان میں ہی ہے مگر اس کے ماننے والے اپنے چھوٹے چھوٹے مندر کسی بھی جگہ قائم کر لیتے ہیں، ایسا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب وہ کالے جادو کے مراحل طے کرنے کے لئے جاپ کر رہے ہوتے ہیں، اپنے جاپ کرنے کے لئے انہیں لازمی طور پر اس مندر کی ضرورت پڑتی ہے۔ عموماً ایسے سادھو اور جادوگر اپنے آپ کو لوگوں سے دور رکھتے ہیں اور کسی بھی صورت سامنے نہیں آتے، برطانوی شہری منجوناتھ نے اپنے دوستوں سے نجانے کیا کہا، اور انہوں نے ان جادوگروں کو کیسے راضی کیا، یہ اب تک ایک راز ہے، البتہ یہ سادھو ایک دن کے لئے منجوناتھ کو اپنے ساتھ رکھنے پر راضی ہو گئے، اس نے جو جیکٹ پہن رکھی تھی، اس میں ایک چھوٹا کیمرہ چھپا تھا، اس کا لینس ایک بٹن کی جگہ سے باہر کی منظرکشی کر رہا تھا لہٰذا، سادھوں کے ساتھ رہتے ہوئے تمام اہم مناظر کو منجوناتھ ریکارڈ کرتا رہا۔ ہندوؤں کے اگھوری فرقے سے تعلق رکھنے والے ان سادھوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے طور پر ایک خدا ہے، بس اس کی مخفی قوتیں بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے اسی نظریئے کے تحت وہ زندگی بھر کالے جادو میں مہارت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اگھوری فرقے کے یہ ہندو سادھو، بھارتی گجرات، بنگال اور سری لنکا کے قریب والی بھارتی سرسبز ریاستوں میں پائے جاتے ہیں۔ منجوناتھ نے جن ہندو سادھوں کے ساتھ اپنا ایک دن گزرا، انہوں نے اپنے جاپ کا آغاز نصف شب سے ایک انسانی کھوپڑی پر اشلوک پڑھنے سے کیا، نصف شب کو ناریل کے پانی میں پیشاب ملا کر مندر میں ہنگلاج ماتا کے سامنے چلے آئے جہاں پہلے سے ایک انسانی کھوپڑی پلیٹ میں رکھی تھی، وہ اس پر اپنے اشلوک پڑھتے رہے اور تھوڑی دیر بعد ناریل کا وہ آلودہ پانی اس پر ڈالتے رہے۔ صبح کاذب تک تینوں سادھو یہ عمل دہراتے رہے، دراصل ان کا یہ عمل ایک مخصوص جاپ کا حصہ تھا، یہ معمول کی زندگی نہ تھی بلکہ مہینوں میں ایک بار اس طرح کیا جاتا ہے۔ صبح جب پو پھوٹنے

Marfat.com

کے قریب تھی، تینوں سادھواوران کے ہمراہ منجوناتھ دریا کے کنارے چلے آئے، بڑا سادھو، جو جاپ کی سربراہی کر رہا تھا، وہ دریا میں کچھ اندر اتر کر پانی میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا، دونوں چیلے اس سے تھوڑا پیچھے پانی کے باہر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے آنکھیں بند کر کے اشلوک پڑھنے شروع کر دئے، یہ لوگ اپنے اشلوک میں شیطان سے کہہ رہے تھے کہ ان کیلئے کوئی انسانی لاش بھیج دے۔ بھارت میں عام طور پر ہندو اپنے مردے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں، کچھ ایسے فرقے بھی ہیں جو اپنے مردے جلا کر ان کی راکھ دریا میں بہانے کے بجائے سالم مردہ ہی پھولوں سے لاد کر دریا میں بہا دیتے ہیں، انہیں مردوں کی تلاش میں اگھوری فرقے سے تعلق رکھنے والے ہندو سادھو دریا کنارے بیٹھ کر شیطان سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی لاش بھیج دے۔ ایسے علاقے جہاں کوئی دریا نہیں بہتا، اگھوری فرقے کے سادھو یا دیگر کالے جادو کے عامل، شمشان گھاٹ کے قریب جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور وہیں اپنا جاپ شروع کر دیتے ہیں، اس بار بھی وہ اپنے اشلوک میں شیطان سے مدد مانگتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی مردہ بھیج دے، جیسے ہی کوئی مردہ شمشان گھاٹ میں جلانے کے لئے لایا جاتا ہے، ان کے جاپ کا ایک حصہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل بتانے سے قبل ہم منجوناتھ کا واقعہ پورا کر دیں۔ دریا کنارے بیٹھے ساد

ھوؤں نے اپنا جاپ کرتے کرتے اچانک آنکھیں کھولیں اور دریا کے بہاؤ کی مخالف سمت میں دیکھنا شروع کر دیا، انہیں شیطانی اشارہ مل گیا تھا کہ ان کے لئے کوئی لاش بہتی آ رہی ہے، تھوڑی دیر بعد ایک انسانی لاش پانی کے بہاؤ میں بہتی نظر آ گئی، یہ ایک موٹے سے مرد کی لاش تھی جو پانی میں پڑے پڑے بری طرح پھول کر کپا ہو چکی تھی، سادھو پانی میں کود پڑے اور اسے کھینچ کھانچ کر کنارے تک لے آئے، اب ان کے جاپ کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا تھا، وہ اس پھولی ہوئی لاش کو اپنے قدموں میں رکھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر ہاتھ فضا میں اٹھا کر زور زور سے شیطان کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ تیسرے مرحلے میں وہ لاش کو کندھے پر لاد کر مندر واپس آ گئے۔ مندر میں آنے کے بعد کالے جادو کے آخری مراحل کا وہ کریہہ اور خوفناک منظر شروع ہوتا ہے، جسے دیکھنے کے لئے کافی بڑا دل

Marfat.com

چاہیے، منجوناتھ نے اس سارے عمل کی کامیابی سے ویڈیو بنالی تھی اور شاید یہ دنیا کی پہلی مکمل ویڈیو ہے، جس میں کالے جادو کے آخری درجے میں کھنڈولا بننے کے مراحل طے کرتے جادوگروں کو دکھایا گیا ہے، یہ ویڈیو جب سب سے پہلے انٹرنیٹ پر لانچ کی گئی تھی تو کئی کمزور دل افراد اسے دیکھنے کے بعد ہارٹ اٹیک کا شکار ہو گئے تھے، اس کے بعد برطانوی حکومت نے اس ویڈیو پر پابندی لگا دی آخر کار ایک سمجھوتے کے تحت ویڈیو کو اس پیغام کے ساتھ انٹرنیٹ پر دوبارہ پوسٹ کرنے کی اجازت دی گئی کہ منجوناتھ اور اس کے گروپ کے لوگ، ویڈیو میں سب سے پہلے یہ تحریر لکھیں گے کہ اس ویڈیو میں انتہائی خوفناک مناظر دکھائے گئے ہیں اس لئے بچے، کمزور دل کے افراد یا مریض اس ویڈیو کو نہ دیکھیں۔ یہ ویڈیو اگر کوئی دیکھنا چاہئے تو اس ایڈریس پر دیکھ سکتا ہے:

http://www.ceveni.com/2009/01/a

ghori-sadhus-eating-human-flesh-video.html

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

لاش کھانے سے قبل اس پر بیٹھ کر گھنٹوں جاپ کیا جاتا ہے

منجوناتھ نے جو تہلکہ خیز ویڈیو بنائی تھی اس کا سب سے کریہہ اور خوفناک منظر جاپ پر بیٹھ کر جاپ کرنے سے شروع ہوتا تھا، اگھوری فرقے کے اس نوجوان سادھو نے اپنے چیلوں کے مدد سے لاش کے ہمراہ اپنے مندر میں پہنچے کے بعد لاش کو سجانے کا کام شروع کر دیا، پہلے اس کے گلے سڑے چہرے پر سندور ملا، پھر گیندے کے پھولوں سے ملتے جلتے کچھ پھول اس لاش پر ڈال دئے، ناریل کا پانی بھی چھڑکا گیا۔ اب یہ لاش کالے جادو کا جاپ کرنے کے لئے تیار تھی، سادھو نے اس کے نچلے نصف دھڑ پر ایک بوری بچھائی اور خود عین اس جگہ چڑھ کر بیٹھ گیا جہاں پیٹ اور ٹانگیں آپس میں ملتی ہیں۔ لاش پر بیٹھ کر اشلوک پڑھنے کا یہ عمل کئی گھنٹے تک جاری رہتا ہے مگر منجوناتھ نے اپنی ویڈیو میں اس عمل کو تین منٹ تک دکھایا ہے، ویڈیو میں صاف سنائی دے رہا ہے کہ سادھو گورکھی زبان میں جو اشلوک پڑھ رہا ہے ان میں کسی طاقت سے کہا جا رہا ہے کہ اس کی طلب کے مطابق بھینٹ دے دی گئی ہے اب وہ اسے طاقت بخش دے اور اسے اپنا

Marfat.com

غلام بنا لے، انہی اشلوک میں یہ وعدہ بھی کیا جا رہا ہے کہ آئندہ بھی اس (نامعلوم طاقت) کی خواہش کے مطابق بھینٹ دی جائے گی اور طوق غلامی کو برقرار رکھا جائے گا۔ہم نے کراچی اور میر پور خاص کے کئی ہندو پنڈتوں سے اس بارے میں بات کی، ایک بات پر سب متفق تھے کہ ہندومت میں کچھ افراد طاقت حاصل کرنے کی ہوس میں بھٹک جاتے ہیں اور یہ سب ان کا کیا دھرا ہے حالانکہ ہندومت میں اس کی اجازت نہیں ہے، اس بات پر اختلاف تھا کہ ایسے ہندو جو لاشوں پر بیٹھ کر عمل کرتے ہیں، وہ کس دیوی کی پوجا کرتے ہیں، کچھ پنڈتوں کا کہنا تھا کہ دراصل یہ ہنگلاج اور کالی ماتا کی پوجا کرتے ہیں اور یہی دونوں دیویاں ہی کالے علوم کی طاقتیں فراہم کرتی ہیں، کچھ پنڈتوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ شیوا نامی دیوتا کی پوجا کرتے ہیں اور کالی طاقتوں کا اصل ماخذ ''شیوا'' ہی ہے۔ہم نے جو بات نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ کراچی اور اندرون سندھ کے ایسے ہندو پنڈت جو بلوچستان میں ہنگلاج مندر کے ٹورز پر ہندوؤں اور سیاحوں کو لے کر جاتے ہیں وہ کالے علوم کے ماہرین کو شیوا کا غلام قرار دے کر ہنگلاج اور کالی نامی دیویوں پر سے الزام ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ دیگر ہندو پنڈت جو اپنے مندروں میں شیوا کی پوجا کراتے ہیں، وہ شیوا نامی دیوتا پر یہ الزام برداشت نہیں کرتے اور کالی اور ہنگلاج دیوی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، اب سچ کیا ہے، یہ اللہ ہی جانتا ہے۔

بہرحال منجوناتھ نے جن سادھوں کے ساتھ اپنا ایک دن گزارا تھا ان کے گرو نے انسانی لاش پر کئی گھنٹے تک بیٹھ کر اپنا جاپ پورا کیا اور پھر لاش سے اتر آیا، کالے جادو کے بارے میں شدبدر رکھنے والوں کا دعوی ہے کہ دراصل لاش پر بیٹھ کر عمل کرنے والا اسی وقت لاش سے نیچے اترتا ہے جب اسے ہنگلاج، کالی یا شیوا کی طرف سے اشارہ ملتا ہے کہ اس کا جاپ قبول ہوگیا ہے اور اسے اگلے مرحلے کا عمل شروع کرنے کی اجازت ہے۔روحانی علوم

Marfat.com

کی مہارت رکھنے والے بزرگوں اور علما کا کہنا ہے کہ یہ دراصل کافر جنات ہوتے ہیں جو شیطان کی طرف سے لوگوں کو بہکانے کی مشن پر مامور ہوتے ہیں، کالے جادو کے ماہرین کو بھی وہی اپنے چند جنات دے دیتے ہیں جن کے ذریعے سے کالے جادو کے ماہرین کچھ قوتیں حاصل کر لیتے ہیں اور مزید گمراہی میں پڑ جاتے ہیں، یہی کافر جنات کالے جادو کا عمل کرنے والوں کو، کالی دیوی، ہنگلاج اور شیوا بن کر مزید شیطانی عمل کرنے کے اشارے دیتے رہتے ہیں، بہر حال لاش پر جاپ کرنے کا عمل پورا ہونے کے بعد اسی لاش کا گوشت کھانے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ منجوناتھ کی بنائی ہوئی ویڈیو میں بھی یہی کچھ دکھایا گیا ہے، سیاہ رنگ کا سادھو لاش پر بیٹھ کر اپنا عمل پورا کرنے کے بعد نیچے اترا اور لاش کا چہرہ چوم لیا، اس کے بعد اس کے ایک چیلے نے اسے قصائیوں والی بڑی سی چھری پکڑائی، اس سادھو نے لاش کا سیدھا ہاتھ کلائی کے پاس سے کاٹنا شروع کیا اور ہڈی تک کاٹتا چلا گیا، پھر اس نے ہڈی توڑنے والا چاپڑ اٹھایا اور کلائی کی ہڈی پر مار کر بازو کو الگ کر لیا۔ لاش کے سرہانے ایک مورتی پڑی تھی، سادھو نے اس مورتی کی جانب اپنا منہ کیا اور انسانی بازو کو منہ سے نوچ نوچ کر گوشت کھانے لگا۔ پس منظر سے منجوناتھ کی الٹیاں کرنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی ہیں اور کیمرہ کی تھرتھراہٹ میں دیگر سادھوں کے کوسنے اور دیگر سخت الفاظ بھی سنائی دے رہے ہیں، وہ منجوناتھ کو عمل خراب کرنے کا ذمہ دار قرار دے کر اسے بھیانک نتائج کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔

یہ تو تھی منجوناتھ نامی بھارتی نژاد برطانوی شہری کی دو سال قبل بنائی ہوئی ویڈیو کی کہانی جس میں دنیا کے سامنے پہلی بار کالے جادو کے ان مراحل کو بصری صورت میں پیش کیا گیا تھا، اس سے قبل اس موضوع پر درجنوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کالا جادو کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے، کالے جادو کے عامل کیا کرتے ہیں۔ مگر یہ پہلی حقیقی

Marfat.com

بصری کہانی تھی۔ہم نے منجو ناتھ کی اس ویڈیو کا تفصیلی ذکر اس لئے کیا تا کہ پنجاب، بکھر کے علاقے دریا خان سے پکڑے گئے خلیل احمد کے ان دو آدم خور بیٹوں کی کہانی سمجھنے میں آسانی ہو سکے، جنہیں اسی ہفتے، اپنے گھر میں ایک انسانی لاش کے کچھ حصے پکا کر کھاتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

مردے کھانے والے بھکر کے جادوگر بھائی

شروع میں جب 3 اپریل کو یہ دونوں ملزمان گرفتار کئے گئے تھے تو کچھ مختلف کہانیاں سامنے آئی تھیں، ہم نے حقائق کی تلاش میں کافی بھاگ دوڑ کی، مقامی پولیس افسران سے بات چیت کی، ملزمان کے محلے داروں سے سن گن لی، واقعات کا پس منظر کھوجا اور ملزمان کے گھر والوں کا بھی سراغ لگایا، ان سے بات کرنے میں بھی کامیابی ملی مگر وہ انتہائی خوفزدہ تھے اور منظر عام پر نہیں آنا چاہتے، ہمیں جو حقائق ملے، ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملزمان عارف عرف ماما اور فرقان کے گھر والے، جن میں ان کے دیگر بھائی بہن، بیویاں، بچے اور والدین شامل ہیں، اس گھناؤنے فعل میں ملوث نہیں تھے۔ اس واقعے کا اختتام تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ دونوں جادوگر بھائی رنگے ہاتھوں گرفتار ہو کر اس وقت سٹی تھانہ دریا خان کے لاک اپ میں موجود ہیں اور شہر بھر سے لوگ ان کو دیکھنے اس طرح آ رہے ہیں جیسے چڑیا گھر میں کسی نایاب جانور کو دیکھنے لوگ جاتے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ پولیس اہلکار بھی ان دونوں بھائیوں سے خوفزدہ ہیں اور کئی بار علماء سے درخواست کر کے اس تھانے اور تمام اہلکاروں پر دم کرا چکے ہیں تا کہ کالے جادو سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اب ہم واقعات کو ترتیب وار لے کر چلتے ہیں تا کہ پورا واقعہ سمجھ آ جائے۔

خلیل احمد راجپوت اپنی عمر کے پہلے عشرے میں قیام پاکستان کے وقت اپنے والدین کے ہمراہ بھارتی پنجاب سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے، اس کے ساتھ والدین اور دو بھائی بھی تھے، بعد میں خلیل احمد راجپوت کے والدین کو کلیم کی زمینیں بکھر کے علاقے

Marfat.com

دریا خان میں ملیں اور وہ وہاں پر مستقلاً آباد ہو گئے، اس وقت انہیں دریا خان میں رہتے ہوئے نصف صدی سے زائد وقت ہو چکا ہے اور علاقے کے تمام لوگ انہیں اچھی طرح سے جانتے ہیں، ان کی زمینوں کا رقبہ 180 کنال ہے، اتنی زمین جس کے پاس ہو، اسے خوشحال سمجھا جاتا ہے، خلیل احمد راجپوت کی عمر اس وقت 65 سال سے زیادہ ہے مگر وہ چل پھر سکتے ہیں اور اپنے گھر کے کئی معاملات کو خود ہینڈل کرتے ہیں۔ دریا خان میں ان کے دو مکان ہیں، ایک وہ وہی قدیم مکان ہے جہاں سے ادھ کھائی لاش اور ان کے آدم خور بیٹے گرفتار ہوئے اور دوسرا مکان، یہاں سے کچھ دور مگر کہاوڑ کلاں میں ہی موجود ہے۔ ہمارا خلیل احمد سے رابطہ، ایک مقامی صحافی نے کرایا تھا، اس سے قبل ہم کلاوڑ کلاں کے کئی رہائشیوں سے پوچھ چکے تھے کہ جس مکان سے آدم خور گرفتار ہوئے ہیں، وہاں اور کون رہتا تھا، سب نے یہی بتایا کہ گذشتہ کئی برسوں سے وہاں یہی دو بھائی تنہا رہتے تھے اور ان کی بیویاں انہیں چھوڑ کر جا چکی ہیں اور ان کے بھائی بہن، والدین بھی کبھی ان سے ملنے نہیں آتے، دونوں بھائی ہر وقت گھر میں ہی رہتے تھے، ان کا ذریعہ آمدن، کھانے پینے کے ذرائع کیا تھے؟ کسی کو معلوم نہیں، لوگوں میں مشہور تھا کہ دونوں بھائی نشئی ہیں، اس لئے کوئی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ باقی انہوں نے کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا تو کسی نے ان کی طرف توجہ بھی نہیں دی، زیادہ تر یہ لوگ گھر میں ہی بند رہتے تھے، یا جب کبھی دیکھے جاتے تو قبرستان کے اطراف منڈلاتے دیکھے جاتے، اس وجہ سے بھی لوگ ان سے خوفزدہ رہتے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ دونوں بھائیوں پر جنات وغیرہ کا اثر ہے۔

یہی سوال میں نے ملزم عارف عرف ماما اور ملزم فرقان کے گھر والوں کے سامنے رکھا تو وہاں سے ایک اور کہانی سننے کو ملی۔ ملزم عارف عرف ماما، خلیل احمد راجپوت کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور اس کی عمر 31 سال ہے۔ اس کی شادی تیرہ سال قبل کی گئی تھی اور اس وقت اس کے چار بچے ہیں۔ شروع میں عارف عرف ماما ایک اچھا لڑکا تھا اور کھیتی باڑی کے میں ہاتھ بٹاتا تھا، پھر اسے مزاروں پر جانے کا شوق لگ گیا اور وہ مختلف مزاروں وغیرہ کے عرس میں جانے لگا، گھر میں وہ یہی بتا کر جاتا تھا کہ عرس پر جا رہا ہے اب وہ کہاں جاتا تھا، یہ کسی کو

Marfat.com

معلوم نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسے عملیات وغیرہ کا بھی شوق لگ گیا اور وہ ملنگوں، موالیوں اور بابوں کے ساتھ بھی اٹھتا بیٹھتا دیکھا جانے لگا، اس نے گھر میں کچھ عمل وغیرہ شروع کر دئے اور کام کاج میں دلچسپی لینا چھوڑ دی، یہ تقریباً دس سال قبل کی بات ہے، اس کی شادی کو تین برس گزر چکے تھے اور اس کے دو بچے تھے، جب عارف عرف ماما نے عملیات میں دلچسپی لینا شروع کی تھی تو اس کے ساتھ ہی اس نے گندا رہنا شروع کر دیا، وہ ہفتوں کپڑے نہیں بدلتا، نہاتا نہیں تھا، اس کے قریب کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا اس قدر بدبو اس کے جسم سے آتی تھی، اس کی بیوی نے احتجاج کیا اور کئی بار گھر چھوڑ کر بھی گئی مگر سسرال والے پھر اسے منا کر لے آتے تھے، اسی طرح چار پانچ برس مزید گزر گئے اور عارف عرف ماما کے چار بچے ہو گئے۔ اسی دوران اس کے چھوٹے بھائی فرقان نے بھی اپنے بڑے بھائی کا ساتھ دینا شروع کر دیا، یہ لوگ عجیب وغریب حرکتیں کرتے تھے، گوکہ فرقان کی بھی شادی کر دی گئی تھی مگر اس کی بیوی الگ کمرے میں سوتی تھی اور اس کے ساتھ رہنے میں خوف محسوس کرتی تھی، دونوں بھائی مرغی کے زندہ چوزوں کو پیر تلے کچل کر مار ڈالتے، جانوروں اور پرندوں کو بے دردی سے ہلاک کر ڈالتے کچا گوشت کھانا شروع کر دیتے اور انتہائی گندے رہتے۔ گھر میں انہوں نے کئی بار کچھ شعبدے بھی دکھائے مثلاً وہ کسی بھی جانور وغیرہ کے بارے میں پیش گوئی کرتے کہ وہ فلاں وقت مر جائے گا، پھر ایسا ہی ہوتا، دیگر آفات کے بارے میں بھی وہ پیش گوئیاں کرتے رہتے تھے، اس دوران فرقان کا بھی ایک بچہ ہو گیا تھا۔ بعض ایسی خبریں بھی میڈیا پر آئیں کہ دونوں بھائی اپنے بچے بھی مار کر کھا گئے تھے، ہمیں اس بارے میں کوئی گواہی نہیں مل سکی، دونوں ملزمان کے بچے اور بیویاں خیریت سے ہیں اور دریا خان بکھر میں ہی موجود ہیں۔ 1995 میں جب معاملات کافی حد تک بگڑ گئے اور عارف عرف ماما اور فرقان کے گھر والے ان کے ساتھ رہتے ہوئے خوف محسوس کرنے لگے تو خلیل احمد نے اپنا گھر تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا، وہ اپنے بیٹوں کو گھر سے نکالنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا، لہٰذا کچھ دور ایک اور گھر میں پورا خاندان شفٹ ہو گیا۔ دونوں کی بیویاں بھی اپنے بچے ساتھ لے کر سسرالیوں کے ساتھ ہی چلی گئیں اور پھر

Marfat.com

وہاں سے اپنے اپنے والدین کے گھر چلی گئیں جہاں آج تک وہ رہ رہی ہیں۔اس کے بعد خلیل احمد کا آبائی گھر عارف عرف ماما اور اس کے چھوٹے بھائی فرقان کے پاس آ گیا، جہاں دونوں تنہا تھے اور انہیں کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا۔

اوپر ہم نے لکھا تھا کہ خلیل احمد نے 1995 میں اپنے دونوں بیٹوں کی پراسرار حرکات سے خوفزدہ ہو کر گھر تبدیل کر لیا تھا، ان کے خاندان نے ہماری توجہ اس جانب دلائی ہے کہ وہ 1995 میں نہیں بلکہ 2005 میں الگ ہوئے تھے۔اس علیحدگی کا سبب ملزم عارف عرف ماما کی بیوی اور اس کی بہن کا خوف تھا، انہی دنوں کچھ ایسے واقعات پیش آئے تھے کہ عارف کی بیوی کو یہ شبہ ہونے لگا کہ وہ اپنے سب سے بڑے بیٹے کو جان سے مارنا چاہتا ہے، بچے پہلے ہی اپنے باپ سے سخت خوفزدہ رہتے تھے، ایک دن عارف کی بیوی نے دیکھا کہ جس کمرے میں بچے سوئے ہوئے تھے، عارف وہاں خاموشی سے گھس گیا، اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیوی بھی فوراً ہی گئی کیونکہ عرصہ دراز سے اس نے اپنے بچوں اور بیوی کی فکر چھوڑ رکھی تھی، اب اچانک بچوں کے کمرے میں اپنے شوہر کو جاتا دیکھ کر بیوی کے دل میں شبہ ہوا، جب اس نے کمرے میں جا کر دیکھا تو عارف عرف ماما اپنے سوتے ہوئے بیٹے کے سرہانے کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک اینٹ تھی، اس پر بیوی نے شور مچا کر سب کو جمع کر لیا، عارف کسی کو یہ بتانے میں ناکام رہا کہ وہ کیوں اینٹ اٹھا کر بچے کے سرہانے کھڑا تھا، اس کے بعد سے اس کی بیوی نے سسر کو فیصلہ سنا دیا کہ وہ اب اس گھر میں نہیں رہے گی عارف اس کے بچوں کو مار ڈالے گا، یہ 2005 کی بات ہے، فرقان کی بیوی کا بھی یہی کہنا تھا، پھر ان کی گھر میں موجود بہن بھی بھائیوں سے خطرہ محسوس کرتی تھی۔گھر تبدیل کرنے کے بارے میں ہم کل بتا چکے ہیں۔خلیل احمد کے اس گھر سے چلے جانے کے کافی عرصے بعد تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ اب گھر خالی پڑا ہے، اس کی وجہ یہ تھی دونوں بھائی کبھی دن میں گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، کافی عرصے بعد لوگوں کو پتہ چلا کہ اب خلیل احمد کے گھر میں ان کے دونوں موالی لڑ کے رہتے ہیں۔اس محلے کے جس فرد سے بھی ہماری بات ہوئی اس کا یہی کہنا تھا کہ سب جانتے تھے کہ عارف اور فرقان نشہ کرتے

Marfat.com

ہیں اور جنات وغیرہ بھی پکڑتے ہیں، کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ چلہ وغیرہ کاٹنے کے چکر میں ان کا دماغ الٹ گیا ہے اس لئے وہ اس طرح کا طرز زندگی اپنائے ہوئے ہیں، کبھی کبھار ان کے گھر میں ملنگ ٹائپ کے بابے آتے جاتے دیکھے گئے تھے مگر محلے میں کسی نے کوئی اعتراض اس لئے نہیں کیا کہ انہوں نے کبھی محلے میں کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا، البتہ شرارتی بچے اور فارغ البال نوجوان کئی بار اس ٹوہ میں ضرور رہے کہ عارف اور فرقان گھر میں کیا کر رہے ہیں، انہوں نے گھر کی کچی دیوار پھلانگ کر گھر میں دیکھا بھی مگر کچھ ایسا نہیں ملا جس سے کوئی شک گزرتا۔ البتہ سب کو اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ وہ دونوں جب بھی دیکھے جاتے، رات کے وقت قبرستان کے قریب یا اندر دیکھے جاتے۔ اسی طرح ان کی گرفتاری کا واقعہ پیش آیا۔ ضمنی طور پر ہم یہ بتاتے چلیں کہ علاقے کے قبرستان سے لاشیں غائب ہونے کا یہ پہلا واقعہ نہ تھا بلکہ کلاوڑ کلاں کے قبرستان سے تازہ قبروں کو کھود کر کوئی پہلے بھی لاشیں لے جاتا رہا تھا، علاقے میں مشہور یہ تھا کہ بجو نام کا ایک جانور ہوتا ہے جو لاشیں کھاتا ہے، جب بھی کوئی تازہ لاش دفن کی جاتی ہے وہ قبر کھود کر لاش کی کوئی خاص نس دباتا ہے جس سے لاش کھڑی ہو جاتی ہے اس طرح وہ لاش کو چلا کر اپنے ساتھ اپنے ٹھکانے پر لے جاتا ہے اور پھر اس کا گوشت کھا جاتا ہے، اس حقیقت سے اس کا کتنا تعلق ہے، یہ ہمیں نہیں معلوم۔ اسی طرح 2 اپریل 2011 کو علاقے کے معزز شخص منیر احمد کی اکلوتی اور جوان بیٹی سائرہ بی بی کا انتقال ہو گیا، اس لڑکی کو کینسر تھا اور گھر والے لاہور سے لے کر اسلام آباد تک، اس کے علاج کے بھاگے بھاگے پھرے تھے مگر وہ ٹھیک نہ ہو سکی۔ جس روز اسے دفن کیا گیا، اسی شام دونوں بھائیوں کو قبرستان کے قریب دیکھا گیا تھا، پھر رات کے وقت بھی قبرستان میں کچھ کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں مگر کسی نے جا کر نہیں دیکھا، صبح جب سائرہ کے لواحقین قبرستان پہنچے تو قبر کھلی پڑی تھی اور لاش غائب تھی، کفن قریب ہی پڑا تھا۔ اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا، کھوجی کتے منگوائے گئے، پولیس بھی پہنچ گئی اور کھوجیوں کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں اور یوں قدموں کے نشان کھوجتے سب لوگ عارف اور فرقان کے گھر جا پہنچے۔ گھر میں چھاپہ پڑا تو ایک بھائی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو

Marfat.com

گیا اور فرقان پکڑا گیا مگر دوسرے دن عارف بھی پکڑا گیا۔ ایک کمرے سے سائرہ کی کٹی پھٹی لاش مل گئی، پکا ہوا گوشت بھی مل گیا اور ملزمان کو تھانے پہنچا دیا گیا۔ یہاں تک تو کہانی بظاہر ختم ہو جاتی ہے مگر اصل معاملہ تو یہ تھا کہ آخر یہ دونوں لاش گھر کیوں لائے اور پکا کر اس کا گوشت کیوں کھا رہے تھے۔ اس کا جواب تھانہ دریا خان پولیس کی تفتیش میں ملتا ہے۔

تھانے دار منیر احمد کا اس حوالے سے کہنا تھا پولیس نے تفتیش شروع کر دی ہے اور تفصیلات مل بھی گئی ہیں، دنوں بھائیوں نے کچھ اور لوگوں کے نام بھی بتائے ہیں جو ان کے گرو یا پیر تھے، ان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے گئے ہیں مگر ان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ دریا خان پولیس کے بقول دونوں بھائی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا علم ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہے، جب ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے علم کا اظہار کریں تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، شروع میں ان کا کہنا تھا کہ انہیں انسانی گوشت کھانے کا نشہ لگ گیا تھا اس لئے وہ یہ گوشت کھاتے تھے، جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ آخر انہیں یہ نشہ کیسے لگا تو وہ اس کا جواب نہ دے سکے، اس پر شک بڑھا اور پولیس نے سچ معلوم کرنے کے لئے دباؤ بڑھایا تو انہوں نے اگل دیا کہ وہ ایک چلہ کر رہے تھے اور ان کے پیر نے بتایا تھا کہ چالیس لاشیں کھاؤ تو اس کے بعد وہ انسان کے درجے سے ایک درجہ اوپر چلے جائیں گے۔ ان کے پیر کا نام خود ان کو بھی معلوم نہیں ہے وہ اسے سوٹے والا بابا کے نام سے جانتے ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں ملے گا، سوٹے والے بابا سے عارف کی ملاقات ایک عرس کے موقع پر تقریباً دس برس قبل ہوئی تھی، اس نے عارف عرف ماما کو کئی چیزیں دیں، عارف کا دعوی ہے کہ اسے کوئی سانپ کبھی نہیں کاٹے گا کیونکہ وہ سوٹے والے بابا کے بتائے ہوئے چلے کو کاٹ چکا ہے، فرقان کا بھی یہی کہنا ہے کہ اسے کوئی سانپ یا بچھو یا زہریلا کیڑا نہیں کاٹ سکتا، اس نے بھی چلہ کاٹ رکھا ہے، ان دونوں کا یہ بھی دعوی ہے کہ وہ دونوں کئی روز تک بھوکے پیاسے رہ سکتے ہیں کیونکہ انہیں بھوک پیاس نہیں لگتی، پولیس اہلکاروں کا یہ بھی کہنا تھا کہ جب انہیں گرفتار کیا تھا تو وہ شاید کئی ماہ سے ایک ہی جوڑا پہنے ہوئے تھے جس میں اس قدر بدبو آ رہی تھی کہ برداشت سے باہر تھی، دونوں بھائی اب بھی یہ کپڑے اتارنے پر

Marfat.com

تیار نہیں اوران کا کہنا ہے کہ ان کپڑوں پر دم کیا ہوا ہے اس لئے وہ انہیں اتار نہیں سکتے۔ واضح رہے کہ ابھی تک وہ دونوں انہیں کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ پولیس نے سوٹے والے بابا کی گرفتاری کے لئے کوششیں شروع کررکھی ہیں مگرابھی تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے، کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کے بارے میں ان دونوں جادوگروں نے بتایا ہے، ان کی گرفتاری کے لئے بھی پولیس کوشش کررہی ہے۔ اب تک ان دونوں نے کتنی لاشیں کھائی ہیں، اس بارے میں عارف اور فرقان کا کہنا ہے کہ انہیں یاد نہیں، اگران کی یہ بات سچ مان لی جائے تو پھر وہ چالیس کی تعداد کس طرح پوری کررہے تھے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اب بھی جھوٹ بول رہے ہیں۔ لاش نکالنے اور کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ انہیں جب بھی پتہ چلتا تھا کہ کوئی لاش دبائی گئی ہے رات کو جاکراسے نکال کرلے آتے تھے اور پھراسے کئی دن تک کھاتے رہتے تھے۔ سائرہ بی بی کی لاش کا بھی یہی کچھ کیا گیا، انہوں نے سرے شام ہی جا کردیکھ لیا تھا کہ قبر کہاں ہے اور لاش نکالنے میں کیا مشکلات درپیش آسکتی ہیں، رات کے وقت وہ ایک سائیکل لے کرگئے، قبر کھول کر لاش نکالی اور اسے سائیکل پر لاد کر واپس گھر آگئے، رات کو وہ اپنے عمل وغیرہ کرتے رہے اور پھراس کے بعد انہوں نے کچھ گوشت پکا کرکھایا، رات کو بچا ہوا کچھ گوشت صبح ہانڈی سے مل گیا۔ دریا خان پولیس کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کیس سرگودھا کی انسداد دہشت گردی عدالت میں منتقل کردیا ہے جہاں ان دونوں بھائیوں پر مقدمہ چلایا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

آخری مراحل کے جادوگر انسانی کھوپڑی میں پانی پیتے ہیں

بکھر کے علاقے دریا خان کی پولیس نے جب دونوں جادوگر بھائیوں کے گھر کی تلاشی لی تو انہیں سائرہ کی لاش کے علاوہ ٹین کے ایک ٹرنک سے کچھ انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیوں کے حصے بھی ملے۔ ہمیں یہ تفصیل انسپکٹر راؤ انوار احمد نے بتائی تھی اور انہیں ان جادوگروں نے بتایا تھا کہ یہ انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں ان لاشوں کی باقیات ہیں، جنہیں یہ دونوں بھائی کھاتے رہے ہیں۔ پولیس نے پہلے تو ان کی بات کا یقین کر لیا مگر سوال یہ تھا کہ آخر انہوں نے اپنے جرم کا ثبوت اس طرح بکس میں جمع کر کے کیوں رکھا ہوا تھا، ان ہڈیوں کو انہوں نے زمین میں دفن کیوں نہیں کیا، یہی سوال جب بار بار ان دونوں کے سامنے دھرایا گیا تو آخر فرقان احمد نے ایک نیا انکشاف کیا، واضح رہے کہ فرقان احمد چھوٹا بھائی ہے اور اس کی عمر 26 برس کے لگ بھگ ہے، اس کا کہنا تھا کہ وہ ان انسانی کھوپڑیوں میں کھانا کھاتے اور پانی پیتے ہیں۔ اس انکشاف نے پولیس اہلکاروں کو مزید خوفزدہ کر دیا۔ راؤ انوار کا کہنا تھا کہ جب بڑے بھائی عارف عرف ماما نے پولیس اہلکاروں کو خوفزدہ دیکھا تو اس نے کئی باتیں پولیس اہلکاروں کو خوفزدہ کرنے کے لئے بھی کہیں، مثلا اس کا دعوی تھا کہ وہ جب چاہے انسانوں کی نظروں سے غائب ہو سکتا ہے، اس کے پاس

Marfat.com

موجود علم نے اسے یہ طاقت دے رکھی ہے، مگر چونکہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، کبھی کسی کو اپنے علم سے نقصان نہیں پہنچایا اس لئے وہ غائب ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ پھر تھانہ دریا خان کے لاک اپ میں جب ان دونوں بھائیوں کو کھانا پانی دیا گیا تو وہ یہ اصرار بھی کرتے رہے کہ ان کے پیالے انہیں واپس کئے جائیں، پیالوں سے مراد یہی انسانی کھوپڑیاں تھیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان انسانی ہڈیوں اور باقیات کو اب بھی دفن نہیں کیا گیا ہے بلکہ جرم کے شواہد کا درجہ دے کر تھانے میں رکھا گیا ہے تاکہ اسے عدالت میں پیش کیا جاسکے۔ بہت سے لوگوں کے لئے یہ بات حیرت انگیز ہوگی کہ انسانی کھوپڑیوں میں ہی کیوں پانی پیا جاتا ہے۔

گذشتہ برس جب ہم نے کالے جادو پر اپنی ریسرچ شروع کی تھی تو بات انسانی قربانی پر آکر رک گئی تھی، کیوں کہ اس سے آگے ہمیں کیس اسٹڈیز نہیں مل سکی تھیں، باقی، کہی سنی باتیں تو بہت تھیں مگر بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے ہم وہ ہم اپنی رپورٹ میں شامل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب جب کہ بھکر کے جادوگر بھائیوں کو معاملہ منظر عام پر آچکا ہے تو ہم انسانی قربانی سے آگے کے مراحل کا ذکر کر رہے ہیں۔ ویسے تو کالے جادو میں انسانی لاشیں کھانے کا آغاز کالے جادو کے آخری مراحل، جسے کھنڈولا کا عمل کہا جاتا ہے، میں شروع ہوتا ہے مگر ہندوؤں کا ایک ایسا فرقہ بھی کرہ ارض پر پایا جاتا ہے، جس نے کالے جادو کو اپنا مذہب قرار دے رکھا ہے، انہیں کالے جادو کا سرخیل سمجھا جاتا ہے، یہ لوگ بھارت میں کھلے عام گھومتے پھرتے ہیں اور انسانی لاشیں کھانے کے علاوہ بھی بہت کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اس فرقے کے لوگ اپنے آپ کو انسان نہیں سمجھتے اور ہمیشہ ایک انسانی کھوپڑی اپنے ہمراہ رکھتے ہیں، بھارت میں تو ایسے افراد کافی تعداد میں موجود ہیں مگر پاکستان میں یا تو یہ لوگ موجود ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتے۔ کالے جادو کو مذہب کے طور پر اختیار کرنے والے، ان ''اگھوریوں'' کے بارے میں ہم نے کراچی اور میر پور خاص کے کئی ہندو پنڈتوں سے گفتگو کی، ہم کراچی سے تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر

Marfat.com

دور، بلوچستان کے شہر بیلہ بھی گئے تاکہ ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں سے اس بارے میں کچھ معلومات حاصل کرسکیں، پاکستان میں ہندوؤں کے سب سے مستند اور معتبر علما اگر کہیں موجود ہیں تو وہ بیلہ اور میر پور خاص کی ہندو آبادیوں میں ہیں۔ اگھوریوں کے بارے میں تفصیل بتانے سے قبل ہم یہ واضح کر دیں کہ ہندو علما انہیں اپنے مذہب کا کوئی فرقہ ماننے پر تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگھوری فرقہ، ہندو دیوتا، شیوا کا دھتکارا ہوا گروہ ہے جو شیطان کا پیروکار بن چکا ہے۔ اس کے باوجود اگھوری سادھو بھارت بھر میں ہندوؤں کے مذہبی جلسوں اور میلوں میں نا صرف نظر آتے ہیں بلکہ لوگ ان سے مدد مانگنے کے لئے مرے جاتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے پاس کچھ شیطانی قوتیں ہوتی ہیں۔

بیلہ کے ''مہاراج سائیں لکمی گیر'' کی عمر اس وقت 85 برس کے قریب ہے اور وہ پورے پاکستان میں ہندوؤں کے سب سے قدیم پیشوا مانے جاتے ہیں، بیلہ میں وہ قیام پاکستان کے وقت سے رہتے چلے آرہے ہیں، ان کا کہنا تھا کہ اگر پاکستان میں کہیں اگھوری فرقے کے لوگ موجود ہوں گے تو وہ سپیروں، بھکاریوں اور ملنگوں کے روپ میں ہوں گے، ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پاس انسانی کھوپڑی سے بنا ایک پیالہ لازمی ہوگا، اگھوری جادوگر جب بھی پانی پیتے ہیں وہ اسی انسانی کھوپڑی میں پانی پیتے ہیں، دیکھنے والا یہ پتہ نہیں چلا سکتا کہ یہ انسانی کھوپڑی ہے، اسے پیالہ بنانے کیلئے پیشانی سے لے کر جبڑے کے اختتام تک، کھوپڑی کا اگلا حصہ تراش کر علیحدہ کر دیا جاتا ہے، اب جو حصہ بچتا ہے، وہ کھوپڑی کا پیالہ نما حصہ ہوتا ہے جہاں انسانی دماغ رکھا ہوتا ہے، اسی حصے کو کالے جادوگر پیالہ بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کے پیالے آپ نے اکثر فقیروں کے پاس دیکھے ہوں گے، اسے کشکول بھی کہا جاتا ہے، عام فقیر چمڑے یا لکڑی کا بنا کشکول استعمال کرتے ہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انسانی کھوپڑی کے کشکول اور لکڑی یا چمڑے سے بنے کشکول کی شکل میں کافی شباہت ہوتی ہے۔ اگھوری فرقے کے جادوگروں کا عقیدہ یہ

Marfat.com

ہے کہ انسان کوئی چیز نہیں بلکہ ہر شخص ایک خدا ہے، جو اسے جلا دے کر مضبوط کرلے گا وہی کامیاب ہے، جتنی طاقت اپنے اندر چھپے اس خدا کی بڑھائی جائے گی، یہ جسم بھی اسی قدر طاقت ور ہوتا جائے گا، اسی عقیدے کی بنیاد پر یہ لوگ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ اگھوریوں کی پہچان ان کی بدبو ہے، یہ لوگ کبھی نہیں نہاتے، پانی میں اسی وقت جاتے ہیں جب انہیں کسی عمل وغیرہ کے دوران پانی میں جانا پڑے، اس کے علاوہ یہ کبھی نہیں نہاتے، جسم کے کسی حصے کے بال کبھی نہیں کاٹتے، غلاظت کو اپنے جسم پر مل لیتے ہیں اور اسے کھانے سے بھی نہیں چوکتے۔ کالے جادو کے حوالے سے بھارت اور بنگال میں سب سے زیادہ مہارت اگھوریوں کے پاس ہی سمجھی جاتی ہے، بھارتی قانون کے تحت اگھوریوں کو لاشیں کھانے اور جادو ٹونہ کرنے کی اجازت ہے، حتی کہ انہیں بالکل برہنہ حالت میں بھارت بھر میں گھومنے کی بھی اجازت ہے، اگھوری جادوگر رتبے میں جس قدر بڑا ہوگا، اس کے جسم پر کپڑوں کی مقدار اسی قدر کم ہوگی۔ سب سے دلچسپ منظر اس وقت ہوتا ہے جب کسی ہندو میلے میں اگھوری سادھو درجنوں کی تعداد میں آتے ہیں اور بلکل برہنہ حالت میں ہوتے ہیں، اس کے باوجود بھی ہندو خاندان، ان برہنہ جادوگروں کے پاس اپنے مسئلے مسائل حل کرانے کے لئے سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگھوریوں کے بارے میں ویسے تو کافی معلومات منظر عام پر آچکی ہیں مگر ان میں بعض باتیں مبالغہ آرائی پر بھی مشتمل ہیں، اس لئے ہم نے درست معلومات کے حصول کے لئے بیلہ، بلوچستان کے مہاراج سائیں لکمی گیر پر ہی انحصار کیا، ان کی دی گئی معلومات دیگر ذرائع مثلاً، کتب، مضامین، ویب سائٹس وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ معتبر اس لئے ہیں کہ مہاراج سائیں لکمی خود بھی ان علوم پر کسی حد تک عبور کا دعوی رکھتے ہیں، سائیں لکمی گیر کا کہنا تھا کہ جادو کو ہندومت میں کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا اور اگھوری، ہندومت کے باغی ہیں، گو کہ انہیں بھارت اور ہندوؤں میں برا سمجھنے کے بجائے پہنچے ہوئے بزرگ سمجھا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ سچے ہندو پنڈت ان کے سائے سے بھی دور رہتے ہیں۔ لکمی گیر کا کہنا تھا کہ شیطان کے یہ چیلے سادھوؤں، فقیروں

Marfat.com

اور ملنگوں کے روپ میں پھرتے ہیں۔ دوسری پہچان ان کے پاس موجود انسانی کھوپڑی کا بنا پیالہ ہوتا ہے۔ جب ہم نے لکمی گیر سے انسانی گوشت کھانے کے حوالے سے پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ کالے جادو میں تو انسانی قربانی اور گوشت کھانے کا عمل لازمی ہے، مگر اگھوری تو بغیر کسی جاپ کے بھی، انسانی لاشیں کھاتے رہتے ہیں کیونکہ یہ شروع سے ہی شیطان کے چیلے بن جاتے ہیں، کالے جادو میں جیسے جیسے انسان شیطانی درجات طے کرتا جاتا ہے، شیطان کی شرائط پوری کرتا جاتا ہے، مثلاً پہلے گندگی کھا کر ایمان ختم کرنا، پھر انسانیت کے خلاف جرم کرتے ہوئے انسانی بلی دینا اور آخر میں انسانیت کو ختم کرنے کے لئے انسانی لاشیں کھانا کالے جادو کے مراحل ہیں۔ اگھوری چونکہ اپنے آپ کو انسان نہیں مانتے اس لئے جو بھی اس فرقے میں شامل ہوتا ہے وہ ابتدا میں ہی انسانی گوشت کھانا شروع کر دیتا ہے، بھارت میں اگھوری سادھو زیادہ تر شمشان گھاٹ کے قریب رہتے ہیں، جیسے ہی کوئی مردہ جلنے کے لئے آتا ہے، یہ تیار ہو جاتے ہیں، جب مردہ جل جاتا ہے تو یہ اس کے بچے کچھے گوشت کو کرید کرید کر نکالتے ہیں اور کھا جاتے ہیں۔ انسانی لاشیں کھانے کے پیچھے ان کا یہ فلسفہ کام کرتا ہے کہ جس قدر لاشیں وہ کھائیں گے، اتنے ہی انسانوں کی صلاحیتیں، طاقت اور دیگر خوبیاں ان کے اندر آ جائیں گی۔ جس طرح بھکر کے علاقے دریا خان کے جادوگر بھائی کل چالیس لاشیں کھا کر اپنا چلہ پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس بارے میں ہم نے علما سے بھی پوچھا کہ آخر جادو میں کس قدر حقیقت ہے، کیا واقعی کوئی انسان لاشیں کھانے سے غیر معمولی طاقت حاصل کر سکتا ہے؟ ہمیں جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ اس میں حقیقت ہے، جو انسان اللہ کے قانون کو توڑ کر شیطان کی ہدایات پر عمل کرتا ہے، وہ انسان نہیں رہتا شیطان بن جاتا ہے اور شیطان کے چیلے کچھ جنات ان کی مدد کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، بس یہی ان جادوگروں کی کل طاقت ہوتی ہے، اپنے انہی جنات کی مدد سے وہ کچھ شعبدے تو دکھا سکتے ہیں مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کالے جادو کے ماہر افراد ہمیشہ کسمپرسی

Marfat.com

اورعسرت کی زندگی گزارتے ہیں، زندگی کا کوئی عیش ان کے قریب سے بھی نہیں گزرتا۔ ان شیطان جنات کوراضی رکھنے کے لئے جادوگروں کو باقی زندگی انہی شیطانی عملیات میں مصروف رہنا پڑتا ہے بصورت دیگر یہ شیطان جنات انہی جادوگروں کو مار ڈالتے ہیں۔ چونکہ جادو کی بنیاد شیطان کوخوش کرنے سے پڑتی ہے لہذا یہ جادو بھی صرف انہیں لوگوں پر اثر کرتا ہے جو پاک صاف نہ ہوں اور گمراہی میں پڑے ہوں، ایسے افراد کو پاک صاف رہتے ہوں اور قرآنی اذکار کرتے رہتے ہوں، ان پر کوئی جادو اثر نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

بنگالی سال کا پہلا ہفتہ بھینٹ کے لئے اہم ہوتا ہے

آج پاکستان میں ''بنگلہ شون'' یا ''بونگابڈو'' کا پہلا دن ہے۔ کبھی ہندومت میں اس دن کوخوش بختی اورخوشحالی کی علامت سمجھا جاتا تھا مگراب یہ خوف اورخون کی علامت بن کر رہ گیا ہے۔ بونگابڈوشروع ہونے سے ایک رات قبل ہی ویران جنگلوں اور پہاڑوں میں قائم ماتا کالی، لونا چماری اور گینش کے مندر کے آس پاس لوگ جمع ہو جاتے ہیں، ہندومت کے جن مذہبی رہنماؤں سے ہم نے اس پوجا کے حوالے سے بات کی ان کا کہنا تھا کہ ''بونگابڈو پوجا'' پر برے لوگوں کا قبضہ ہوتا جارہا ہے، یہ نیکی کا ایک تہوار تھا جسے لوگوں نے اپنی ناجائز خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ایسا صرف کتابوں اورروایتوں میں ہی لکھا ہے کہ ''بنگلہ شون'' خوشحالی اورخوش بختی کی علامت ہے، اگر واقعی ایسا ہوتا تو اس دن کا رنگ سرخ نہ ہوتا، سرخ رنگ کا مطلب خون ہے یا پھر انسانی خون۔ بنگلہ شون کے آغاز پر پاکستان میں بھی ایک جگہ ایسی ہے جہاں کم ازکم تین ممالک سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ان میں کتنے لوگ نیک مقاصد کے لئے آتے ہیں اور کتنے غلط مقاصد کے لئے، البتہ ہندومت کے کئی بھگتوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ نا صرف ہندو بلکہ مسلمان اور کرسچین بھی ''بنگلہ شون پوجا'' کے لئے بلوچستان میں کھیرتھر

Marfat.com

پہاڑی سلسلے میں ہنگلاج کے کھنڈر نما مندر میں جاتے ہیں، انہیں بنگلہ شون سے ایک رات قبل یہاں تنتر جنتر بد بداتے بھی آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ آج کا دن پاکستان میں بنگلہ شون کا پہلا دن ہے لہذا گذشتہ رات ہنگلاج کے یہ پہاڑ کافی آباد تھے، پوری رات ان پہاڑوں میں بچاریوں کے بد بدانے اور بھینٹ کے لئے لائے جانیوالے جانوروں کی منمنانیں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ ان جانوروں میں کچھ کی بلی ''لونا چماری'' اور ''ماتا کالی'' کے مندروں میں آج چڑھا دی جائے گی جب کہ کچھ کل صبح سورج نکلنے سے قبل چندر گوپ کی زندہ دلدل میں گم ہو جائیں گے۔ ابھی کوئی نہیں جانتا کہ ہنگلاج جانے والے ڈیڑھ دو سو لوگوں میں سے کتنے زندہ واپس آئیں گے۔ یہ علاقہ پوری طرح دنیا سے کٹا ہوا ہے، یہاں نا تو موبائل فون کے سگنلز آتے ہیں اور نا ہی ان پہاڑوں میں قریب کوئی آبادی یا سڑک ہے۔ ''بونگا بڈو پوجا'' کے لئے یہاں بھارت، نیپال اور بھوٹان و بنگلہ دیش تک سے لوگ آتے ہیں مگر آج تک نا تو حکومت نے سیکورٹی فراہم کی اور نا ہی پجاریوں نے کبھی سیکورٹی مانگی، کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں آنے والے یاتری اور بچاری خود بھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کے کام میں کوئی بیرونی مداخلت ہو، بلوچستان میں امن و امان کی خراب صورتحال اور سرکاری تنصیبات و اہلکاروں پر حملوں کے باعث، اس علاقے کی سیکورٹی کا ذمہ دار، بلوچستان کا لیاری تھانہ بھی اس بات میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا کہ ان خون آشام پہاڑوں میں اندھیری راتیں آنکھوں میں کاٹے۔ یہاں بجلی کا کوئی انتظام ہے اور نا ہی کیا جاتا ہے، مہذب دنیا سے آنے والے کچھ لوگ اپنے ساتھ ٹارچیں وغیرہ لے آتے ہیں یا پھر نسبتاً بڑے غاروں میں ایستادہ ماتا کالی کے بتوں کے قدموں میں جلنے والے تیل کے چراغ ہی روشنی کا واحد ذریعہ ہوتے ہیں، لہٰذا بیرونی دنیا ان پہاڑوں میں آباد ہونی والی اس تین روزہ ہیبت ناک دنیا سے لاعلم رہتی ہے۔ کشور نامی خاکروب اور بھگت سے ملاقاتوں کے دوران جب دیگر تفصیلات کے ساتھ ساتھ ''بونگا بڈو پوجا'' کا ذکر آیا تھا تو ہماری خواہش تھی کہ اس پوجا میں شریک ہو کر پورا عمل قریب سے دیکھا جائے مگر ہمارا مطالبہ سن کر

Marfat.com

کشور کا پیلا چہرہ مزید زرد پڑ گیا۔ وہ خوفزدہ تھا کہ ایک مسلمان کو اس پوجا میں لے کر جانے کا ردعمل اس کی برادری کی طرف سے کیا ہوگا؟ ہم پہلے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ کچھ بھگت یہ دعوی کرتے ہیں کہ پوجا کے اس عمل میں مسلمان اور کرسچین بھی شریک ہوتے ہیں مگر یہ لوگ ہندو یاتریوں کے روپ میں جاتے ہیں، انہیں کی طرح ان کے پاس بھی بھینٹ کا سامان ہوتا ہے لہذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کون مسلمان ہے اور کون ہندو۔ ظاہر ہے کہ ہم تو کسی ہندو بھگت کا روپ دھار کر ان پہاڑوں تک نہیں جا سکتے تھے جہاں یہ خطرہ بھی ہو کہ رات کے اندھیرے میں کالے جادو کا کوئی ماہر اپنی بھینٹ پوری کرنے کے لئے کسی بھی یاتری کا شکار بنا کر بلی چڑھا سکتا ہے، اپنی زندگی کا خاتمہ کم از کم ہم کسی ہندو یاتری یا بھگت کے روپ میں نہیں چاہتے تھے لہذا ان خدشات کی وجہ سے ہم ''بونگا بڈو پوجا'' کے دوران ہنگلاج کے پہاڑوں میں بلی چڑھانے یا ''چندر گوپ'' کے آتش فشاں پہاڑ میں زندہ جانوروں کی بھینٹ دینے کا مشاہدہ نہیں کر سکے البتہ حب کے قریب ایک مندر سے روانہ ہونے والے ان افراد کو دیکھنے ضرور گئے جو ہنگلاج کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ ''بونگا بڈو'' دراصل سورج کی پوجا کرنے والوں کا سال ہے، اسے بنگالی سال بھی کہا جاتا ہے، نصف بھارت، پورا بنگلہ دیش، پاکستان کے کچھ حصے اور بھوٹان نیپال کے لوگ سورج کے اسی سال کے تحت اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم نے کراچی میں ہندو مت کے کئی سینئر افراد سے یہ جاننا چاہا کہ سورج کا سال کن اصولوں پر ترتیب دیا گیا ہے مگر ہمیں کسی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں مل سکا البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ بونگا بڈو سب سے پہلے بنگلہ دیش میں 15 اپریل کو شروع ہوتا ہے، اس کے بعد بھارت میں اس کی شروعات 17 اپریل کو ہوتی ہے اور اس کے بعد پاکستان میں سورج کا سال 19 اپریل یعنی آج کے دن شروع ہوتا ہے۔ رواں برس سورج کا 1417 واں سال ہے۔ گذشتہ دنوں بونگا بڈو پوجا کے دوران بھارت اور بنگلہ دیش میں انسانی قربانی کے کئی واقعات رونما ہوئے جن میں سے کم از کم بھارت کے تین واقعات تو عالمی میڈیا نے بھی کور کیے۔ بھارتی میڈیا کا یہ ماننا ہے کہ اصل واقعات کافی زیادہ

Marfat.com

ہیں مگر یہ دو واقعات وہ ہیں جو میڈیا کی نظروں میں آ گئے۔ پاکستان میں بونگا بڈو کی پوجا میں کیا ہو گا؟ اگلے چند روز میں جب یاتری واپس لوٹیں گے، واضح ہو جائے گا۔ کچھ ہندو بھگتوں کا دعوی ہے کہ زمانہ قدیم میں دور دراز سے سفر کر کے ہنگلاج آنے والے لوگ انسانی قربانی دینے ہی یہاں آتے تھے مگر اب ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے یا پھر یوں کہہ لیں کہ لوگ گم ہونے اور مارے جانے کے واقعات تو یہاں ہر سال رونما ہوتے رہتے ہیں مگر کبھی یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ یہ قتل انسانی قربانی کے طور پر کئے گئے ہیں۔ ویسے یہ بات اہم ہے کہ ہنگلاج میں مارے جانے یا گم ہونے والے کسی کیس کی آج تک تفتیش نہیں کی گئی ہے ہر واقعہ ایک حادثہ قرار دے کر داخل دفتر کر دیا جاتا ہے۔ ہنگلاج میں اب بونگا بڈو پوجا کے بعد جانوروں کی بلی چڑھائی جاتی ہے، اگر کوئی اس مرحلے کو دیکھنے جائے تو یہ ایک خوفناک منظر ہوتا ہے، مثلاً جانوروں کے جسم کے مختلف حصوں پر چھروں سے وار کر کے انہیں ہلاک کرنے کا منظر۔ گو کہ سب لوگ ایسا نہیں کرتے، کچھ لوگ بھینٹ میں ناریل چڑھاتے ہیں اور کوئی شربت البتہ بڑے کام یا کسی مخصوص جاپ کے لئے خون کی بلی دینا لازمی ہوتی ہے۔ حب شہر ختم ہوتے ہی مضامات میں ایک چھوٹا سا اجاڑ نما مندر ہے جہاں شاید ہی سال بھر کوئی آتا ہو البتہ سورج کا سال شروع ہونے سے قبل ہی یہاں ایک کیمپ لگ جاتا ہے، پھر بونگا بڈو پوجا کے لئے ہنگلاج کی طرف جانے والے سبھی افراد یہاں سے ہو کر جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو خون کی بھینٹ چڑھانا ہوتی ہے انہیں سواری پر ہنگلاج تک آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ خون کی بھینٹ چڑھانے والا یاتری اپنے ساتھ ایک گروپ تیار کرتا ہے جو کسی ریڑھی وغیرہ پر ایک ڈولی تیار کرتے ہیں، سرخ جھنڈوں اور دیگر زیورات و آرائشی اشیا سے سجی اس ڈولی میں بلیدان کو سجا کر بٹھایا جاتا ہے، بلی چڑھانے والا برہنہ پا اس قافلے کے درمیان زیر لب جاپ کرتے چل پڑتا ہے۔ ہر برس 15 اپریل سے 17 اپریل کے درمیان یہ منظر کوسٹل ہائی وے پر زیرو پوائنٹ سے ہنگلاج کے درمیان کہیں نا کہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ عام طور پر ناواقف افراد یہ منظر دیکھ کر

Marfat.com

ڈر جاتے ہیں، لمبے بالوں، لال کرتوں، سوجی ہوئی سرخ آنکھوں اور برہنہ پایاتری، بڑی بڑی مالائیں گلے میں ڈالے اجنبی زبان میں کچھ بڑبڑاتے ایک سجی ہوئی ڈولی پر کسی جانور کو دلہن بنائے ویران پہاڑوں کی سمت چلے جا رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

سب سے زیادہ ہلاکتیں پراسرار تالاب کے پاس ہوئیں

راکھی چالیس پینتالیس سال کی پختہ خدوخال والی عورت تھی۔ کشور کے ہمراہ جب میں اس کے گھر پہنچا تو پہلے وہ دونوں کسی اجنبی زبان میں ایک دوسرے سے الجھتے رہے پھر وہ مجھے مخاطب کر کے بولی ''ساب! راجو کے بعد میں نے تماشا چھوڑ دیا ہے'' یہ کہہ کر اس نے لوہے کا زنگ آلودہ دروازہ دھڑام سے بند کرلیا۔ تھوڑے بھاری جسم اور مردانہ قسم کے نقوش کے باعث وہ شکل سے ہی جرائم پیشہ لگتی تھی مگر کشور کا کہنا تھا کہ پورا دن شدید گرمی میں ٹریفک سگنلز پر گاڑی صاف کرنے والے کپڑے فروخت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بھانت بھانت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ راکھی پختہ کار عورت ضرور ہے مگر جرائم پیشہ نہیں۔ تین برس قبل تک راکھی چھوٹی موٹی قسم کی جادوگرنی تھی جو گلی محلے میں ہجوم لگا کر لوگوں کے سامنے اپنے بیٹے کے عضو تن سے جدا کر دیا کرتی تھی یا تیز دھار چھری سے بچے کی زبان کاٹ کر پھینک دیا کرتی تھی اور تھوڑی دیر بعد دوبارہ سے سب کچھ ٹھیک ہو جایا کرتا تھا۔ شہر میں ایسے جادوگروں کے کئی خاندان آباد ہیں۔ ہندو برادری سے تعلق رکھنے والے ان خاندانوں میں سے کچھ پہلے بندر روڈ کے قریب رام سوامی نامی ہندو محلے میں آباد تھے مگر اب ان کی اکثریت سعید آباد کی نئی آبادی نامی کچی بستی میں منتقل ہو چکی ہے۔ اسی جگہ کشور نے ہماری اور راکھی کی دو ملاقاتوں کا بندوبست کیا تھا۔ شہر میں بندر کا تماشا اور مجمع لگا کر مختلف محیر العقول کرتب دکھانے والے ان افراد کی تعداد اب تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے اکثر افراد کا تعلق میر پور خاص کے قریب گورچانی نامی علاقے سے ہے۔ کراچی میں

Marfat.com

ان کی آمدورفت جاری رہتی ہے۔خاص طور سے اندرون سندھ اور پنجاب میں مزاروں پر عرس اور میلوں کے دوران یہ لوگ وہاں چلے جاتے ہیں اور جب کہیں اور روزگار نہیں رہتا تو کراچی کے گلی محلوں میں چلے آتے ہیں۔راکھی اور اس بیٹا راجو بھی انہیں میں سے ایک تھا۔سعید آباد کے جس گھر میں ہماری راکھی سے ملاقات ہوئی، وہاں وہ تنہا ہی رہتی ہے، اس بارے میں جاننے کی ہم نے کافی کوشش کی کہ اس کا شوہر کہاں ہے، مگر کوئی ٹھوس بات پتہ نہیں چل سکی، خود راکھی نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا البتہ کشور نے دو مختلف اوقات میں دو مختلف کہانیاں سنائیں، پہلے اس کا کہنا تھا کہ راکھی کا شوہر گورجانی میں ہے اور نشے کا عادی ہے مگر دوسری بار اس کا کہنا تھا کہ اس کا شوہر مر چکا ہے اور یہاں راکھی اپنے باپ اور بیٹے کے ساتھ رہتی تھی پھر اس کا باپ مرا اور بیٹا گم گیا تو راکھی اب تنہا رہتی ہے۔راکھی سے ہماری پہلی ملاقات کافی تلخ تھی مگر کشور کی معاونت سے ہم نے دوسری ملاقات میں اسے راضی کرلیا کہ وہ ہنگلاج میں پراسرار تالاب کے قریب اپنے بیٹے کی گمشدگی کی کہانی سنائے۔

راکھی کا بارہ تیرہ سال کا لڑکا تین سال قبل اس کے ساتھ ہنگلاج گیا تھا جہاں وہ لاپتہ ہوا اور پھر اس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ہنگلاج کے مندر تک جانے کے لئے راستہ ایک تالاب سے ہوکر گزرتا ہے، آج تک ہنگلاج میں جتنی بھی ہلاکتیں ہوئیں ہیں، ان میں سے اکثر اسی تالاب میں یا اس کے قریب ہوئیں۔ کشور کا کہنا تھا کہ دراصل اس تالاب میں مگرمچھ رہتے ہیں جنہیں مقدس مانا جاتا ہے، جب کبھی انہیں کھانے کو کچھ نہیں ملتا وہ

گھات لگا کر قریب موجود افراد کو بھی اپنا نشانہ بنا لیتے ہیں۔اس کے برخلاف کچھ ہندو بھگتوں کا کہنا تھا کہ یہ مگرمچھ نہیں بلکہ ان لوگوں کی بدروحیں ہیں جنہیں ہنگلاج میں بلی چڑھایا گیا تھا۔جب ہم نے اس بارے میں تحقیق کی تو ایک اور حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی۔ہنگلاج کا تالاب دراصل مگرمچھوں کا ٹھکانہ ہے، البتہ ہندو عقیدے کے مطابق جن لوگوں کو مرنے کے بعد چتا یا قبر نہیں ملتی ان کی روحیں بھٹکتی پھرتی ہیں، انہیں بھٹکی ہوئی روحوں کو قابو کرنے کے لئے کالے جادو کے مختلف جاپ کئے جاتے ہیں۔یہ سب کے علم میں ہے کہ ہنگلاج میں ہلاکتوں اور لاپتہ ہونے کی کئی وارداتیں ہوئیں اور یہ

Marfat.com

جگہ ہر سال انسانی بھینٹ لیتی ہے، اس طرح ان افراد کی بھٹکتی روحیں بھی اسی تالاب کے قریب ہونی چاہئیں، جو لوگ انسانی بلی دینے کی ہمت نہیں رکھتے وہ اپنے قبضے میں کسی بیر کو لانے کیلئے اس تالاب کے کنارے مختلف عمل کرتے رہتے ہیں، یہ موقع تالاب کے مگرمچھوں کے ایک پرکشش دعوت ہوتی ہے اور جاپ کرتا شخص بے خبری میں مارا جاتا ہے۔ شاید یہی کچھ راکھی کے بیٹے کے ساتھ بھی ہوا۔ مگر راکھی نے اس بات کو مان کر نہیں دیا کہ وہ بھی کوئی جاپ کرنے ہنگلاج گئی تھی۔ اس کا کہنا تھا چھوٹا موٹا جادو ٹونا اس کے خاندان میں ہر شخص کو آتا ہے کیوں کہ یہی ان کا روزگار ہے۔ اس نے بچپن میں ہی اپنے والد کے بندر کو سنبھالنا شروع کر دیا تھا، اس کے ساتھ وہ پورے سندھ میں مزاروں اور میلوں میں گھومتی رہتی تھی، چوں کہ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا لہذا باپ نے اسے ہی اپنا جانشین بنا کر دیگر چیزیں بھی سکھانا شروع کر دیں۔ اس کے والد نے بعد میں بندر کا تماشا دکھانا چھوڑ کر جادو کے کرتب دکھانے شروع کر دئے تھے جن میں وہ راکھی کو ایک چادر کے نیچے لٹاتا تھا پھر چھری سے اس کی گردن دھڑ سے الگ کر دیا کرتا تھا، یہ منظر دیکھنے والوں کو سانپ سونگھ جاتا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد راکھی دوبارہ زندہ ہو کھڑی ہو جاتی۔ اس کے لئے یہ ایک معمول کی مشق تھی۔ راکھی کا دعوی تھا کہ وہ ہر قسم کا سانپ پکڑ سکتی ہے کیوں کہ اسے سانپ نہیں کاٹتے، وہ ہر زہر کا علاج کرنے کی دعویدار بھی تھی، جب ہم نے اسے تھوڑا جوش دلایا تو اس نے ٹین کے ایک بوسیدہ سے بکس سے ایک منکا بھی نکال کر دکھایا جو سانپ کا زہر چوسنے کے کام آتا ہے۔ راکھی کا کہنا تھا کہ وہ لوگ صرف تماشا دکھا کر پیٹ پالنے کی حد تک جادو وغیرہ کیا کرتے تھے، مثلاً ان کا سب سے بڑا ہنر لوگوں کی نظر بندی کرنا تھا، اس طرح فریب نظر میں مبتلا ہو کر لوگ سمجھتے کہ بچے کی عضو تن سے جدا ہو گئے ہیں اور زبان کٹ گئی ہے مگر حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ جس طرح وہ مزاروں اور میلوں میں جایا کرتے تھے اسی طرح وہ بونگا بڈو پوجا کے میلے پر ہنگلاج بھی جایا کرتے تھے جہاں یاتریوں کو اس قسم کے جادو کے تماشے دکھا کر کافی رقم مل جاتی تھی۔ والد کے بعد جب راکھی نے کام سنبھالا تو عورت ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ لوگوں کو متوجہ کرنے میں کامیاب رہتی۔

Marfat.com

زندگی کی اسی گہما گہمی کے دوران اس کی شادی ہوئی اور پھر اس کا بیٹا راجو پیدا ہوا۔ خاندانی روایات کے تحت اس نے راجو کو ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھا، جب بھی وہ اور اس کا شوہر کہیں تماشا دکھانے جاتے راجو ان کے ہمراہ ہوتا۔ راکھی کا شوہر بھی ایک جادوگر تھا۔ اس کے جسم پر عجیب وغریب نقش ونگار تھے۔ بعد میں راجو بڑا ہوا تو راکھی اور اس کا بیٹا تنہا تماشا دکھانے جانے لگے۔ تین برس قبل انہوں نے جادو کا تماشا دکھانے کے لئے آخری سفر ہنگلاج کا کیا تھا۔ یہ اپریل کا مہینہ اور بونگا بڈو کی پوجا کا سیزن تھا۔ راکھی کا کہنا ہے کہ انہوں نے وہ رات تالاب کے قریب گزاری تھی، ان کے ساتھ اور بھی لوگ تھے، اگلی صبح اس کا بیٹا غائب تھا۔

اس نے بہت شور مچایا اور تلاش کرنے والوں نے قریب کی تمام پہاڑیاں چھان ماریں مگر راجو نامی لڑکے کا پھر کبھی پتہ نہیں چل سکا۔ راکھی وہاں سے تنہا واپس آئی اور اس کے بعد سے اس نے دوبارہ کبھی تماشا نہیں دکھایا۔ کیوں؟ ہمارے اس سوال کا جواب راکھی نے تو نہ دیا مگر کشور کا کہنا تھا کہ بات اتنی سادہ نہیں جتنی راکھی نے بتائی۔ ہنگلاج میں تالاب کے پاس رات گزارنے کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ مقصد ہے مخصوص جاپ مکمل کرنا۔ ورنہ ہر ہندو یہ بات جانتا ہے کہ ہنگلاج کا تالاب ایک پراسرار اور خطرناک تالاب ہے جہاں بلی دینے والوں کی بدروحیں بھٹکتی رہتی ہیں۔ ایسے لوگ جو کالے جادو میں نچلے درجے پر ہوتے ہیں، وہ چھوٹے موٹے تماشے تو دکھا سکتے ہیں مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ راکھی اسی قسم کی جادوگر ہے۔ اپنی سخت کوش زندگی سے اکتا کر یا اپنے بیٹے کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے شاید راکھی نے سوچا ہو گا کہ وہ تالاب کے قریب جاپ کر کے کسی بیر کو قابو کر لے تو اس کے دن پھر جائیں گے۔ مگر اسی تالاب کے قریب اس کا بیٹا یا تو مگر مچھوں کا نشانہ بنا گیا یا پھر کسی دوسرے کے ہتھے چڑھ گیا۔ راکھی سے دوسری ملاقات میں اس نے ہمیں اپنے بیٹے کے وہ کپڑے اور جاتے بھی دکھائے جو، اب تک ٹین کے ایک سالخوردہ سے بکس میں پڑے ہوئے تھے۔ شاید اس گھر کی سب قیمتی چیزیں اسی ایک بکس میں بند تھیں، ان میں ایک بڑے سائز کی تصویر بھی تھی جس میں راکھی، اپنے شوہر

Marfat.com

اور بیٹے کے ہمراہ تماشا دکھانے میں مصروف تھی۔اس کے بیٹے کی گمشدگی کی حقیقت کیا تھی،اس بارے میں ہم نے زیادہ کھود کرید نہیں کی کیوں کہ راکھی کے جھونپڑے نما گھر میں بیٹھے ہمیں خوف سا محسوس ہورہا تھالہذا اس کی کہانی ختم ہوتے ہی ہم فوراً گھر سے باہر نکل آئے۔ ہم نے کالے علم کی شد بد رکھنے والوں کے علاوہ کئی بڑے علماء سے بھی اس بارے میں بات کی سب کا یہی کہنا تھا کہ جنات یا جادو سے تعلق بڑھانے والے افراد کبھی اولاد کا سکھ نہیں دیکھتے۔اس بارے میں ہم نے جتنی بھی کیس اسٹڈیز کیں، یہ بات سو فیصد سچ نکلی۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

کالے جادو کے ماہروں کا خاندان برباد ہو جاتا ہے

بشیر کباڑیا کبھی لاہور کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا مگر اب شیر شاہ میں لوگ اسے صوفی بشیر کے نام سے جانتے ہیں۔ گو کہ اس کی عمر ڈھل چکی ہے اور وہ پرانے دھندوں سے تائب ہو چکا ہے مگر اس کی چال ڈھال میں زیادہ فرق نہیں۔ چہرے پر کرختگی برقرار ہے، لہو پلائی سرخ آنکھیں اور ایک نمبر کا ہھت چھوٹ۔ دھندہ کباڑے کا کرتا ہے مگر باتیں بادشاہوں والی۔ اس کا اصل ذریعہ معاش نجانے کیا ہوگا کیوں کہ ہمارے مشاہدے میں یہ آیا کہ اس کی دکان پر ویسے ہی گاہک کم آتے ہیں اور آنے والوں میں سے بھی اکثر اپنی بے عزتی کرانے کے بعد بڑبڑاتے رخصت ہو جاتے ہیں۔ صوفی بشیر کے بارے میں ہم نے تین سال قبل اس وقت پہلی بار سنا تھا جب شیر شاہ میں ہونے والے ایک قتل کی اسٹوری پر کام کرتے ہوئے ہم کباڑی بازار گئے تھے۔ اس وقت ہمیں اس کا نام ''جناں والا بابا'' پتہ چلا تھا۔ شیر شاہ کی تنگ و تاریک گلیوں میں جانا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔ کبھی یہ علاقہ اچھا رہا ہوگا مگر اب بیک وقت صنعتی اور رہائشی ہونے کی وجہ سے یہاں ہر طرف بلند عمارتیں کھڑی ہیں، سورج تو دور کی بات ہے، یہاں کھڑے ہو کر آسمان دیکھنے کے لئے بھی سر اتنا اٹھانا پڑتا ہے کہ ٹوپی ہی گر جائے۔ ان گلیوں میں تقریباً ہر عمارت کارخانہ ہے اور اس کے اوپر دڑبہ نما کمروں میں لوگ بستے ہیں۔ ایسے ہی ایک کمرے میں صوفی بشیر تنہا اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ اس کے کمرے میں جانے کا شاید چند ہی لوگوں کو اتفاق ہوا ہو، ان چند افراد میں سے ایک ہم بھی تھے۔ صوفی بشیر سے ہماری ایک سے زائد طویل نشستیں ہوئیں۔ ہم جنات جادو

Marfat.com

اور اس کے اثرات کے بارے میں مختلف علما سے تفصیلات جمع کر رہے تھے کہ تبلیغی جماعت کے ایک مقامی ذمہ دارے نے ہمیں صوفی بشیر کباڑئے کی دلچسپ مگر انتہائی عبرتناک کہانی سنائی، پھر انہی کی رہنمائی میں ہماری صوفی بشیر سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ تقریباً پندرہ سال قبل تک گوجرانوالہ کے والگراں چوک پر صوفی بشیر کی خراد کی دکان تھی مگر اس کا زیادہ تر وقت پرائے پھڈوں میں ٹانگ اڑانے اور جادوٹونے کی طاقت حاصل کرنے میں گزرتا تھا۔ جادوٹونے اور تعویذات کے ساتھ ساتھ اس نے عملیات میں کافی مہارت حاصل کی، اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ اس کے قبضے میں کئی موکلات تھے۔ مسلم عاملوں کا کہنا ہے کہ موکل دراصل جن ہوتا ہے جب کہ ہندو بھگت اسے بیر کا نام دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے یہ بدروحیں ہوتی ہیں۔ اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ موکل یا بیر کیا چیز ہوتی ہے بہر حال یہ ایک غیر مرئی مخلوق ہے جسے قابو میں کرنے کے بعد اس سے محیر العقول کام لئے جاتے ہیں۔ گو کہ پختہ کار عامل یا جادوگر کبھی ایسے کارنامے نہیں دکھاتے کیوں کہ ان کی ترجیحات کچھ اور ہی ہوتی ہیں البتہ چھوٹے موٹے موکل یا بیر کو قابو میں کرنے کے بعد جادوگر یا عامل ایسے شعبدے دکھاتے رہتے ہیں، مثلاً بشیر کباڑئے نے ایک ایسا ہی قصہ سنایا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب شروع میں اس نے کامیابی سے ایک موکل قابو کرلیا تو اسے لگتا تھا کہ نعوذ باللہ وہی خدا بن گیا ہے۔ غرور کے باعث گردن میں سریا لگ چکا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دوست کسی کام سے آیا۔ اس کا خراد کا کام تو چل ہی رہا تھا، البتہ توجہ نہ ہونے کے باعث ہمیشہ کسی نا کسی مسئلے میں پھنس جاتا اور گاہکوں سے جھگڑے ہوتے، انہی واقعات کے باعث لوگ اسے بدمعاش سمجھنے لگے، ایسے ہی ایک مسئلے میں وہ پھنسا ہوا تھا کہ مدد کے لئے دوست کو بلایا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ بشیر عملیات اور جادوٹونے میں مہارت حاصل کر چکا ہے۔ ان دنوں چونکہ وہ پاگلوں کی طرح عملیات اور جادو وغیرہ سیکھنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا اور پھر میرے لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے لوگوں نے اسے ''نفسیاتی'' سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ معاشرہ اسے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتا تھا اور واقعی اس کی حالت تھی بھی ایسی ہی مگر جب ایک موکل قابو آگیا تو سب لوگ کیڑے مکوڑے لگنے لگے، طاقت کا نشہ ایسا ہی ہوتا

Marfat.com

ہے۔اسے ایک پرزے کی ضرورت تھی وہ لینے کے لئے چوک والگراں مارکیٹ کی طرف نکلے، یہاں پرانے سامان، پرزوں اور کباڑ کی کئی دکانیں ہیں جب کہ یہیں پر پہلوانوں کا ایک اکھاڑہ بھی تھا۔اس کے بقول: ہم دونوں یہاں سے گزرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کے لئے رک گئے۔ایک پہلوان کمزور تھا اور ایک طاقت ور تھا، میرے دوست کہنے لگا ''بشیرے! یہ تگڑا پہلوان جیت جائے گا'' یہ سنتے ہی میرے اندر کا جانور جاگ گیا اور میں بولا نہیں، کمزور پہلوان جیتے گا۔میری بات سن کر کئی لوگوں نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔فطری بات ہے کہ اب عزت کا سوال تھا، انا پوری طرح بیدار ہوگئی تھی، اب کشتی وغیرہ کس نے دیکھنی تھی، آنکھیں بند کیں اور موکل کو پکارنا شروع کر دیا، جب وہ حاضر ہوا تو میں نے حکم دیا کہ کمزور پہلوان کے جسم میں گھس جائے اور موٹے پہلوان کو مار مار کر بھرکس نکال دے۔چشم زدن میں کمزور پہلوان جواب تک پٹ رہا تھا، اس نے تگڑے پہلوان کو ایسی پٹخنیاں لگائیں کہ وہ زندگی بھر نہ بھولا ہوگا۔تماشائی تو حیران تھے ہی مگر تگڑا پہلوان خود بھی پریشان تھا یہ کیا ہوگیا ہے۔چند منٹوں میں کشتی کا فیصلہ ہوگیا، آخر کا منظر یہ تھا کہ طاقت ور پہلوان مار کھا کھا کر ایک طرف ادھ موا پڑا تھا اور کمزور پہلوان بھی موکل جسم سے باہر نکلنے کے بعد ادھ موا پڑا تھا۔سب لوگ حیران تھے کہ یہ کیسے ہوگیا مگر میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب دوبارہ ان دونوں کی کشتی ہوگی تو کمزور پہلوان کیا کرے گا؟۔

بشیر کباڑیا جادو ٹونے اور عملیات میں ماہر تو بن گیا مگر اس نے کبھی ''عامل پروفیسر بنگالی'' ٹائپ کی دکان نہیں کھولی۔یہ بس اس کا شوق تھا اور اس میں مگن رہا، اس دوران اس کی شادی ہوئی اور پھر یہی شادی اس کی توبہ کا دروازہ ثابت ہوئی۔پراسرار علوم پر دسترس حاصل کرنے والوں کو اس کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ صوفی بشیر کا کہنا تھا کہ عملیات اور موکلات کو زیر کرنے کے دوران اسے بھی ان تلخ نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔شادی کے بعد اس کے چار بیٹے پیدا ہوئے اور چاروں پراسرار طور پر مر گئے۔جو بچہ بھی پیدا ہوتا پیدائش کے چند گھنٹوں کے بعد اس کے جسم کی رنگت نیلی ہو جاتی جو اس بات کی نشانی تھی کہ

Marfat.com

یہ عملیات کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگ جو جادوٹونہ کرتے ہیں وہ یا تو شادی کرتے ہی نہیں اگر کریں تو پھران کا پورا خاندان برباد ہو جاتا ہے۔ بچے پیدا ہوتے ہی مرجاتے ہیں یا بچ جائیں تو پاگل پن یا معذوری کا شکار ہو کر عبرت کا نمونہ بن بنے رہتے ہیں۔ بھائی بہنوں اور والدین پر بھی پریشانیاں آتی رہتی ہیں۔ جب یکے بعد دیگرے اولاد مرنے لگی تو بشیر کے دل میں چوٹ لگی اور خدا یاد آیا۔ اب صوفی بشیر پنج وقتہ نمازی ہے مگر جس دور کی ہم بات کر رہے ہیں، خود اس کے بقول، وہ عید تک کی نماز نہیں پڑھتا تھا۔ مگر جب دل پر چوٹ لگی تو اس نے جمعے وغیرہ کی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اس کی دکان کے قریب

ہی حافظ عبدالقادر روپڑی کی مسجد تھی۔ جادو سیکھنے کے بعد اس نے اپنی زندگی کا پہلا جمعہ اسی مسجد میں پڑھا۔ اس کا کہنا تھا: جب میں نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو کئی روز تک صرف اس لئے ارادہ ملتوی کرتا رہا کہ جمعے کے دن سے شروع کروں گا، پھر جمعے کے دن بھی یہی سوچتا رہا ہے کہ جماعت کھڑی ہونے لگے گی تو پھر جاؤں گا، مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وقت کی تمام تر جمع تفریق کے باوجود جب مسجد میں پہنچا تو ابھی تقریر ہو رہی تھی۔ مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ حافظ صاحب نے اس جمعہ میں قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں جادوگری عملیات اور جنات کے ذریعے ناجائز کام لینے والوں کو ابدی جہنمی قرار دیا۔ مگر جو سچے دل سے توبہ کر لے اس کے لئے اللہ کے پاس معافی ہے۔ ان کی باتوں کا میرے دل پر زبردست اثر ہوا۔ بچوں کی مسلسل موت کے بعد زندگی کی امنگ ویسے بھی ختم ہو رہی تھی، اس تقریر نے روشنی کی ایک کرن دکھائی، میں نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ اگر کوئی شخص عملیات کے کام کو چھوڑنا چاہے تو اسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تو انہوں نے کہا کہ ایک تو مضبوط ارادے کے ساتھ چھوڑے اور دوسرا یہ کہ مسلسل توبہ استغفار کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔ میں نے اسی وقت مسجد میں بیٹھ کر اللہ سے عہد کر لیا کہ یہ سب کام چھوڑ دوں گا، سب موکلات آزاد کر کے عملیات اور جادوٹونہ چھوڑ دوں گا۔ اب میں نے یہ جدوجہد شروع کر دی کہ جلد از جلد عملیات سے جان چھڑائی جائے تاکہ نارمل انسان کی زندگی گزار سکوں۔ میں بہت سارے عاملوں کو جانتا تھا

Marfat.com

ان میں بہت سے روحانی علوم پر دسترس رکھنے والے بھی تھے۔سب سے پہلے میں سنت پورہ گوجرانوالہ میں حافظ محمد یوسف کے پاس گیا اور ان کو اپنے پاس موجودہ عملیات و جادو ٹونے کے ذخیرے، موکلات اور جنات کی تفصیل سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اب میں انہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔میری گفتگو سن کر حافظ صاحب تو ایسے بپھرے کہ مجھے لگا کہ اب مارنے لگیں گے۔انہوں نے میری طرف بہت غصے سے دیکھا اور کہا، جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو لے کر یہاں سے نکلنے کی بات کرو۔یہ میرے بس سے باہر ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

کالا جادو سیکھنے والوں کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا

صوفی بشیر اپنی داستان سنانے کے دوران بار بار سینے کو ملتا تھا۔اس کا کہنا تھا کہ اندر ہر وقت آگ سی لگی رہتی ہے۔کون سا حکیم یا ڈاکٹر ہے جس سے بشیر کباڑئے نے دوا نہ لی ہو مگر کوئی جسمانی بیماری ہو تو دوا سے آرام آئے۔خود اسے بھی معلوم ہے کہ سارا معاملہ ان وظیفوں کا ہے جو اسے روز پڑھنے پڑھتے ہیں۔روحانی علوم سے وابستہ کئی افراد نے اسے مشورہ دیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز اور تلاوت قرآن کے علاوہ فی الحال کچھ نہ پڑھے مگر اسے جان کی امان اسی شرط پر ملی تھی کہ آخری دم تک یہ وظائف پڑھتا رہے گا۔اس بارے میں ہمیں کئی علما نے بتایا کہ ہر لفظ کی ایک قیمت ہوتی ہے،جس طرح طاقت ور دوائیں ہر ایک کو ہضم نہیں ہوتیں،اسی طرح ہر قسم کے وظائف بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی، یہ وظائف پڑھنے کے بعد ان کی روحانی وقت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ دماغ برداشت نہیں کر پاتا اور وہ پاگل ہو جاتے ہیں یا پھر ان وظائف کے انوار سے جسم دہکتا انگارہ بن جاتا ہے۔ اس قسم کی بھاری بھر کم باتیں کبھی ہماری سمجھ میں نہیں آئیں،نجانے حقیقت کیا ہے البتہ صوفی بشیر کی حالت ہمارے سامنے تھی۔اس کے ہاتھ ہر وقت انتہائی گرم رہتے ہیں جیسے تیز بخار ہو،آنکھیں سرخ انگارہ لگتی ہیں۔جادو ٹونے سے تائب ہونے کے بعد اپنے علمیات اور موکلات سے پیچھا چھڑانے کی جدوجہد کے بارے میں اس کا کہنا تھا:

حافظ صاحب کی پھٹکار سننے کے بعد امید کی ہر کرن ہی ختم ہوگئی، میرے سامنے وہی ایک بزرگ ہستی تھی جو رہنمائی کر سکتی تھی مگر انہوں نے بری طرح ڈانٹ کر بھگا دیا تھا، چند

Marfat.com

دن مایوسی میں گزرے پھر میں دوبارہ سے سوچ و بچار کرنے لگا۔ کچھ دن بعد میں نے حافظ صاحب کے داماد کو منت سماجت کر کے ساتھ لیا اور دوبارہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تا کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے۔ حافظ صاحب نے پہلے تو شدید غصے سے ہماری طرف دیکھا اور داماد کو کہنے لگے کہ یہ کس کافر کو خانہ کعبہ لے جانے کی سفارش کر رہے ہو؟ پھر ہمیں پاس بٹھا کر بولے'' پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو عمل کئے وہ سارے قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ دوسری بات یہ کہ میرے پاس اتنی طاقت نہیں کہ میں انہیں سنبھال سکوں کیونکہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ اس کے موکلوں میں کوئی سکھ ہے کوئی عیسائی اور کوئی ہندو ہے۔ ان سے جان چھڑانا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ حافظ صاحب کی یہ بات سن کر میں رونے لگا تو حافظ صاحب کا دل پسیجا اور وہ بولے: ڈسکہ کے قریب نندی پور کی جھال کے قریب اللہ کا ایک بندہ رہتا ہے۔ آپ اس کے پاس پہنچ جائیں شاید آپ کا کام ہو جائے۔

شاید کسی کو اندازہ نہ ہو کہ اس کالے علم کو حاصل کرنے کے لئے میں نے اپنی زندگی کا سنہری دور ضائع کر دیا تھا اور دن رات سخت محنت و مشقت میں گزارے تھے۔ اب اس کو چھوڑنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ چند دن بعد میں حافظ صاحب کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ اس وقت اس اللہ کے بندے کی عمر 85 سال کے قریب ہوگی۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے چیخنا شروع کر دیا: نکل جاؤ یہاں سے تم جو کچھ لے کر آئے ہو یہ ہمارے والا کام نہیں، تم ہمیں بھی مصیبت میں پھنساؤ گے۔ میں پریشان تو تھا ہی، یہ باتیں سن کر فوراً ہی آنسو نکل آئے، آگے بڑھ کر ان کے پیروں سے چمٹ گیا۔ وہ واقعی اللہ والے تھے، کہنے لگے کہ: ابے مردود! کیا میرا بھی ایمان چھین کر رہے گا، پیچھے ہٹ مجھے کیا سجدہ کر رہا ہے، اللہ سے توبہ کر وہی تجھے نجات دے گا۔ میں نے کہا اگر مجھے اس مصیبت سے نجات نہیں دلاؤ گے تو میں آپ کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ طبعیت میں ضدی پن اور بدمعاشی تو شروع سے ہی تھی، اب مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر میں ان کے پیروں سے چمٹا رہوں گا تو یہ تکلیف میں رہیں گے لہذا میں نے اور مظبوطی سے ان کے پیر پکڑ لئے۔ آخر

Marfat.com

تنگ آکر انہوں نے کہا: دیکھ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ہاں البتہ آزاد کشمیر میں ایک کالے علم کا ماہر رہتا ہے۔ اس کا پتہ بتا دیتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری مشکل حل کردیگا۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ تمہارے تمام عملیات اور موکلات کو خوش دلی سے قبول کرلے گا اور تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ یہ سن کر میں نے ان بزرگ کے پیر چھوڑے اور پتہ ذہن نشین کرنے کے بعد لوٹ آیا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد میری بے قراری میں مزید اضافہ ہوگیا۔ چند دن کے بعد ہی میں مظفر آباد، آزاد کشمیر میں اس عامل کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ اس نے آبادی سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا۔ شاید اسے پہاڑی پیر کہتے ہیں یا اس سے ملتا جلتا کوئی نام ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ مجھے دیکھتے ہی ہنس پڑا۔ اس نے میری بہت عزت کی۔ میں نے اسے اپنی پریشانی سے آگاہ کیا تو وہ مجھے کہنے لگا ہماری مثال ان دو قیدیوں جیسی ہے جو ایک جیل میں بند ہیں۔ ایک قیدی دوسرے سے کہتا ہے کہ مجھے آزاد کراؤ لیکن جو خود قید میں ہے وہ دوسرے کو کیسے آزاد کرائے؟ میں بھی تمہاری طرح اس کالے علم سے جان چھڑانا چاہتا ہوں لیکن ابھی تک اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا۔ جو لوگ کالے علم کی دنیا میں ایک بار اتر جاتے ہیں ان کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، ان کا کوئی خاندان نہیں ہوتا، دسیوں موکل اور جن ان کے غلام ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ خود غلامی کی زندگی گزارتے ہیں، دنیا کی کوئی خوشی ان کے قریب سے بھی نہیں گزرتی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی کچھ مدد نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو میں آج یہاں ویرانے میں نہیں پڑا ہوتا۔ میں نے اس کی بہت منت سماجت کی اور کہا کہ تمہاری جان چھوٹتی ہے یا نہیں لیکن جو کچھ میرے پاس ہے اسے خدا کے لئے اپنے پاس رکھ لو اور اپنے موکلات کی تعداد میں اضافہ کرلو۔ میں نے تفصیل سے اپنے تمام عملیات اور موکلوں کے بارے میں بتایا، ایک دن تھا کہ میری سب سے بڑی خواہش تھی کہ یہ سب مجھے حاصل ہوجائے اور اب ان سے جان چھڑانا میری سب سے بڑی خواہش تھی۔ مظفر آباد کا عامل مجھے کہنے لگا کہ میں تم سے یہ سب کچھ لے لوں مگر میرے موکلات دوسری نسل کے ہیں اور تمہارے موکل دوسری نسل کے ہیں۔ میں نئی مصیبت مول نہیں

Marfat.com

لے سکتا۔ میں جس مصیبت میں پہلے پھنسا ہوا ہوں میرے لئے وہی کافی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ پھر مجھے کوئی ایسا عامل بتا دیں جو میرا مسئلہ حل کر دے تو وہ کہنے لگا کہ میرے خیال میں اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ جس شخص سے تم نے یہ عمل سیکھے ہیں اگر وہ زندہ ہے تو اس کی منت سماجت کرو۔ وہ تمہاری جان چھڑا سکتا ہے۔ یہ بات سن کر میں مایوس ہو گیا کیوں کہ میں سب سے پہلے اپنے استاد کے پاس ہی گیا تھا، وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو کر مرا۔ جب میں اس کے پاس گیا تھا تو استاد نے کہا: بشیر! کمان سے نکلا تیر بھی کبھی واپس آیا ہے؟ پھر مجھے یاد آیا کہ میرا استاد بھی تو تنہا ہی رہتا تھا، پہلے اس کے بچے مرے اور پھر اس کی بیوی بھی مر گئی اور آخر میں وہ کوڑھی ہو کر تڑپ تڑپ کر مرا۔ میں اپنے اس انجام سے سخت خوفزدہ تھا۔ آزاد کشمیر والا عامل بندہ تو ٹھیک نہیں تھا لیکن اس نے مجھے جو مشورہ دیا اس سے مجھے کچھ حوصلہ ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہم لوگ خدا کو چھوڑ کر جادو کے چکروں میں لگے رہتے ہیں، یہاں جب ہمیں اپنی بے بسی کا احساس ہو جائے تو دوبارہ اللہ سے رجوع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کیا پتہ وہ ہماری توبہ قبول کر کے معافی کا کوئی راستہ نکال ہی دے؟ میں اس کی یہ باتیں سن کا ناکام و نامراد آزاد کشمیر سے لوٹ آیا۔ اس کے بعد مجھے گجرات کے نزدیک کوٹلی تنور والی میں ایک بزرگ کے بارے میں علم ہوا تو میں ان کے پاس پہنچا۔ انہوں نے مجھے جھڑکا تو نہیں البتہ نرمی سے یہ کہہ لوٹا دیا تھا کہ بیٹا جو کچھ تمہارے پاس ہے مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کو سنبھال سکوں تم نے تو سب کچھ ہی برباد کر ڈالا۔ اگر میں نے تمھارے معاملے میں ہاتھ ڈالا تو راندہ درگاہ کر دیا جاؤں گا۔ کسی اور سے رابطہ کرو۔ میں نے جب عملیات وغیرہ میں دلچسپی لینا شروع کی تھی تو سب سے پہلے روحانی بزرگوں کی خدمت میں جایا کرتا تھا اور دینی کتب پڑھا کرتا تھا، اس طرف اپنی سفلی خواہشات کی تشفی نہ ہوتے دیکھ کر میں کالے علم کی طرف نکل آیا، بہر حال اس اچھے دور میں، میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ جب انسان کی دعا کسی طریقے سے قبول نہ ہو تو اسے چاہئے کہ نماز تسبیح پڑھے۔ پھر اللہ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ تمام مشکلیں حل فرما دیں گے۔ جیسے ہی یہ بات مجھے یاد آئی میں ایک دن شہر سے باہر آبادی سے دور ایک ویران مقام پر چلا آیا۔ پھر یہاں

Marfat.com

وضو کر کے نماز تسبیح مکمل توجہ اور خشوع و خضوع سے پڑھنی شروع کی۔ نماز تسبیح پڑھنے کے دوران مجھے ایسا سکون محسوس ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا اس کے بعد میں نے خدا کے حضور طویل دعا میں اپنے دل کا غبار نکالا رو رو کر التجا کی کہ یا اللہ مجھے معاف کر دیں اور مجھے میرا سکون لوٹا دیں۔ اللہ کے حضور دعا کے دوران مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی جو زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی اور نہ آئندہ کبھی ہوئی۔ اس بنا پر میرے دل نے شہادت دی کہ اللہ نے تمہارے دعا سن بھی لی ہے اور قبول بھی کر لی ہے اور جلد کالے علم سے چھٹکارا مل جائے گا۔ ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ اس دوران مجھے اپنا ایک بھی موکل نظر نہیں آیا، حالانکہ وہ ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہتے تھے حتیٰ کہ میں باتھ روم میں بھی وہ میرے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ اس بات سے بھی مجھے کافی تسلی ہوئی اور میں مطمئن ہو کر گھر واپس آ گیا۔ دن گزرتے گئے مگر اب بھی نجات کی کوئی راہ نہیں نکلی۔ میری اولاد تو مر ہی چکی تھی اب بیوی بھی بیمار رہنے لگی، اس کی بیماری کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی، مجھے اتنا تو پتہ تھا کہ اس سے جتنا دور رہوں گا، اس کے لئے اچھا ہوگا مگر ایک گھر میں رہتے ہوئے آمنا سامنا تو ہوتا ہی تھا، اس کے کام کاج بھی مجھے ہی کرنے پڑتے تھے، وہ بھی میری پریشانی سے آگاہ تھی اور بساط بھر کوشش کرتی کہ میری خدمت کرے۔ آزمائش کے دن ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

غلام موکل آقا کو ہی مار ڈالتے ہیں

چیچہ وطنی کے سید شاہ صاحب ایک بزرگ ہیں۔ ان کا مستقل قیام چک نمبر 55 میں ہوتا ہے، یہاں کوئی سڑک نہیں جاتی بلکہ کئی کلومیٹر پیدل راستہ طے کرنے کے بعد یہاں تک رسائی ہوتی ہے، لہذا شاہ صاحب اس دیہات میں محفوظ ہیں۔ انہی نے بشیر کباڑیئے کو اس کے موکلوں سے نجات دلائی تھی۔ یہ تقریباً دس برس قبل کی بات ہے۔ اس آزادی کے وقت ایک غیر تحریری معاہدے میں شاہ صاحب اور بشیر کباڑیئے میں طے ہوا تھا کہ وہ ہر روز مقررہ مقدار میں وظائف پڑھے گا، جب تک یہ وظائف جاری رہیں گے، اس کے گرد ایک حفاظتی حصار قائم رہے گا، جس دن یہ حصار ٹوٹا، اسی لمحے اس کے آزاد کردہ موکل صوفی بشیر کی گردن مروڑ ڈالیں گے۔ شاہ صاحب کی بات کا مطلب بشیر اچھی طرح سمجھتا تھا، اس کے استاد کی عبرتناک موت اس کے سامنے تھی، لہذا اس دن سے آج تک وہ روٹی کھانا بھول سکتا ہے مگر وظیفہ پڑھنا نہیں بھولتا۔ ان روحانی وظائف کی وجہ سے اس کے دل میں انوار کی مقدار اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ہر وقت ایسا لگتا ہے 105 بخار ہے، خشک مزاجی، لہجے کی کڑواہٹ بھی اس وجہ سے ہے کہ اسے اپنی برداشت سے زیادہ بھاری وظائف پڑھنے پڑ رہے ہیں، مگر اسی شرط پر اس کی زندگی محفوظ ہے۔ بشیر کباڑیئے کا کہنا تھا: ویرانے میں نماز اور دعا کے چند روز بعد ہی ایک دن اچانک مجھے پتہ چلا کہ میرے استاد جن کو کوڑھ کا مرض ہو گیا تھا، انہیں انہی کے موکلوں نے مار ڈالا ہے۔ استاد کی موت بہت لرزہ خیز تھی، پورے جسم کی کوئی ایک ہڈی بھی بد بخت موکلوں نے سلامت نہیں چھوڑی تھی، استاد نے

Marfat.com

انہیں تیس سال تک قید رکھا تھا اور ہر قسم کے کام لئے تھے، وہ نجانے کب سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے، جس دن استاد کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور وہ مقررہ تعداد میں وظائف پورے نہیں کر سکا، اس کے گرد قائم حصار ٹوٹ گیا اور موکلوں نے اس کا تیا پانچہ کر دیا۔ میں لاہور پہنچا اور استاد کی لاش دیکھی، جسم کا بال بال خوف سے کھڑا ہو گیا۔ اسی خوف کے عالم میں کچھ دن اور گزرے تھے کہ میرے بڑے بھائی صاحب کے ہم زلف چیچہ وطنی سے ملنے کے لئے ان کے ہاں آئے۔ اس وقت تک میری بیوی زندہ تھی البتہ بچے سب مر چکے تھے لہذا وہ میرے بچوں کی تعزیت کرنے میرے گھر بھی آئے، میری بربادی دیکھ کر کہنے لگے بشیر تمہارے بچے فوت ہو جاتے ہیں کہیں تمہاری بیگم کو اٹھرا کی بیماری تو نہیں۔ میں نے کہا، سارے کہتے تو یہی ہیں لیکن آج تک کسی کے علاج سے افاقہ نہیں ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے شہر چیچہ وطنی کے قریب چک 55 میں سید شاہ صاحب بہت اعلیٰ پائے کے بزرگ ہیں۔ صرف ایک بار ان سے مل کر دیکھیں انشا ٔاللہ ضرور آرام آ جائے گا۔ مجھے اصل حقیقت کا علم تھا کہ بچے میرے ہی کالے علم کا شکار ہوتے ہیں۔ پھر میں اپنی مصیبت سے چھٹکارے کے لئے بزرگوں کی خدمت میں مارا مارا پھرا تھا اور ہر طرف سے جواب ملنے کے بعد مایوس تھا لہذا اس لئے میں نے ان سے کہا کہ علاج معالجہ کرنے والے بہت بزرگ دیکھے ہیں ان کے پاس کچھ نہیں۔ سب فراڈیئے ہیں، مگر انہوں نے بہت اصرار کیا اور مجھے تحمل سے سمجھایا کہ جہاں اتنا وقت ضائع کیا ہے وہاں آپ انہیں ایک بار مل کر تو دیکھیں۔ میں نے مجبور ہو کر ان کے ساتھ چیچہ وطنی سید صاحب کے پاس حاضر ہونے کی حامی بھر لی۔ میرے ذہن میں پھر سے یہ ایک امید پیدا ہو گئی تھی کہ شاید مجھے اپنے ان موکلات اور عملیات سے جان چھڑانے کی کوئی ترکیب بتا دیں۔ جیسے ہی یہ بات میرے ذہن میں آئی میں نے فوراً ہی چیچہ وطنی جانے کی ٹھان لی۔ چند دنوں کے بعد میں چیچہ وطنی پہنچا تو میرے عزیز جن کا نام مستری اللہ رکھا تھا، مجھے اپنے ساتھ لے کر 55 چک سید شاہ صاحب گئے۔ انہوں نے شاہ صاحب کو صرف میرے بچوں کی وفات کے بارے میں آگاہ کیا تو شاہ صاحب کہنے لگے کہ مستری صاحب آپ خاموش رہیں، مجھے سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ ان

Marfat.com

کے گھر میں جو بیماری ہے وہ میں نے جان لی ہے۔ یہ اپنے ہی کالے کرتوتوں کا شکار ہے۔
یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ اب مجھے ایک بار پھر پھٹکار پڑنے والی ہے مگر شاہ صاحب نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ کہا، اطمینان سے بیٹھ جاؤ بعد میں بات کریں گے۔ مستری اللہ رکھا کو کوئی ضروری کام تھا۔ وہ مجھے شاہ صاحب کے پاس چھوڑ کر چلا گیا اور سفارش کر دی کہ بہت دور سے آئے ہیں ان کا مسئلہ ضرور حل کریں۔ مستری کے جانے کے بعد شاہ صاحب نے مجھے کئی گھنٹے اپنے پاس بٹھائے رکھا البتہ کچھ کہا نہیں، بس تھوڑی دیر بعد میں قہر آلود آنکھوں سے گھورتے اور پاس پڑے موٹے سے ڈنڈے کو ہاتھ میں اٹھا کر ایسے الٹتے پلٹتے کہ جیسے اب مجھے دے ماریں گے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

محبت اور نفرت کے تعویذوں پر ہندو اور سکھ موکل عمل کراتے ہیں

''میں نے زندگی میں صرف دو گھر اجاڑے تھے اور نارمل زندگی کی طرف واپسی میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی یہی بن گئے۔ جادوٹونے اور موکلات پر عبور صرف اپنی ذاتی تسکین کے لئے حاصل کیا تھا مگر جس کسی کو بھی یہ پتہ چلتا کہ میرے پاس موکلات ہیں یا میں تعویذ دیتا ہوں وہ میرے پاس دوڑا چلا آتا، میری گالیاں اور فحش کلامی سن کر بھی لوگ عقیدت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تو میں کچھ نہ کچھ الٹا سیدھا لکھ دیتا'' بشیر کباڑیا سپاٹ آنکھیں لئے اپنی داستان جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کا کہنا تھا ''لوگ سمجھتے ہیں کہ جادوٹونہ یا تعویذ لکھنا شاید کھیل ہے، چاہے تعویذ جادو کے ہوں یا روحانی، انہیں لکھنے اور ان پر عمل کرانے میں جان صرف ہوتی ہے لہذا شاید ہی چند لوگ درست تعویذ لکھ کر دیتے ہیں حتی کہ جو لوگ رقوم لے کر جادو وغیرہ کے ذریعے عمل کرتے ہیں وہ بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ جادو کے تعویذ لکھ کر ان پر عمل موکلوں سے کرایا جاتا ہے، اور ہر بار جب کسی موکل سے کام لیا جاتا ہے تو ایک دشمنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لہذا عامل یونہی جعلی تعویذوں سے کام چلاتے رہتے ہیں۔ جادو کے ذریعے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی کیونکہ جادو نظروں پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی پر جادو کر دیں تو اسے رسی بھی سانپ کی طرح نظر آئے گی۔ اسی طرح روحانی تعویذ بھی اثر دکھانے میں کافی وقت لیتے ہیں اس کے برعکس عملیات کے ذریعے کئے گئے تعویذات فوراً اثر دکھاتے ہیں اور جس مقصد کے لئے کئے جاتے ہیں وہ کام مکمل ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔اسی قسم کے تعویذوں کے ذریعے میں نے دو گھر اجاڑے تھے۔ پہلی عورت میری پڑوسی تھی۔ان لوگوں کا میرے گھر آنا جانا تھا،ایک مرتبہ وہ میرے گھر آئی اور بیوی کو اپنی درد بھری داستان سنائی کہ خاوند میری طرف بالکل توجہ نہیں دیتا۔ساری تنخواہ اپنے خاندان والوں پر خرچ کر دیتا ہے۔بیوی کو میرے بارے میں علم تو تھا ہی،اس نے کچھ سفارش کی اور کچھ مجھے اس کی حالت پر رحم آ گیا اور میں نے سوچا کہ اس کا جائز حق اسے ضرور ملنا چاہئے لہذا ایک تعویذ لکھ کر دیا۔اس تعویذ کے استعمال کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے لسی میں تعویذ کو حل کر کے اس میں سے ایک گھونٹ بھر کر اچھی طرح کلی کرنی تھی اور اس کلی کو اس باقی ماندہ لسی میں ڈال دینا تھا۔اس عمل کو گیارہ مرتبہ دہرایا جانا تھا۔عمل مکمل کر کے اس لسی کو موقع ملتے ہی اپنے شوہر کو پلا دینا تھا۔اس کے بعد وہ زندگی بھر بیوی کی تابعداری کرتا اور دوسروں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا۔اس کا نتیجہ حسب توقع سو فیصد نکلا۔جب اس عورت کا کام ہو گیا تو وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے لئے آئی۔یہ کام کرنے کے بعد میں نے ایک گائے خرید کر ذبح کی اور اسے ایک ویران جگہ پر پھینک دیا کیوں کہ یہ کام میں نے اپنے مؤکلوں سے کرایا تھا اور اس کام کے لئے جو مؤکل مقرر کئے گئے تھے انہوں نے گوشت کھانے کی فرمائش کی تھی۔یہ کوئی اتنا آسان کام نہیں۔محبت کے اس تعویذ کو کامیاب اور مؤثر بنانے کے لئے عامل حضرات کو کیا جتن کرنا پڑتے ہیں،اس بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔جو تعویذ اس عورت کو میں نے لکھ کر دیا تھا اس کو عداوت و محبت کا تعویذ کہتے ہیں۔تعویذ کے اثرات کو مؤثر بنانے کے لئے اور دیرپا کرنے کے لئے مؤکلات کی ڈیوٹیاں لگائی جاتی ہیں جو اس کام کی نگرانی کرتے ہیں۔جو جنات میں نے قابو کر رکھے تھے وہ بہت طاقتور تھے۔لاکھوں کی تعداد میں مؤکلات (جنات کی ایک قسم) ان کے ماتحت تھی۔ان میں سے ہندو اور سکھ مؤکل اس قسم کے کاموں میں بہت خوش رہتے ہیں۔اس تعویذ میں،میں نے دو مؤکلوں کی ڈیوٹیاں لگائیں۔ایک مؤکل کا کام اس عورت کے شوہر کو محبت پر مجبور کرنا تھا،وہ اس کے جسم میں گھس گیا اور وہ شخص اب اس مؤکل کا غلام بن گیا،اب اس مؤکل کی زندگی بھر کی یہ ڈیوٹی

Marfat.com

تھی کہ وہ شوہر کو اپنی بیوی سے محبت بھرا سلوک کرنے پر مجبور کرے۔ یہ ایک تلخ حقیقت تھی کہ اصل میں اس عورت کا شوہر اس سے محبت نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ ہندو جن اس کے شوہر کے جسم میں گھس کر اس کی بیوی سے محبت کر رہا تھا، یوں عورت تو خوش تھی مگر اس نے نا سمجھی میں اپنے شوہر اور اپنی زندگی اور نجی معاملات تک ایک ہندو اور ایک سکھ جن کے حوالے کر دئے تھے۔ میں نے دوسرے مؤکل کی ذمہ داری یہ لگائی کہ اس کے شوہر کو خاندان سے دور رکھے۔ اس عمل کا اثر اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کوئی دوسرا عامل جو پہلے عامل سے زیادہ طاقتور علم رکھتا ہو انہیں قابو کر کے ان کی جان چھڑا دیتا۔ اس کا نتیجہ بہت بھیانک نکلتا ہے، مثلاً جس عورت کے شوہر کو میں نے اس کے والدین اور بہن بھائیوں سے دور کیا تھا، اس گھر کا کفیل یہی شخص تھا، موکل نے اس کے جسم میں گھس کر قبضہ کر لیا تو وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے لئے ایک دم اجنبی بن گیا، بیمار والدین بغیر دواؤں کے سسک سسک کر مر گئے، جوان بہن جس کی شادی تک طے ہو چکی تھی، وہ اپنا پیٹ پالنے کے لئے نوکری کی تلاش میں ماری ماری پھرتی رہی، خدا کا شکر ہے کہ اس کے سسرالی اچھے تھے، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ واحد کفیل بھائی ہی بے گانہ ہو گیا ہے تو انہوں نے رشتہ داروں کو درمیان میں ڈال کر جلد شادی کرا دی، اس طرح اس لڑکی کو سہارا مل گیا ورنہ نجانے اس کا کیا ہوتا، اس جوڑے کا انجام بھی کچھ اچھا نہیں ہوا، ایک شخص جس پر دو جن قابض ہو جائیں اور اسے اپنی مرضی سے چلائیں اس کا کیا بن سکتا ہے؟ چند برس بعد ہی ایسا ہو گیا کہ برسوں کا بیمار، اس طرح اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کی بیوی بعد میں کئی بار میرے پاس دہائی دیتی آئی کہ اس کے شوہر کو کچھ ہو گیا ہے، اسے ٹھیک کرنے کا تعویذ دے دو مگر میں جانتا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، جو ہندو اور سکھ جنات میں نے مقرر کئے تھے وہ بہت ہی خراب تھے، انہوں نے اس شخص کا پورا جسم ہی کھوکھلا کر دیا۔ اب انہیں صرف وہی روک سکتا تھا جو عملیات میں مجھ سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ پہلا گھر تھا جو میں نے اجاڑا، اس کے بعد میں نے کئی برس تک کسی کو بھی درست تعویذ نہیں دیا۔ کئی برس بعد ایک بار پھر میرے دل میں ہمدردی

Marfat.com

ابھری۔ یہ میرے دوست کا گھرانہ تھا۔ میرے دوست کی بہن اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ میرے دوست کا ایک بھائی ذہنی طور پر تندرست نہیں تھا۔ لیکن اس کی بہن اس جتن میں رہتی تھی کہ کسی طرح بھائی کی شادی ہو جائے۔ اسے مرگی کے دورے پڑتے تھے، کسی نے کہا تھا کہ اگر اس کی شادی کرادی جائے تو تندرست ہو جائے گا۔ کوششوں کے بعد بالآخر اس نے اپنے بھائی کے لئے خوب صورت لڑکی کا رشتہ تلاش کرلیا اور اس کی شادی کرانے میں بھی کامیاب ہو گئی۔ یہ ایک بے جوڑ شادی تھی جس میں لڑکی ضرورت سے زیادہ خوب صورت اور پڑھی لکھی بھی تھی جب کہ لڑکا عقل سے پیدل اور مرگی کا مریض تھا۔ ابھی شادی کو زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ خاتون کے شوہر نے اپنے سالے کی بیوی کی ہمدردی حاصل کرلی جو اپنے بیمار شوہر سے بہت پریشان تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس عورت نے اپنے مریض شوہر سے لڑ جھگڑ کر طلاق حاصل کرلی اور سابق شوہر کے بہنوئی سے شادی کرلی۔ پہلی بیوی نے دوسری شادی رکوانے کے لئے بہت کوششیں کیں لیکن اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی اور بھائی کی خوشیاں دیکھنے کے چکر میں اس کا اپنا گھر برباد ہو کر رہ گیا۔ شوہر کی تمام تر توجہ دوسری بیوی نے حاصل کرلی۔ اس تبدیلی کی وجہ سے آئے دن بلاوجہ تشدد اس خاتون کا مقدر بن گیا۔ محلے والوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا اور اس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے کسی کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا شوہر اپنی مستی میں مگن رہا۔ حتیٰ کہ پہلی بیوی کو ضروریات زندگی کے لئے مناسب خرچہ بھی ادا کرنے سے گریز کرنے لگا۔ دوست بہت پریشان تھا، کئی بار میں بھی اس کے ساتھ اس کی بہن کے گھر گیا تاکہ معاملہ حل کرانے میں مدد کرسکوں مگر کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ سارا ماجرا کئی مہینے میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ ایک دن میں اپنی دکان پر تھا کہ دوست وہاں آیا اور رونے لگا، اسے میرے بارے میں علم تھا کہ میں تعویذ وغیرہ دیتا ہوں، مگر یہ علم نہیں تھا کہ یہ تعویذ موکلوں کے ہوتے ہیں۔ دوست کے آنسو دیکھ کر میں مشتعل ہو گیا، اس کے مجھ پر بڑے احسانات تھے۔ میں نے غصے میں کہا! بس اب بہت

Marfat.com

ہو گیا، اب میں دیکھ لوں گا۔ دراصل دوست کی بہن شوہر کی مار کھا کر بھائی کے گھر آئی ہوئی تھی، میں اور دوست دونوں گھر پہنچے، خاتون کو بلایا اور میں نے پوچھا کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ وہ اپنے شوہر کی وفادار تھی، کہنے لگی کہ میرے شوہر کو کچھ نہ کہیں اگر میرے لئے کچھ کرنا ہے تو اس کا علاج کریں جس نے میرا گھر برباد کیا ہے۔ دوست نے بھی کہا بہن کا گھر برباد نہ ہو، دوسری بیوی کا کانٹا نکل جائے۔ میں نے اس کی سوتن کا نام اور اس کی ماں کا نام اور اس کے خاوند اور اس کی ماں کا نام معلوم کیا۔ اسی وقت چند منٹوں میں تین تعویذ لکھ کر حوالے کئے اور استعمال کا طریقہ سمجھایا۔ ان تعویذوں کو کالے کپڑے میں لپیٹ کر کالے دھاگے کے ساتھ مضبوطی سے باندھنا تھا اور اس کے بعد انہیں اپنے شوہر سے نظر بچا کر آگ لگانی تھی کہ وہ آہستہ آہستہ سلگھنا شروع کر دیں اور دھواں شوہر تک پہنچ جائے۔ دوست کی بہن واپس اپنے گھر گئی اور رات کو ہی اس پر عمل کر دیا، اس تعویذ کو آگ لگا کر بجھا دی تا کہ وہ آہستہ آہستہ سلگھتا رہے۔ تعویذ نے فوراً اپنا کام کر دکھایا۔ شوہر جب گھر پہنچا تو اس کی دوسری بیوی نے اس کے لئے چارپائی باہر بچھائی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جونہی تعویذوں نے سلگھنا شروع کیا وہ اپنی دوسری بیوی سے کہنے لگا کہ چارپائی اندر بچھا دو۔ بیوی نے کہا اندر بہت گرمی ہے میں نے تو آپ کے لئے باہر چارپائی بچھائی ہے۔ آپ ضد نہ کریں اور باہر ہی بیٹھیں۔ اس بات سے تکرار بڑھی اور جھگڑے کی صورت اختیار کر گئی۔ اس کے شوہر کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے قریب پڑا ہوا ڈنڈا اٹھایا اور دوسری بیوی کو مارنا شروع کر دیا۔ اتنا مارا کہ سارے محلے میں شور مچ گیا۔ وہ اسے مارتا جاتا اور کہتا جاتا مجھے پتا تھا تو میرے ساتھ نہیں رہے گی۔ پہلی بیوی ہی اچھی ہے تیری وجہ سے میری ہر جگہ رسوائی ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو وہ اسے اس کے گھر چھوڑ آیا اور پہلی بیوی کی منتیں کرنے لگا کہ مجھ سے بہت ظلم ہوا، مجھے معاف کر دو۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ دوسری بیوی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ نہ بسایا اور نہ طلاق دی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ لڑکی ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور ماں باپ کی اکلوتی تھی، اس کی شادی پہلے تو ایک نیم پاگل سے کر دی گئی۔ اسے جو

Marfat.com

سہارا نظر آیا اس نے اسے غنیمت جانا اور دوسری شادی کر لی۔ اس میں اس کا اتنا قصور بھی نہیں تھا۔ اپنی شادی بچانے کے لئے اس نے بہت معافیاں مانگیں لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے گھر والے دو برس تک کوشش کرتے رہے کہ اگر گھر نہیں بستا تو کم از کم طلاق ہی مل جائے مگر طلاق بھی نہیں ملی۔ اکلوتی بیٹی اور بہن کا گھر دوبارا اجڑنے سے اس خاندان کی بہت بدنامی ہوئی، لوگ ان پر انگلیاں اٹھاتے تھے، حتیٰ کہ گھریلو جھگڑوں میں بیویاں بھی اپنے شوہروں کو ان کی بہن کا طعنہ دیا کرتی تھیں، آخر کار وہ لڑکی ایک دن کھانا بناتے جل کر مر گئی، مجھے علم ہے کہ اس نے خودکشی کی تھی۔ اس عمل میں، میں نے اس کے شوہر پر دو مسلمان مؤکل اور دو سکھ مؤکل مسلط کر دیئے تھے۔ مسلمان جنوں کا کام اس کے شوہر کے دل میں پہلی بیوی کے لئے محبت پیدا کرنا اور اس کی خدمت پر مجبور کرنا تھا جبکہ سکھ مؤکلوں کا کام اسے دوسری بیوی سے دور رکھنا اور اس کے خلاف نفرت کے جذبات کو ہوا دینا تھا۔ یہ عمل اتنا سخت تھا کہ آسانی سے کوئی دوسرا عامل اسے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ اگر معاملہ میرے دوست اور ایسے دوست جس کے مجھ پر بہت احسانات تھے، کا نہ ہوتا تو میں کبھی یہ عمل نہ کرتا۔ اس عورت نے بہت سے عاملوں سے رابطہ کیا تا کہ کسی طرح اس کا شوہر دوبارہ اسے گھر پر رکھ لے، وہ پہلی بیوی کی خدمت تک کرنے پر راضی تھی مگر اب کیا ہو سکتا تھا، میں جن موکلات کی ڈیوٹی لگا چکا تھا، انہیں کسی طرح بھی واپس نہیں لا سکتا تھا۔ ایک بزرگ نے اس خاتون کو میرا بتا دیا کہ میں نے اپنے موکلوں سے یہ کام کرایا ہے، وہ روتی ہوئی میرے پاس آئی اور پیر پکڑ لئے کہ اس کا شوہر واپس دلا دوں، وہ پہلی بیوی کے تابع ہو کر رہنے پر تیار ہے، مگر میں اب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جب مایوس ہو کر جا رہی تھی تو مجھے بد دعائیں دے رہی تھی۔ بعد میں ایک بزرگ نے ہمت کر کے مسلمان موکلوں کو قابو بھی کر لیا تھا، اس سے صرف اتنا ہوا کہ شوہر کے دل میں پہلی بیوی کی جو محبت تھی وہ کم ہو گئی مگر دوسری بیوی کے لئے جو نفرت تھی وہ پوری شدت سے برقرار رہی کیوں کہ نفرت کا کام سکھ موکلوں کے سپرد تھا اور سکھ مؤکل کسی طرح بھی ان کے قابو میں نہیں آتے تھے۔ یہ وہ دوسرا گھر تھا

Marfat.com

جو میں نے اجاڑا۔ اس عورت کی بدعائیں آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہیں، اس کے چند ماہ بعد ہی وہ جل مری تھی۔'' بشیر کباڑئے نے اپنی طویل گفتگو ختم کر کے پانی کے کئی گلاس چڑھا گیا مگر یہ تجسس برقرار تھا کہ اسے موکلوں سے نجات کیسے ملی۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

پیر مکھنا اور اس کے جنات

پیر مکھنا کہنے کو تو پیر تھا مگر حقیقت میں وہ ایک چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔اس کے ڈیرے پر علاقے بھر کے چور ڈکیت جمع رہتے تھے مگر کبھی ان پر پولیس نے ہاتھ نہیں ڈالا۔مکھنا کا ڈیرہ ملک وال کے قریب ملیاں نامی گاؤں میں تھا۔ ملک وال سیالکوٹ سے تمیں چالیس کلو میٹر دور ہے اور ملک وال سے ملیاں جانے کے بیس منٹ لگتے ہیں۔مکھنا کے ڈیرے کی طرف جانے والی پگڈنڈی کے دونوں اطراف قد آدم سرکنڈوں کے جھنڈ ہیں۔اسی جگہ صوفی بشیر کو اپنے موکلات اور عملیات سے چھٹکارا حاصل ہوا۔یہاں کا پتہ شاہ صاحب نے دیا تھا۔بشیر کا کہنا تھا کہ جب اس نے ملیاں پہنچ کر پیر مکھنا کو دیکھا تو پہلی نظر میں ہی خوفزدہ ہو گیا۔چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا قد، تیل میں گوندھی لمبی لٹیں، سیاہ چوغہ، ننگے پیر، دونوں ہاتھوں میں مختلف پتھروں کی انگوٹھیاں، کلائیاں کڑوں سے بھری، گلے میں موٹے دانوں کی لمبی سی مالا، آنکھیں دیکھ کر خون کا گمان ہو، اس کے پاس سے کافور کی خوشبو آتی تھی۔پورے علاقے میں مشہور تھا کہ اس کے آستانے پر بھنگئی اور چرسی پڑے رہتے ہیں۔ یہ ملنگ اور گداگر مکھنا پیر کا نام لے کر جس در پر پہنچتے کمزور عقیدہ لوگ انہیں خالی واپس نہ بھیجتے۔اس کے ڈیرے پر تین چیزیں مفت ملتی تھیں اور ہر ایک کو ملتی تھیں، ان میں سے ایک تو امان تھی، دوسرا لنگر تھا اور تیسرا نشہ۔نتیجہ یہ نکلا کہ فارغ البال اور بے روزگار نوجوان حالات سے فرار ہو کر اس کے ڈیرے پر بیٹھ جاتے اور سارا دن نشہ کرتے رہتے۔ان کے گھر والے اپنے بچوں کی بربادیوں کا رونا روتے۔سیالکوٹ کے مقامی اخبارات نے کئی بار

Marfat.com

خبریں شائع کیں کہ پیر مکھنا پورے علاقے کو نشئی بنا رہا ہے اور اس کا ڈیرہ منشیات کا اڈا ہے مگر ساری آہ و فغاں بیکار گئی۔ اس کی ایک خاص وجہ تھی، اس کا ذکر ہم آگے چل کر، کریں گے۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ مکھنا پیر کے ڈیرے پر علاقے کے نامی گرامی قاتل اور چور موجود ہوتے مگر کبھی اس کے علاقے میں چوری ڈاکے یا کسی قتل وغیرہ کی واردات نہیں ہوئی۔ اس کے مرید اسے اپنے مرشد کی کرامت اور دبدبہ قرار دیتے تھے۔ یہاں سے کچھ ہی دور نہر کنارے دن دہاڑے لوگ لوٹ لئے جاتے، نہر میں تیرتی لاشوں کی خبریں تو آج بھی سیالکوٹ کے مقامی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کھلے عام جرائم کے باوجود پولیس یا انتظامیہ مکھنا پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالتی تھی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ مکھنا پیر کے پاس ہزاروں موکل تھے، انہی کے ذریعے وہ اپنے آپ کو پہنچا ہوا پیر ظاہر کرنے کے لئے شعبدہ بازیاں کرتا رہتا تھا۔ ایک ایسا ہی واقعہ ملیاں میں 1998 میں ہوا تھا۔ جولائی 1998 کے سیالکوٹ کے مقامی اخبارات میں اس کی پوری تفصیل شائع ہوئی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب مکھنا نے نئی نئی طاقت پکڑی تھی، انہیں دنوں ملک وال میں ایک سخت گیر پولیس افسر آیا۔ اس نے جب علاقے میں جرائم کا جائزہ لیا تو مکھنا سب سے پہلے اس کی آنکھ کا کانٹا بنا۔ پولیس فورس تیار کی گئی اور مکھنا کے ڈیرے پر دھاوا بول دیا گیا۔ پولیس جب اس کے آستانے پر پہنچی تو مکھنا دس فٹ گہری قبر میں چلہ کاٹ رہا تھا۔ اس کے ملنگ قبر کے گرد بیٹھے بھنگ گھوٹنے اور چرس کے سوٹے مارنے میں مصروف تھے۔ وہ پولیس کو دیکھتے ہی نعرے لگانے لگے۔ پولیس انسپکٹر ان ملنگوں سے بہت سختی سے پیش آیا، سب کو ڈنڈے مار مار کر گرفتار کر لیا گیا۔ یہ انسپکٹر پیروں فقیروں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس نے جب مکھنا کے بارے میں پوچھا ملنگوں نے بتایا کہ وہ تو سو رہے ہیں۔ پولیس کے جوانوں نے پورے حجرے کی تلاشی لے ڈالی مگر مکھنا کہیں نہیں ملا۔ اس جھوٹ پر ملنگوں کی دوبارہ چھترول ہوئی تو انہوں نے انہوں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ پیر مکھنا سرکار بستر پر نہیں سوتے وہ تو زمین کے اندر سوتے ہیں۔ یہ ایک حیران کن جواب تھا جس پر انسپکٹر کے علاوہ دوسرے سپاہیوں نے بھی جواب دینے والے ملنگ کی دھلائی کر دی مگر مار کھانے والے ملنگ کا ایک ہی

Marfat.com

جواب تھا: سرکار تو ادھر اس محل میں سو رہی ہے۔ تم انہیں کہاں ڈھونڈو گے''۔ آخر کار پولیس انسپکٹر سوچنے لگا کہ کہیں ان ملنگوں نے کسی بات پر طیش میں آ کر مکھنا کو قتل کر کے قبر میں نہیں دفنا دیا، یہ سوچ کر وہ دوبارہ نرمی سے پوچھنے لگا کہ مکھنا کو کس نے قتل کیا ہے۔ اس پر ملنگوں نے ایک اور حیرت انگیز جواب دیا کہ ''سرکار تو اندر چلہ کاٹ رہے ہیں اور وہ آپ کی ساری حرکتیں دیکھ رہے ہیں۔ سرکار کو آج تیسواں روز ہے۔ چالیس روز تک انہیں اس قبر میں رہنا ہے اور پڑھائی کرنی ہے۔ اگر سرکار چالیس روز سے پہلے باہر آ گئے تو قیامت آ جائے گی''۔ تنگ آ کر پولیس والوں نے ملنگوں کو قبر کھودنے کا حکم دیا مگر کوئی بھی اس پر تیار نہیں تھا، ان کا کہنا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یہ گناہ نہیں کریں گے۔ ایک باریش سپاہی نے انہیں اچھی طرح ڈانٹ کر شرم بھی دلائی کہ، اوئے کیسا گناہ چرسیو۔ نہ نماز، نہ روزہ، نشے میں ہر وقت غرق رہتے ہو۔ خدا رسول ؐ کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے اور اپنے بے عمل مکھنا کے عذاب سے ڈرتے ہو۔ اس لیکچر کے بعد بھی کوئی ملنگ قبر کھودنے پر تیار نہیں ہوا تو پولیس کے سپاہیوں کو ہی قبر کھولنے کا حکم دیا گیا۔ سپاہی آستانے کے اندر سے بیلچے پھاوڑے وغیرہ لائے تو ملنگ دہائیاں دینے لگے۔ انسپکٹر نے ان کے ساتھ مل کر مٹی ہٹائی تو نیچے دو بڑے بڑے تختے رکھے ہوئے تھے وہ بھی ہٹائے گئے تو کافور کے جھونکے باہر نکلے۔ اندر مکھنا آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ موٹے دانوں کی تسبیح اس کے ہاتھوں میں تھی۔ پیروں میں موتیئے کے تازہ پھولوں کا ہار تھا۔ پاس ہی پانی سے بھرا ایک گھڑا پیالہ اور چند سوکھی روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ گڑھا دس فٹ گہرا تھا۔ زوال کا وقت قریب تھا۔ روشنی اتنی تھی کہ قبر میں رکھی ہر شے واضح نظر آ رہی تھی۔ پولیس والوں نے جب قبر میں مکھنا کو ٹھیک ٹھاک لیٹے ہوئے پایا تو قدرے پریشان ہو گئے۔ انہیں یقین نہ آیا کہ تیس روز سے قبر میں بند ایک شخص اتنا ترو تازہ بھی ہو سکتا ہے۔ قبر کی گرمی تو مردے کو ایک ہی دن میں پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔ پھر یہ بھی واضح نہیں تھا کہ مکھنا زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ انسپکٹر کچھ دیر مکھنا کی طرف دیکھتا رہا پھر زور بولا ''مکھنا باہر نکلو'' مکھنا نے کوئی حرکت نہیں کی تو دیگر سپاہیوں نے بھی آوازیں لگائیں مگر کچھ نہیں ہوا۔ آخر ایک مولوی ٹائپ کے حوالدار نے انسپکٹر سے کہا، سر لگتا ہے کہ

Marfat.com

ان ملنگوں نے اسے آج ہی دفنایا ہے، یہ مر چکا ہے۔ یہ کہنا اس حوالدار کی سب سے بڑی غلطی تھی، انسپکٹر نے اسے ہی قبر میں اتر کر مکھنا کی لاش باہر نکالنے کا حکم دے دیا۔ بہادری کا بھرم قائم رکھنے کے لئے وہ حولدار قبر کے کناروں پر ہاتھ رکھتے ہوئے نیچے کود تو گیا مگر اسی لمحہ مکھنا کے آستانے پر لگے برگد کے درخت پر ہلچل مچ گئی۔ سب نے خوفزدہ ہو کر اوپر دیکھا تو ان گنت چیل اور کوے برگد کے درخت سے اڑے اور بے قراری سے برگد کے گرد چکرانے لگے۔ مکھنا کی قبر اسی برگد کے نیچے تھی۔ حوالدار پر پرندوں کے شور سے سکتہ طاری ہو گیا۔ لہٰذا جب اس نے مکھن پیر کو پیروں کی طرف سے اٹھانا چاہا تو اس کے انداز میں قدرے نرمی اور مرعوبیت آچکی تھی۔ عین اسی لمحے برگد سے ایک سانپ سیدھا قبر میں لیٹے مکھنا کے سینے پر گرا اور کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ سانپ کو دیکھ کر پولیس والوں میں کھلبلی مچ گئی اور سب نے کھینچ کھانچ کر حوالدار کو باہر نکالا۔ ملنگ یہ دیکھ کر نعرے لگانے لگے، مار کھانے والا ایک ملنگ بولا: اب ہمارے مرشد کے قہر کو دیکھنا'' مگر انسپکٹر نے سنی ان سنی کر کے ایک سپاہی سے ڈنڈا لیا اور خود قبر میں کود گیا۔ اس نے جاتے ہی ڈنڈہ گھما کر سانپ کو مارنا چاہا مگر اسی وقت مکھنا نے پہلے آنکھیں کھولیں، پھر زور سے دھاڑا اور سینے پر بیٹھے سانپ کو مٹھی میں پکڑ کر لاٹھی کی ضرب سے بچا لیا۔ سارے پولیس والے بت بنے کھڑے تھے جب کہ ملنگ نعرے لگا رہے تھے، مکھنا نے سانپ کو چوما اور اوپر اچھالا تو وہ برگد کی شاخوں میں ہی کہیں الجھ کر غائب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ مکھنا نے اس کے بعد انسپکٹر کے سامنے اپنی کلائیاں کر دیں، اس کا کہنا تھا کہ وہ ہتھکڑی لگا کر اپنا شوق پورا کر لے، اس کے سامنے ہتھکڑیاں دھاگے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ یہ پتہ نہیں کہ انسپکٹر نے ہتھکڑیاں لگا کر اس کا دعوی چیک کیا یا نہیں مگر اس کے بعد انسپکٹر نے ملنگوں سے معافیاں مانگیں اور پھر وہ خود بھی مکھنا کا مرید ہو گیا۔ اس کے بعد سے مکھنا سائیں کے آستانے پر شب و روز چراغاں ہونے لگے، نوجوان نشیوں اور جرائم پیشہ ملنگوں کی فوج بڑھ گئی اور پولیس اس کچے راستے پر تنی گردنوں کی بجائے سرنگوں ہو کر سفر کرتی رہی۔ اسی بدمعاش مکھنا کے پاس مجھے شاہ صاحب نے بھیجا تھا کہ وہ مجھے موکلوں اور عملیات سے نجات دلا دے گا۔ مکھنا پیر کی حقیقت مجھے اچھی طرح

Marfat.com

معلوم ہو چکی تھی، وہ دراصل ایک عامل تھا اور اس کے قبضے میں موکل تھے، اس کے ڈیرے پر لگے برگد کے درخت پر ان موکلوں کا ٹھکانہ تھا، جب بھی کوئی یہاں گڑبڑ کرتا، اس کے موکل کبھی سانپ اور کبھی کسی شکل میں ظاہر ہو کر آ جاتے اور دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ وہ بہت پہنچا ہوا پیر ہے۔ قبر میں چالیس روز بند ہونے کا ڈرامہ بھی کچھ اسی طرح تھا، حقیقت یہ تھی کہ دس فٹ گہری اور چار فٹ چوڑی قبر میں ایک آدمی آسانی سے بیٹھ سکتا تھا، اندر بیٹھ کر اسے موکلوں کے ذریعے باہر کی دنیا کی تمام خبر ملتی رہتی تھی جب کہ کھانا پینا بھی وہ اپنے ساتھ ہی بند کر لیتا تھا، جادو ٹونے اور موکلات کو قابو میں کرنے والے عامل گندگی اور دیگر اشیا کو بھی اپنی غذا کا حصہ بنا لیتے ہیں لہذا قبر میں بند ہو کر چالیس روز گزارنا مشکل اس لئے نہیں ہوتا کہ موکل انہیں گندگی اور اس قسم کی دوسری غذا پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ قبر بالکل بند نہیں ہوتی بلکہ ہوا اندر جانے کا راستہ ہوتا ہے ورنہ عامل اندر ہی سانس گھٹ کر مر جائے۔ البتہ قبر کے اندھیرے میں چالیس روز تنہا گزارنا کافی مشکل کام ہے لیکن اس سے بھی مشکل کام کر کے موکل قابو میں کرتے اور جادو سیکھتے ہیں۔ جب میں ملکھنا پیر کے پاس پہنچا تو وہ بہت خوش تھا، اسے موکلوں کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا اور میرے موکل اور عملیات ملنے پر اس کی طاقت کئی گنا بڑھ جاتی، اس نے مجھے دیکھتے ہی ہاتھوں ہاتھ لیا اور حجرے میں لے گیا، سب سے پہلے ہم نے ایک مخصوص عمل کے ذریعے موکلوں اور عملیات کی منتقلی کی اور اس کے فوراً بعد میں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا، سید شاہ صاحب نے یہی ہدایت کی تھی کہ وہاں ضرورت سے زیادہ ایک منٹ بھی نہیں رکنا، واپسی میں، میں سارے راستے اپنے ارد گرد دیکھتا رہا مگر کوئی موکل نظر نہیں آیا، حالانکہ اس سے قبل ہر وقت ہر طرف میرے موکل موجود رہتے تھے۔
سید شاہ صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے تین دن اپنے پاس رکھا، اور دن بھر میں پڑھنے کے لئے کئی وظائف بتائے، ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، آخری سانس تک پانچ وقت نماز اور یہ وضائف نہیں چھوڑنا ورنہ اپنے نقصان کے ذمہ دار خود ہو گے۔ ایک ہفتے بعد جب میں اپنے گھر پہنچا تو منظر ہی بدلا ہوا تھا، گھر پر تالا تھا، اڑوس پڑوس اور جاننے والے مجھے دیکھتے ہی آ کر گلے ملتے اور اظہار ہمدردی کرتے، پتہ چلا کہ میری بیوی اب دنیا

Marfat.com

میں نہیں رہی، اس کا انتقال عین اس وقت ہوا جب میں اپنے موکل اور عملیات ملکھنا کے حوالے کر رہا تھا، کسی بھی موکل کو قابو کرتے وقت یہ قسم کھائی جاتی ہے کہ زندگی بھرا سے دوسروں کی غلامی سے بچایا جائے گا، جب میں نے یہ قسم توڑی تو میرے موکل ملکھنا کی غلامی میں جانے سے قبل میری بیوی کی گردن مروڑ گئے۔ بیوی بچوں سے ہاتھ دھونے کے بعد زندگی میں کچھ مزا تو نہیں رہا تھا مگر موت سے بھی خوف آتا تھا، چند ہفتے میں گوجرانوالہ میں رہا پھر لاہور چلا آیا اور وہاں سے کراچی میں اپنے ایک دوست کے پاس شیر شاہ چلا آیا، اوراس کے بعد کبھی پلٹ کر نہیں گیا۔'' صوفی بشیر نے اپنی داستان ختم کی تو رات کافی بیت چکی تھی، ہم باہر نکلے تو گلیوں میں سناٹا تھا۔ بشیر کباڑئے کی کہانی کا اثر اس قدر تھا کہ اس پوری رات ہم اپنے سائے سے بھی بدکتے رہے، ملگجے اندھیرے میں دور سے کوئی ہیولہ سا آتا دکھائی دیتا تو کسی موکل کا گمان ہوتا، سونے لیٹے تو خواب میں بھی ملکھنا پیر کا برگد کا درخت اور ملنگ نظر آتے رہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مکلی کا قبرستان کالے جادوگروں کا مسکن

نصف شب کے وقت گھپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، جھینگروں کی تیز آوازوں کے درمیان جب کبھی کہیں دور کوئی کتا خوفناک آواز میں روتا تو پہلے سے پر اسرار ماحول مزید خوفناک ہو جاتا ایسے میں پتہ بھی کھڑکتا تو دل کی دھڑکنیں خوف کی وجہ سے خود بخود بے ترتیب ہو جاتیں ہم لوگ مکلی کے قدیم قبرستان میں کوئی دو کلومیٹر اندر کی طرف قبروں کے درمیاں اندازے سے راستہ بناتے ہوئے چل رہے تھے، پولیس کا سالخوردہ اور کمزور دل سپاہی بار بار کندھے سے نیچے کی طرف سرکنے والی رائفل کو دوبارہ سے اوپر کی طرف دھکیلتا اور ہم سے کہتا تھا ''سردار و کی خیر ہو سائیں کچھ بھی نہیں ہے یہاں پر آپ کو شک ہوا ہے، اب مردے تو قبر سے باہر نکل کر گھومنے سے رہے اور کوئی زندہ تو اس وقت یہاں کا رخ کرنے سے رہا، تو جی واپس چلیں؟'' جس وقت قبرستان کے مرکزی گیٹ سے اندر داخل ہوتے وقت اس سپاہی کو ہم نے ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا تو وہاں موجود قبرستان کے چوکیدار اور پولیس اہلکار ہمیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ہمارا دماغ خراب ہو گیا ہو مگر ٹھٹھہ کے معروف صحافی کی موجودگی کی وجہ سے وہ بات ٹال بھی نہیں سکتے تھے اس کے باوجود سپاہی نے چلنے میں اتنی تاخیر ضرور کی کہ اگر کوئی واقعی قبرستان میں موجود بھی ہو تو ہمارے وہاں پہنچنے تک چلا جائے، سپاہی کا کہنا درست ثابت ہوا، رات کے اندھیرے میں ہر طرف کھڑے، عمارت نما مقبروں سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی اچانک باہر نکل آئے گا، تقریبا دو

Marfat.com

کلو میٹر اندر کی طرف آنے کے بعد جب ہم لوگ واپڈا کے پاور ہاؤس کے قریب پہنچے تو ٹھٹھک کر رہ گئے، سامنے بالکل وہی منظر تھا جس کے بارے میں ہمیں حسین احمد نے بتایا تھا، اندھیرے میں ٹھیک سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ دو افراد تھے یا اس سے زیادہ تھے مگر ان کی حرکات و سکنات سے اتنا پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک سے زائد ہیں، وہ یا تو کسی قبر کو کھود رہے تھے یا پھر واپس بند کر رہے تھے ہمارے قدموں کی آوازیں سن کر وہ بھی چونک اٹھے اور ہماری طرف دیکھنے لگے، آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے کچھ قابل ہو چکی تھیں، کچھ دور بلندی پر جام نظام الدین عرب جام نندہ کا پانچ سو سال قدیم، کئی منزلہ عمارت نما مقبرہ صاف نظر تو نہیں آرہا تھا مگر محسوس ہوتا تھا کہ کوئی دیو قامت چیز بلندی سے ہمیں گھور رہی ہے، یہ عین وہی جگہ تھی جہاں فرانسیسی فلورنس کے ساتھ بھی کچھ عرصہ قبل ہی ایک حادثہ ہوا تھا، فرانس سے تعلق رکھنے والی اس عورت کے بارے میں کئی کہانیاں مکلی میں گردش کرتی ہیں، وہ بھی صبح سویرے اور رات گئے قبرستان میں نجانے کیا کھوجتی رہتی تھی، اس کی رہائش کبھی ایک مزار پر ہوتی اور کبھی دوسرے پر۔ رات میں بھی تصویر بنانے والا قیمتی کیمرہ اس کے پاس تھا وہ ہر اس چیز کی تصویر بنا لیتی جو اسے نئی لگتی، یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ مختلف مجاوروں اور مشتبہ لوگوں کے ساتھ چرس کے سوٹے لگا لیتی تھی اور بھنگ کے پیالے بھی چڑھا جاتی تھی، گو کہ اس کی پی ایچ ڈی کا سبجیکٹ، صوفی ازم تھا مگر وہ عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر آنے والے جن زدہ لوگوں اور قبرستان میں مختلف مزاروں پر موجود، کالا جادو اتارنے کے دعویداروں میں زیادہ دلچسپی لیتی تھی، مکلی کے چوکیدار، ملنگ اور نجانے کون کون، سب اس سے اچھی طرح واقف تھے،

ایک روز جب وہ شام ڈھلے، جام نندہ کے کئی منزلہ عمارت نما مقبرہ کے قریب، پہاڑی کے نیچے، کسی تازہ کھودی گئی قبر کی تصویریں بنا رہی تھی کہ کچھ نقاب پوشوں نے اس سے سب کچھ چھین لیا، اس کا بیگ، جس میں اس کے بقول، رقم اور نوٹ بک تھی اور اس کا قیمتی کیمرہ جس میں بہت سی تصویریں تھیں باقی تصویریں اس کے بیگ میں تھیں، راہزن اس کا یہ اثاثہ چھین کر لے گئے اور پھر کسی کو بھی کبھی ان چیزوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کہاں

Marfat.com

گئیں، جو کہانی میڈیا میں آئی اور پولیس نے سنائی وہ یہ تھی کہ چور اس کا قیمتی سامان چھیننے کے چکر میں اس کا تحقیقی کام بھی چھین کر لے گئے اور پھر بات بڑھنے پر یہ سب ضائع کر دیا، مگر جو کہانی منظر عام پر نہیں آسکی وہ یہ تھی کہ فلورنس نے کچھ ایسی تصویریں بنالی تھیں جو کالا علم کرنے والے جادوگروں کی سرگرمیوں پر مشتمل تھیں، فلورنس عرصے سے مکلی میں مقیم تو تھی ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسے وقتوں میں بھی 15 کلومیٹر طویل اور 500 سو سال سے زائد قدیم قبرستان میں گھومتی رہتی تھی جب یہاں دنیا سے اوجھل سرگرمیاں عروج پر ہوتی ہیں، اس نے ایسی تصویریں نا صرف بنائیں بلکہ ان کا تذکرہ بھی چند لوگوں سے کیا، عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر جہاں وہ زیادہ وقت گزارا کرتی تھی، چند لوگ اس بات کا تذکرہ ڈھکے چھپے الفاظ میں کرتے ہیں کہ اس کا بیگ چرانے کی کئی کوششیں مزار پر بھی ہوئیں، سب لوگوں کا خیال یہ تھا کہ فلورنس نصف پاگل ہے، چوں کہ مقامی پولیس کو بھی فلورنس کے بارے میں علم تھا اور اس کی یہی داستان یہاں بھی مشہور تھی کہ وہ نصف پاگل ہے، شاید اسی وجہ سے جب اس نے تھانے میں اپنے سامان کی ریکوری کے لئے دھرنا دیا تو اس کی تواضع ''معمول'' کے مطابق ہوئی، حقیقت جو بھی ہو وہ اپنے سامان کی طرف سے بہت ہوشیار رہا کرتی تھی اور اگر لیٹ کر آرام بھی کرتی تو اس کا بیگ فلورنس سے چمٹا رہتا تھا، بیگ چرانے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اسے عین اس جگہ پر چھین لیا گیا جہاں ہم نصف رات کے وقت پولیس کے ایک سپاہی کے ساتھ کھڑے تھے اور ہماری نظروں کے سامنے کچھ لوگ ایک قبر کو یا تو کھود رہے تھے یا پھر بند کر رہے تھے پولیس کے سپاہی کے پاس ٹارچ تھی اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا ''کون ہے'' اور اس کے ساتھ ہی ٹارچ سے روشنی بھی ان پر پھینکی تو وہ لوگ بھاگنے لگے مگر عباس نے چھلانگ مار کر ایک کو دبوچ لیا باقی لوگ بھاگنے میں کامیاب رہے، عباس نے جس کو دبوچا تھا وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے کافی دیر تک زور لگاتا رہا مگر پٹھان بچے کی گرفت سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا، اب تک سہما ہوا سپاہی بھی یہ یقین کر لینے کے بعد کہ جس کو ہم نے پکڑا ہے وہ کوئی جن بھوت

Marfat.com

نہیں ہے، اب کافی بہادری کا مظاہرہ کرنے لگا، معلوم نہیں کس نے ''ملزم'' کو کتنے تھپڑ مارے مگر شاید سب نے اس میں حصہ ضرور لیا، جس کو ہم نے پکڑا تھا اس نے مار کھانے کے بعد بتایا کہ وہ یہاں ایک قبر پر چلہ کاٹ رہا ہے ہم نے اس میں مداخلت کر کے اچھا نہیں کیا، اس کی عجیب شکل تھی، گلے میں کئی مالائیں، ہاتھوں میں کڑے اور جسم سے اٹھتے بدبو کے بھبکے، اس جادوگر کی بات سن کر سب پر خوف طاری ہوگیا، ادھڑی قبریں، بکھری انسانی ہڈیاں، مقامی لوگوں میں گردش کرتی، کالے جادوگروں کی کہانیاں اور تواتر سے یہاں رونما ہونے والے پراسرار واقعات ہم سے پوشیدہ نہیں تھے، پانچ سو سال قدیم مقبرے جو پیچیدہ راستوں، درجنوں برآمدوں، خفیہ کمروں اور پوشیدہ راستوں پر مشتمل پوری پوری عمارتیں ہیں، ایسے کاموں کے لئے انتہائی سازگار ہیں، ہم میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں تھا کہ وہ کالے جادوگروں کو پکڑے گا اور ان کی دھنائی کرے گا، یہاں نصف شب کو آنے کا مقصد تو قیمتی پتھروں کو چرانے والے گروہ کا سراغ لگانا تھا مگر یہاں سابقہ کسی اور سے ہی پڑ گیا، قدیم قبروں سے تراشے ہوئے قیمتی پتھر چرانے کا کام یہاں عرصے سے جاری ہے مگر یہ کام قدیم قبروں میں ہوتا ہے اور عموماً غیر ملکی سیاح ان چیزوں کے گاہک ہوتے ہیں، انہیں کوئی قبر، کوئی کتبہ یا کوئی پتھر پسند آتا ہے تو وہ اپنے گائیڈ کے ذریعے یا بعض اوقات خود ہی اس کا سودا کر لیتے ہیں، ٹھٹھہ کے مقامی صحافی عباس نے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ نگرانی پر مامور محکمے کے افراد خود یہ کام کرتے ہیں، کوئی بھی انہیں معقول رقم ادا کرے اور وہ متعلقہ پتھر، قبر یا کتبہ اس کی گاڑی میں رکھ دیں گے، اکثر ایسا ہوا کہ کوئی ''گورا'' آیا، اسے کوئی قدیم چھوٹی قبر پسند آگئی، اس نے سوڈا کر دیئے اور چند گھنٹو بعد یا چند دنوں بعد وہ قبر اس کی گاڑی میں رکھ دی گئی، انہی پتھر چوروں کی تلاش، ہمیں رات کو قبرستان لے آئی تھی مگر یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ مکلی کے قبرستان میں تقریباً چار پانچ کلومیٹر اندر کی طرف آئیں ایک طرف نشیب میں واپڈا کا پاور ہاؤس بنا ہوا ہے، اسی کے قریب ایک گاؤں، حسین گوٹھ، بھی آباد ہے، اس گوٹھ کا ایک رہائشی محمد حسین کو اپنی کاروباری سلسلے میں ہفتے میں ایک بار، رات گئے،

Marfat.com

اپنی گدھا گاڑی پر مکلی کے قبرستان سے گزر کر اپنے گوٹھ تک جانا پڑتا ہے، اسی نے عباس کو بتایا تھا کہ رات کے وقت وہ جب قبرستان سے گزرتا ہے تو اسے کچھ لوگ پراسرار سرگرمیوں میں مصروف محسوس ہوتے ہیں، گو کہ کبھی کوئی سامنے نظر نہیں آیا مگر گدھا گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ اور محمد حسین کی گنگناہٹ کی وجہ سے جو کوئی بھی ہوتا وہ چھپ جاتا مگر اس کی دیہاتی حس اسے یہ احساس ضرور دلاتی کہ کوئی یہاں پر موجود تھا جو اسے دیکھ کر چھپ گیا ہے، اسی نے فون پر ٹھٹھہ کے معروف صحافی عباس کو بتایا تھا کہ رات کو دیر گئے جب وہ قبرستان سے گزرتا ہے تو کچھ لوگ پراسرار سرگرمیوں میں مصروف ہوتے ہیں ایسا کئی بار ہو چکا ہے، عباس نے اسے کہا کہ اگر آئندہ کبھی ایسا ہو تو اسے فون پر بتا دینا اور اس روز قبرستان میں ہماری موجودگی کا سبب وہی فون تھا، حسین نے فون کر کے کہا تھا کہ کچھ لوگ جام نندہ کے مقبرے کی عمارت کے قریب نشیب میں بنی قبروں کے پاس موجود ہیں، عباس نے فوراً قبرستان پہنچنے کا فیصلہ کیا، گیٹ پر موجود چوکیدار اونگھ رہے تھے جب کہ ایک سپاہی بھی کسی کونے میں چھپا بیٹھا تھا، بے وقت آمد پر سب نے دل میں ضرور سخت وست کہا ہوگا مگر بظاہر وہ چائے پینے کی پیشکش کرنے لگے مگر عباس کا ان سے اصرار یہی تھا کہ پولیس کا سپاہی اس کے ساتھ قبرستان میں چلے جہاں کچھ پراسرار لوگ موجود ہیں، شاید وہ قبروں سے کچھ چرا رہے ہیں، یہ سن کر چوکیداروں کے ہاتھ پیر پھول گئے اور آدھ سویا سپاہی اچھل کر رہ گیا کیوں کہ ساتھ چلنے کے سلسلے میں اسی کا نام لیا جا رہا تھا، بہت بحث مباحثہ کے بعد وہ چلنے پر راضی ہوا مگر پھر بھی اس نے کافی دیر لگا دی، سب کا مشورہ یہ تھا یہ رات کے اس وقت گھر جا کر سونا ہی بہتر ہے نا کہ پانچ سو سالہ قدیم قبرستان میں موجود پراسرار لوگوں کا پیچھا کرنا، طوہاً و کرہاً مطلوبہ جگہ پر پہنچے تو واقعی لوگ موجود تھے، عباس نے بہادری کا مظاہرہ کر کے ایک کو پکڑ بھی لیا مگر حیرت اس بات پر تھی کہ وہ واقعی پتھر چرانے والا نہیں تھا، کیوں کہ اس جگہ پر کوئی ایسی قابل ذکر، قدیم قبر موجود نہیں جہاں کوئی قیمتی پتھر موجود ہو، بلکہ قرب و جوار میں موجود ایسی تمام قبریں اب کھنڈر کی صورت میں ہی رہ گئیں ہیں، ان سے جو کچھ نوچا جا سکتا تھا وہ نوچا جا چکا ہے البتہ

Marfat.com

یہاں اگر کوئی ''پرکشش'' چیز موجود ہے تو وہ تازہ قبریں ہیں، شاید آپ کو تازہ قبروں کے بارے میں لفظ ''پرکشش'' پڑھ کر حیرت ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ جس طرح پتھر چوروں کے لئے مکلی کی قدیم قبریں پرکشش ہیں، اسی طرح کالا جادو کرنے یا بہت سے عاملوں کے بقول، کالے جادہ کا توڑ کرنے کے لئے مردہ انسانوں کی ہڈیوں اور باقیات کی ضرورت پڑتی ہے جو ظاہر ہے کہ تازہ قبروں سے ہی دستیاب ہوسکتی ہیں اس لئے ایسے لوگ پانچ دس سال پرانی قبروں کے گرد ہی پائے جاتے ہیں، جسے ہم نے پکڑا تھا وہ بھی ایسی ہی جگہ پر تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ نوچندی کی ایک ایسی خوفناک رات تھی کہ جھینگر بھی خاموشی سے کہیں دبکے ہوئے تھے ،مکلی کا قبرستان اپنی روایتی پراسراریت کے لبادے میں لپٹا ہوا تھا ہیبت ناک سناٹے کو توڑنے والی اگر کوئی آواز تھی تو وہ قبرستان کے ایک کونے میں بنے عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار سے بلند ہونے والی قوالی آواز تھی جو کبھی کبھار ہوا کی لہروں پر ہلکورے بھرتی ،قبرستان میں بکھرے ویران مقبروں اور ادھڑی قبروں سے سر پھٹول کرتی رہتی اس طرح کڑیل نوجوان داروخان کے ساتھ اس قبرستان میں کیا ہوا، کسی کو کبھی معلوم نہیں چل سکا، اس کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ایسا نوجوان تھا جس کی ابھی مسیں ہی بمشکل بھیگی تھیں، میلوں ٹھیلوں میں جا کر زندگی انجوائے کرنا اس کا معمول تھا اور اسی کے تحت وہ نوچندی کی اس خوفناک رات میں مکلی کے قبرستان جا نکلا تا کہ قبرستان میں بنے عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر جنات کی حاضری اور قوالی سے لطف اندوز ہو سکے مگر اس رات ، داروخان پورے ٹھٹھ کے لئے ایک ایسی لرزہ خیز داستان بن گیا کہ جو اس سے قبل کبھی نہیں سنی گئی تھی، رات کو مزار پر جانے والا زندہ داروخان صبح ،ادھڑی ہوئی لاش کی صورت میں ایک ایسے مقبرے سے ملا جو خود اسرار کے پردوں میں لپٹا ہوا ہے، پانچ سو سال قدیم

Marfat.com

اس مقبرے کو مکمل عمارت کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا، دن کے وقت بھی جب ہم اس عمارت نما مقبرے کا اندر سے جائزہ لے رہے تھے تو خوامخواہ کا خوف سا بدن پر طاری تھا۔ صدیوں پرانے اس قبرستان میں نوچندی کی صرف وہی ایک رات ایسی لرزہ خیز نہیں تھی بلکہ یہاں نوچندی کی ہر رات ایسی ہی ہولناک ہوتی ہے، اس رات قبرستان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی بظاہر کوئی توجیہہ دینے سے ذہن قاصر ہے، یہاں کا ہر مزار، ہر مقبرہ اسرار کے اتنے پردوں میں لپٹا ہوا کہ جتنے پردے بھی ہٹائیں جائیں اندر سے تازہ غلاف نکلتے چلے آتے ہیں، مزاروں پر سالوں سے بیٹھے آسیب زدہ لوگ، عجیب وغریب حلیوں والے ملنگ اور خوف زدہ کرنے والے درخت، اپنے اندر علیحدہ علیحدہ کہانیاں سموئے ہوئے ہیں۔

اس قبرستان تک پہلی مرتبہ تو کسی اور ہی وجہ سے آنا ہوا تھا مگر یہاں کے معروف صحافی عباس کی توجہ دلانے پر کچھ اور ہی مصروفیات شروع ہو گئیں، اس کے بعد مکلی کے قبرستان کئی مرتبہ آنا پڑا بعض اوقات عباس بھی ہمراہ تھے اور بعض مرتبہ بالکل تنہا۔ یہاں پر کئی راتیں بھی گزاریں اور مختلف مزاروں پر گزارے وقت کی وجہ سے ملنگوں، مجاوروں اور آسیب زدہ لوگوں سے رابطے بھی استوار ہوئے، ان کی کہانیاں سمجھ سے ماورا ہیں، کالے جادو اور ایسے عمل کرنے والوں کی اس قبرستان میں سرگرمیوں کی حقیقت اپنی جگہ پر مگر اس کے علاوہ بھی جنات کی حاضری، پراسرار قتل اور بیری کے درخت کے نیچے اور اوپر بیٹھے کوئے، بلیاں اور سیاہ کتوں جیسی چیزوں کی حقیقت اب بھی نا قابل سمجھ ہیں، وہاں موجود ملنگ ان کے بارے میں یا تو کچھ بتاتے ہی نہیں اور اگر بتاتے بھی ہیں تو ایسی باتیں جو یقین کی حدوں کے دوسری طرف ہوں۔ کالا جادو کرنے والے جس شخص کو نصف شب کے وقت ہم لوگوں نے پکڑا تھا وہ بھی ایک معمہ بن کر رہ گیا، اس روز رات زیادہ ہونے کی وجہ سے ہم نے چوروں کے کنویں کے پاس آ کر اپنا راستہ الگ کر لیا تھا، صدیوں پرانے اس کنویں کے بارے میں کسی کو بھی نہیں معلوم کہ یہ کس نے بنایا اور کیوں بنایا مگر اپنی عجیب ہیئت، پراسرار واقعات اور رات کو یہاں سے آنے والی خوفناک آوازوں کی وجہ سے یہ اب چوروں کے کنویں کے نام سے مشہور ہے، اس کے دونوں طرف صدیوں پرانی قبریں اور

Marfat.com

خفیہ کمروں اور خانوں والے مقبرے ہیں، اوپر سے جھانک کر دیکھیں تو بڑے قطر کے اس کنویں کی تہہ نظر نہیں آئی بلکہ دیواروں میں بنے کمرے نظر آتے ہیں جب کہ کہیں کہیں اچانک کنویں کی دیواروں سے سیڑھیاں بھی جھانکتی نظر آتی ہیں، یہ سیڑھیاں ان کمروں تک جانے کے لئے بنائی گئی ہیں جو کنویں کے اندر بنے ہوئے ہیں، پرانے لوگوں کا کہنا ہے کہ در اصل یہ کنواں ایک بڑا جیل خانہ تھا جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کو قید کیا جاتا تھا اور قید کئے جانے والے یہیں پر سسک سسک کر جان دے دیتے تھے اور اب بھی ان زیر زمین کمروں میں ایسی باقیات موجود ہوں گی جو اس بات کی گواہی دیں، مگر یہ گواہی لینے کے لئے کوئی بھی سینکڑوں فٹ گہرے ایسے اندھے کنویں میں جانے کو تیار نہیں ہوتا جہاں سے رات کے وقت خوفناک آوازیں آتی ہیں آتی ہیں البتہ کالے علم کے ایک ماہر کا یہ کہنا ہے کہ، مذکورہ کنواں چلہ کاٹنے کی بہترین جگہ ہے، رات کے وقت جب ہم لوگ اس کنویں کے پاس پہنچے تو پولیس کا سپاہی گرفتار شخص کو لے کر سامنے موجود چوکیداروں کے پاس چلا گیا اور ہم لوگ واپس شہر لوٹ آئے، خیال تھا کہ رات اس سے تھانے میں تفتیش وغیرہ ہوگی اور صبح ہم اس کا پتہ کرلیں گے مگر دوسرے دن مکلی کے تھانے میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا، دو کمروں پر مشتمل کھنڈر نما تھانے میں دو تھکے ہوئے سپاہی اور ایک ہیڈ محرر، قدیم زمانے کی میز پر میلا کچیلا رجسٹر سجائے بیٹھا تھا، سب نے عباس کو دیکھتے ہی کھڑے ہو کر سلام کیا اور خود کھڑے ہو کر محدود کرسیوں پر ہمیں بٹھا دیا، تھانے کے رجسٹر کے مطابق سب کچھ معمول کے مطابق تھا، نا کوئی جرم تھا نہ کوئی مجرم، ہر طرف امن و آشتی تھی اور سب لوگ خوش تھے، رات کو پکڑے جانے والا ملزم نجانے کہاں گیا تھا مگر تھانے میں نہیں تھا، ان کا کہنا تھا کہ وہ تھانے تک پہنچا ہی نہیں، فلورنس کے علاوہ کبھی مکلی کے قبرستان کے حوالے سے کوئی شکایت آئی ہی نہیں، ایک سپاہی نے حتی الامکان اپنی آواز کو خوشگوار بناتے ہوئے ایک خوفناک سا قہقہہ لگایا اور بولا: سائیں! کیا قبرستان میں مردے باہر نکل کر جرم کریں گے؟ مردے تو باہر نہیں نکل سکتے، ہاں نہ" مایوس ہو کر جب ہم وہاں سے باہر نکل رہے تھے تو مخنا سا ہیڈ محرر ہمیں چائے کے لئے روکنے کی کوشش کر رہا تھا، شام کے وقت قبرستان کے گیٹ پر موجود

Marfat.com

وہ سپاہی ہمیں دیکھ کر آنکھیں چرانے لگا، جورات کو ساتھ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ سائیں چھوڑو، ایک چھوٹی سی غلط فہمی ہوگئی تھی ہم لوگوں سے وہ تو، وہ تو علم والے سائیں لوگ تھے، ہم اسے چور سمجھ کر پکڑ لائے، معافی تلافی کر کے ہم نے یہیں سے جانے دیا ورنہ بات آگے بڑھ جاتی، رات کو کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہی اس طرح سے قبرستان میں صحیح سلامت رہ سکتا ہے ورنہ دوسری مخلوق اسے مار ڈالے۔ باقی چوکیدار اور لوگ بھی سمجھانے لگے کہ ایسے معاملات میں پڑنا بے وقوفی ہی ہے، جس نے جو کرنا ہے وہ تو کرے گا، اگر سرکار ان لوگوں کو نہیں روک سکتی تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ایسے خطرات میں ہاتھ ڈالیں، یہی بات مجھے پستہ قد کے ایک موٹے سے ملنگ نے بھی کہی تھی جو قبرستان کے آخری کونے میں جھاڑیوں میں گھری چوتھی زیارت، لٹر ملا مولانا کے مزار کے قریب ہی ایک اور مزار پر ملا تھا، یہ مزار عجیب تھا، جھاڑوں اور آک کے پودوں میں گھری چھوٹی سی پگڈنڈی اس مزار تک آتی ہے جہاں ایک مزار اور اس کے ساتھ دو کچے کمرے بنے ہوئے ہیں، چادروں کی چھت والے ایک کمرے میں اسپلٹ ایئر کنڈیشن چل رہا تھا اور موسیقی کی ہلکی آوازیں بھی ابھر رہی تھیں، کمرے کے دروازے کے ساتھ ہی بیری ایک ایک بڑا سا درخت لگا ہوا تھا جس کے نیچے تین چار بالکل سیاہ کتے بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ ہی دو کالی بلیاں بھی کھڑی مجھے گھور رہی تھی، مغرب کی اذان کے بعد ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل چکا تھا اور مجھے واپسی کا راستہ نہیں مل رہا تھا، میں نے اس کمرے کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی جہاں سے موسیقی کی صورت زندگی کے کچھ آثار ابھر رہے تو ایک کالا کتا جارحانہ انداز میں کھڑا ہو کر گھورنے لگا، قد و قامت کے علاوہ بھی کتے کا رنگ اور آنکھیں خوف زدہ کرنے کے لئے کافی تھی پھر مغرب کے بعد تھوڑے اندھیرے نے بھی ماحول کو کم از کم تنہا آدمی کے لئے کافی سے زیادہ خوف ناک بنا رکھا تھا، میں نے دفاع کے لئے زمین پر پڑے ایک دو پتھر اٹھائے اور کتوں کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ بیری کے درخت پر ایک دم ہلچل مچ گئی ایسا لگا کہ تیز ہوا کے جھکڑ نے درخت کو ہلا کر رکھ دیا ہو، اتنے میں کمرے سے وہی پستہ قد ملنگ بھی باہر نکل آیا، کئی کلومیٹر رقبے پر پھیلے مردوں کے اس شہر میں اس وقت ایک زندہ کو دیکھ کر کافی

Marfat.com

حوصلہ ہوا، اسے دیکھ کر کتا بھی اپنی جگہ پر پہلے کی طرح سر نیچے ڈال کر بیٹھ گیا، میں ملنگ کے پاس گیا تو اس کے کپڑوں سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے، وہ انگلی سے مزار کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ادھر جا کر فاتحہ پڑھو، میں نے اس سے راستہ پوچھا اور پھر کتوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ کہیں یہ جاتے ہوئے عقب سے حملہ تو نہیں کریں گے، اس پر اس نے کہا تھا" سائیں! ایک جسمانی بیماری ہوتی ہے اور ایک روحانی بیماری۔ جسمانی بیماری کا علاج ہر جگہ سے ہو جاتا ہے اور اس کا پتہ بھی چل جاتا ہے مگر روحانی بیماری لگ جائے تو پھر لوگ مارے مارے پھرتے ہیں، کوئی کسی دربار کا کتا بن جاتا ہے اور کوئی کسی بزرگ کے در پر بیٹھ جاتا ہے، ہزار مخلوق ہے، کسی کو تنگ نہ کرو تو کوئی کسی کو کیوں تنگ کرے گا، یہ باتیں کھڑے کھڑے نہیں سمجھ آتیں، ان بزرگوں کے پاس بیٹھو تو پتہ چلے، یہاں وقت گزارو سائیں، چھیڑ چھاڑ مت کرو"

ملنگ کی بات سننے کے بعد میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اور موبائل ٹارچ کی روشنی میں اندازے سے عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار کی طرف سفر کرتے ہوئے میر باقی بیگ کے مقبرے کی طرف جا نکلا، مقبرے پر لگے آثار قدیمہ کے کتبے کو دیکھ کر پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی، یہ عین وہی جگہ تھی جہاں داروخان کی ادھڑی ہوئی لاش پائی گئی تھی، میر باقی بیگ کا مقبرہ کئی کمروں اور قبروں پر مشتمل ہے، ہر چار دیواری کے اندر داخل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے اور پھر بھول بھلیوں کے انداز میں راستہ مختلف کمروں تک جاتے ہیں۔ ہر کمرے میں مختلف طاقچے اور ایسے خانے ہیں جو بغور دیکھے بغیر نظر نہیں آتے، داروخان کا خاندان عرصے سے ٹھٹھہ میں آباد ہے اور ہوٹل کے کاروبار سے وابستہ، داروخان ایک جمعرات، عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر جنات کی حاضری اور قوالی دیکھنے آیا تھا مگر اگلے دن سترہ سالہ لڑکے کی لاش میر باقی بیگ کے مقبرے کے ایک کمرے سے ملی، جسم کئی جگہ سے ادھڑا ہوا تھا، عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار اور میر باقی بیگ کے مقبرے کے درمیان کوئی نصف کلومیٹر کا فاصلہ تو ہوگا مگر یہ معمہ کبھی حل نہیں ہو سکا کہ داروخان آخر کس وجہ سے میر باقی کے مقبرے تک آیا اور وہاں کون تھا جس نے اس مار ڈالا، اب سب کو بس اتنا ہی یاد رہ گیا

Marfat.com

ہے کہ وہ نو چندی کی گھور اندھیری رات تھی، اور ایسی ہی راتوں میں کالے جادوگر اپنی کمین گاہوں سے نکل کر قبرستانوں میں چلے کاٹنے اور عملیات کرنے جاتے ہیں، میں بھی رات گئے اسی مقبرے کے پاس خوف کے عالم میں کھڑا تھا، موبائل کی ٹارچ مسلسل جلنے کی وجہ سے بیٹری اختتام پر تھی اور مجھے نصف کلومیٹر کا مزید سفر قبرستان کے اندر کر کے شاہ اصحابی کے مزار تک جانا تھا جہاں کراچی کے علاقے موسی لین سے تعلق رکھنے والے ملنگ محمد قیوم سے ملاقات طے تھی، دن میں اس سے ملاقات کے وقت میں نے اسے بتا دیا تھا کہ رات کو اسی کے پاس رہوں گا اور گپ شپ رہے گی۔

☆☆☆☆☆

مدقوق چہرے، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں اور زرد چہرے سے وہ کسی بھی طور زندہ نہیں لگتا تھا، باتیں کرتے کرتے بھی اچانک ایسا لگتا تھا کہ وہ کہیں کھو گیا ہے، ارد گرد بکھری درجنوں قبروں پر کسی نے کافی ساری اگر بتیاں جلا رکھی تھیں مگر پھر بھی اس سے ایسی تیز بد بو کے بھبکے اٹھ رہے تھے کہ شروع کے چند منٹوں تک تو سانس بھی لینا دشوار محسوس ہوتا تھا، بات کرتے کرتے وہ اپنا منہ بالکل قریب لے آتا تو بد بو کی وجہ سے ابکائی سی آتی مگر میں ان قبروں کے درمیان، اس کے ساتھ بیٹھنے پر مجبور تھا، کافی رات گزرنے کی وجہ سے ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا جب کہ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے مزار کی بتیاں بھی بجھی ہوئی تھیں، کسی نے قبروں کے درمیان بنے ایک خانے میں دیئے جلا رکھے تھے جن کی مدھم سی روشنی میں رات گئے میں لیاری کے علاقے موسی لین سے تعلق رکھنے والے آسیب زدہ ملنگ عبدالقیوم کی اذیت ناک کہانی سن رہا تھا، اندر برآمدوں سے اچانک کوئی نسوانی چیخ ابھرتی تو عبدالقیوم پریشان ہو کر اندر کی طرف دیکھتا اور پھر کسی چیز کو زور زور سے کوٹنے کی آوازیں ابھرنا شروع ہو جاتیں، گو کہ ٹھٹھہ سے تعلق رکھنے والے صحافی عباس نے مجھے پہلے ہی یہ بات بتا دی تھی کہ یہاں مزار پر ڈیرے ڈالے لوگوں کی اکثریت آسیب زدہ ہے اور وہ طویل عرصے تک یہاں

Marfat.com

پر مقیم رہتے ہیں اور پھر ایک دن سب کو یہاں سے جانا ہوتا ہے، کوئی اپنے گھر چلا جاتا ہے کوئی کسی دوسرے مزار کورخ کرتا ہے اور کوئی اسی مزار کے قرب و جوار میں ہی کہیں کسی قبر کا مستقل مکین بن جاتا ہے، مکلی کے قبرستان میں واقع عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار کے اطراف میں بنی قبروں کے درمیان جو رات میں نے آسیب زدہ ملنگ عبدالقیوم کے ساتھ گزاری، اس رات مزار کے برآمدے میں ایک آسیب زدہ نوجوان خاتون بھی موجود تھی، رات بھر اس کی ہولناک چیخیں ابھرتی رہیں، کبھی وہ لوہے کے ان بکسوں کو اپنے ہاتھوں سے کوٹنا شروع ہو جاتی جو چندہ ڈالنے کے لئے نصب کئے گئے تھے اور کبھی وہ چلانا شروع کر دیتی، باقی لوگ قبروں کے درمیان ادھر ادھر بکھرے سوئے ہوئے تھے کچھ قبروں سے عجیب انداز میں لپٹے ہوئے تھے، شروع میں مجھے بھی اس آسیب زدہ خاتون سے کافی خوف محسوس ہوا، اس کی چیخیں رات سے سناٹے میں کافی خوفناک محسوس ہوتی تھیں مگر بعد میں جب یہ معمول کا حصہ بن گئیں تو میں اٹھ کر اندر کی طرف گیا تا کہ اسے دیکھ سکوں، وہ دروازے کے قریب ہی بال بکھرائے، وحشت ناک انداز میں آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی، مجھے دیکھتے ہی ایکدم میری طرف لپکی تو میں غیر ارادی طور پر چیختا ہوا باہر کی طرف بھاگا، راستے میں ہوئے کسی آسیب زدہ کی ٹانگ سے یا پھر کسی قبر سے پاؤں الجھا اور میں بہت زور سے پکے فرش پر گرا، کچھ پتہ نہیں کہ کتنا وقت وہاں قبروں کے درمیان ہوش اور نیم بے ہوشی کے درمیان گزرا، میں جب دوبارہ سے باہر احاطے میں بنی قبروں کے درمیان پہنچا تو ملنگ عبدالقیوم گلاب کے پھولوں کی پتیاں کھا رہا تھا، میرے قدموں کی آہٹ سن کر اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے میری سمجھ میں نہیں آیا یہ وہ رو رہا تھا کہ یا ویسے ہی مجھے شک ہوا، اس کے قریب بیٹھا تو اس نے خود ہی بولنا شروع کر دیا "بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں تو ہمیں دیکھ کر ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ سب ڈراما ہے، جب کوئی چیخیں مارتا ہے، اپنے ہاتھوں سے زمین، دروازے یا لوہے کے بکس کو ٹتا ہے تو کچھ لوگ اسے ایک تماشا سمجھتے ہیں مگر جو کچھ ہم پر بیت رہی ہے اس درد سے کم لوگ ہی واقف ہیں" باتیں کرتے کرتے وہ باقاعدہ سسکیاں لے کر رونے لگا، میں اس بات سے ڈر رہا تھا کہ کہیں اس پر بھی آسیب ہی

Marfat.com

حاضری نہ ہو جائے مگر وہ اسی طرح روتا رہا اور اپنی کہانی سناتا رہا۔ عبدالقیوم سے ہماری پہلی ملاقات دن کے وقت ہوئی تھی جب عباس بھی میرے ساتھ تھے اور ہم مکلی کے قبرستان میں پھرتے پھرتے عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر بھی جا نکلے، یہاں جب دروازے پر ہم نے جوتے اتارے تو عبدالقیوم وہیں دروازے پر کھڑا تھا، عباس نے اسے سندھی میں کچھ کہا اور کہنے لگے کہ جوتے اس کے پاس رکھ دیں یہ خیال رکھے گا، اس عجیب حلئے والے ملنگ کو دیکھ کر لگتا تھا کہ کہیں وہ ہمارے جوتے لے کر نہ بھاگ جائے مگر عباس کی وجہ سے مجھے بھی اپنے جوتے اس کے پاس رکھنے پڑے، اس نے جھک کر ہمارے ہاتھ چومے اور پھر جوتوں کو ایک طرف رکھ کر ان پر ہی بیٹھ گیا، اسی وقت پہلی نظر دیکھ کر ہی مجھے وہ عجیب سا لگا، اس چہرہ بالکل پیلا تھا جیسے جسم میں خون کا کوئی قطرہ بھی نہ رہا ہو، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، نجانے کب سے اس نے منہ نہیں دھویا تھا جس کی وجہ سے آنکھوں میں گند بھرا ہوا تھا، مزار کے اندر جب سے گھوم پھر کر جب ہم باہر کی طرف آنے لگے تو عبدالقیوم وہیں برآمدے میں قبروں کے پاس ایک دروازے کو پکڑے کھڑا مل گیا، ہم نے اس کے حوالے اپنے جوتے کئے تھے اور وہ انہیں باہر ہی چھوڑ کر اندر کھڑا تھا، یہیں پر عباس نے اس کچھ گفتگو کی اور پھر مجھے بتایا کہ یہ بھی کراچی سے تعلق رکھنے والا میمن ہے، اور تین سال سے یہاں مزار پر مقیم ہے، ابتدائی تعارف اور باتیں تو اسی وقت ہو گئیں تھی مگر مجھے اس کی کہانی اسرار میں لپٹی محسوس ہوئی، اسی وجہ سے میں نے دوبارہ اس کے پاس آنے کا فیصلہ کیا مگر جب اسے یہ بتایا تو اس نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا، رات کو بھی جب میں اس کے پاس آیا تو وہ دن میں ہونے والی ملاقات کو بھول بھی چکا تھا، عبدالقیوم سے اس رات کئی گھنٹوں وقفے وقفے سے بات ہوئی مگر وہ نا تو خود سویا نہ ہی اس کی آنکھوں میں نیند کی پرچھائیں بھی محسوس ہوئی، ایسا لگتا تھا کہ اسے اپنے ماضی کے بارے میں زیادہ کچھ یاد نہیں رہا، بس جو کچھ یاد تھا وہ اتنا تھا کہ وہ لیاری کے علاقے موسی لین کا رہائشی ہے اور تین سال قبل تک بالکل ٹھیک تھا، اس کی شادی ہوئی، بچے ہوئے اور وہ ایک دن کے ساتھ مکلی گھومنے آیا، یہاں اس نے عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر بھی حاضری دی اور اس کے بعد سے ہی اس کی بربادی

Marfat.com

شروع ہوگئی، اب وہ یہاں تین سال سے اپنے اس پتلے کی تلاش میں ہے جو مکلی کے صدیوں پرانے قبرستان کی کسی بوسیدہ قبر میں دفن ہے، اسے نہیں پتہ کہ آخر کس نے کون سی دشمنی نکالی مگر اسے اتنا پتہ ہے کہ کسی نے اس پر کالا جادو کیا اور اس کا پتلا بنا کر مکلی کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے، اب اگر وہ اس قبرستان سے باہر جانا بھی چاہئے تو نہیں جا سکتا کیوں کہ باہر نکلتے ہی اس کا سانس رکنے لگتا ہے اور منہ سے جھاگ نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ عبدالقیوم لیاری میں چھولے فروخت کرتا تھا اور گھر کا، کاروبار بہت اچھا نہیں مگر اس قدر ضرور تھا کہ اس کی شادی بھی اسی ٹھیلے کی وجہ سے ہوئی اور بچے بھی پلتے رہے۔ تین سال قبل جب وہ مکلی کے قبرستان سے گھوم پھر کر واپس گیا تو ایک ہی ہفتے بعد بستر پر جا پڑا، شروع میں اسے ایسا محسوس ہوتا تھا یہ کہ جیسے سینے میں جلن ہو، تیزابیت ہو، وہ سرکاری ڈاکٹروں اور اسپتالوں کے چکر کاٹتا رہا اور گھر والے اسے یہ کہتے رہے کہ کام نہیں کرے گا تو پھر گھر کا خرچ کہاں سے چلے گا مگر اس سے کچھ ہوتا تھا نہ اس نے کیا، اسپتالوں کے چکر لگانے کے باجود جب کچھ افاقہ نہیں ہوا تو کسی نے مشورہ دیا کہ کسی بزرگ کو دکھائے کہیں اس پر کوئی اثر یا آسیب وغیرہ نہ ہو گیا ہو، یہ سن کر عبدالقیوم کی بیوی اور والدہ اسے مختلف مزاروں پر لیجانا شروع ہو گئے، پہلے کراچی میں ہی مختلف بزرگوں اور عاملوں کے پاس لے کر گئے، پھر مزاروں پر گئے، مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا اور عبدالقیوم کا صرف ڈھانچہ ہی رہ گیا، اس کے بعد گھر والے اسے کراچی سے باہر لے کر گئے، آخر کار شاہ نورانی کے مزار پر کسی ملنگ نے انہیں کہا کہ وہ اسے فوراً مکلی کے قبرستان میں عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر لیجائیں کیوں کہ جس کسی نے بھی اس پر کالا جادو کیا ہے اس نے اس کا پتلا مکلی کے قبرستان میں دفنایا ہے اس وجہ سے اگر اسے ٹھیک ہونا ہوگا تو یہ وہیں پر جا کر ٹھیک ہوگا، دوسری بات یہ پتہ چلی کہ اس پر کسی ہندو جن کا بھی سایہ ہے اور وہ بھی مکلی کے قبرستان سے ہی تعلق رکھتا ہے، یہ سن کر عبدالقیوم کی والدہ اور بیوی اسے مکلی کے قبرستان میں بنے عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر لے آئے، جب وہ یہاں پر آیا تھا تو صرف ہڈیوں پر مشتمل تھا مگر یہاں آنے کے بعد، بقول عبدالقیوم کے، اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی، گھر والے اس کے ساتھ ہی کافی دن

Marfat.com

تک یہاں پر مقیم رہے، پہلے والدہ اپنے بیٹے کے پاس رکیں اور بیوی واپس گھر چلی گئی تا کہ بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کر سکے، اس کے چند ہفتے بعد جب اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تو اس کا دل گھر جانے کے لئے مچلنے لگا اور دونوں ماں بیٹا گھر لوٹ آئے، اپنی دردناک کہانی کے اس موڑ پر پہنچ کر وہ ایک بار پھر زور زور سے رونے لگا اور بار بار کہتا کہ "بس میرا کیس یہیں سے بگڑ گیا، میرا کیس یہیں سے بگڑ گیا" ایک بار تو اس نے اتنی زور سے مجھے بھی دو ہتھڑ مارا کہ ہاتھ میں موجود ٹیپ ریکارڈر نکل کر دور جا گرا، میرا خیال تھا کہ اس کی طبیعت اب بگڑ جائے گی مگر چند لمحوں تک بین کرنے کے بعد وہ دوبارہ سے پر سکون ہو کر وہیں قبروں کے درمیان لیٹ گیا، میں نے آہستہ سے پوچھا "عبدالقیوم اب گھر کب جاؤ گے؟" یہ سن کر وہ اٹھ بیٹھا اور دوبارہ سے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا "میرے گھر جانے سے ہی تو کیس بگڑا ہے ورنہ اگر میں کچھ دن اور رک جاتا تو اب تک بالکل ٹھیک ہو چکا ہوتا مگر میں اجازت ملنے سے پہلے ہی گھر چلا گیا اس وجہ سے تین سال سے میں یہیں پر ہوں اور کیس بگڑ چکا ہے اب کچھ پتہ نہیں کہ کب تک یہاں پر ہوں، پہلے میری طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہو گئی تھی مگر اب کچھ کچھ بیمار ہوں صحت بھی پہلے جیسی نہیں رہی مگر جو حال گھر میں ہوتا تھا وہ یہاں پر نہیں ہے، کم از کم سانس تو نہیں رکتا، جب میں یہاں سے گھر گیا تھا تو میرا سانس رکنا شروع ہو گیا تھا، گھر والے گھبرا گئے اور جلدی سے واپس یہاں پر لے آئے تب جا کر کہیں طبیعت سنبھلی، جب میں گھر گیا تھا تو سب بہت خوش تھے میری بیوی نے ادھار پکڑ کر میٹھے چاول بنائے تھے، نیاز بھی دی اور مجھے بھی بہت پسند تھے تو میرے لئے بھی بنائے مگر مجھے دوبارہ سے یہاں آنا پڑا، اب یہ ہے کہ یہاں جب تک ہوں تو ٹھیک ہوں مگر جیسے ہی یہاں سے باہر نکلوں گا تو سانس رکنے لگے گا، اس وجہ سے تین سال سے گھر نہیں گیا اور یہیں پر ہی ہوں"

اس عرصے میں گھر والے ملنے آتے ہیں؟ میرے اس سوال نے دوبارہ سے اس کی حالت خراب کر دی، وہ کہنے لگا "ہاں کبھی والدہ آجاتی ہیں اور کبھی بیوی بھی بچوں کو لے کر آجاتی ہے" اتنا کہہ کر وہ زور زور سے سانس لینے لگا اور پھر اس نے زمین کو اپنے ایک ہاتھ

Marfat.com

سے کوٹنا شروع کر دیا جب کہ اس کا دوسرا ہاتھ انتہائی سختی سے میرے بازو پر جما ہوا تھا، میں نے گھبرا کر کئی بار اس کا ہاتھ جھٹکا مگر گرفت بہت مظبوط تھی، اسی اثنا میں ایک موٹا سا ملنگ نجانے کہاں سے وہاں آنکلا، اس کی انگلیوں میں درجنوں انگوٹھیاں تھیں اور گلا مختلف رنگ برنگی مالاؤں سے اٹا پڑا تھا جب کہ ہاتھ میں پکڑے موٹے سے ڈنڈے پر کئی رنگوں کی تھگڑیاں بندھی ہوئی تھیں، اس نے یہ دیکھتے ہی کچھ اس طرح سے کوئی نعرہ لگایا کہ میری سمجھ میں ایک لفظ بھی نہیں آسکا اور اس کے بعد اس نے اپنے ایک ہاتھ سے عبدالقیوم کی گردن پکڑ کر اسے تقریباً کھڑا کر دیا، بازو پر گرفت کمزور پڑتے ہی میں نے جھٹکہ دے کر اپنے کو چھڑایا اور اپنا بیگ سنبھال کر بھاگ نکلا۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

کالے جادوگر ہمیشہ کے لئے جنات کے غلام ہو جاتے ہیں

اس کا چہرہ دیکھ کر میں دہشت زدہ ہو گیا، آنکھیں سرخ انگارے کی طرح دھک رہی تھیں، اور سانس دھونکی کی طرح ایسے چل رہا تھا جیسا کوئی کتا ہانپتا ہے، زبان باہر نکلی ہوئی اور ابرو کمان کی طرح تنے ہوئے تھے، اس کی عمر کوئی چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی رنگت سانولی، چہرے پر عجیب سی کرختگی، ہاتھوں کے ناخن حد درجہ گندے اور بڑھے ہوئے تھے البتہ کپڑے کس قدر صاف ستھرے تھے۔اس عورت کا سر بیری کے درخت کے دوشاخے نما تنے میں اس طرح سے پھنسا ہوا تھا کہ باقی بدن ایک طرف اور سر دوسری طرف جب کہ استخوانی ہاتھ پشت کی طرف ایک دوسرے میں الجھے ہوئے، دن کے ڈیڑھ بجے بھی جب وہ غراتی ہوئی آواز میں چیخیں مارتی تو مجھے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوتا، پہلے مجھے شک ہوا کہ اس عورت کو کسی نے یہاں باندھ رکھا ہے مگر بعد میں پتہ چل گیا کہ وہ خود ہی اس درخت میں پھنسی ہوئی ہے، میری موجودگی کا احساس کرتے ہی اس نے بیری کے درخت کے دوشاخے سے اپنا سر نکالیا اور مجھے دیکھ کر ہذیانی انداز میں چیخنے لگی، چند روز قبل ہی میں اسی قبرستان میں عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر آسیب زدہ لوگوں کے ساتھ ایک رات گزار چکا تھا مجھے معلوم تھا کہ یہاں مختلف مزاروں پر آسیب زدہ لوگ پڑے رہتے ہیں اور یہ بھی کہ ان سے دور ہی رہنا چاہئے کیوں کہ بعض اوقات یہ نقصان بھی پہنچا دیتے ہیں، یہاں سے کچھ دور لوٹر ملا کا مزار تھا مگر چاروں طرف اتنا جھاڑ جھنکاڑ اور جھاڑیاں تھیں کہ اس احاطے سے

Marfat.com

باہر کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا، کالکان کے مندر تک جانے کے لئے میں مکلی کے قبرستان میں کوئی تین کلومیٹر اندر تک آچکا تھا اور اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں بالکل ہی غلط سمت میں آ گیا ہوں کیوں کہ کالکان کا مندر اتنی دور نہیں تھا۔ باہر کی طرف جانے کا راستہ ڈھونڈنے کے چکر میں، میں ایک پگڈنڈی پر چل پڑا تھا جس نے لوٹر ملا کے مزار کے قریب جھاڑیوں سے گھرے اس احاطے تک پہنچا دیا جہاں عجیب حال حلئے یہ عورت اذیت ناک آوازوں میں کراہ رہی تھی، یہاں پہنچنے سے قبل میں نے پگڈنڈی پر چلتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو دن کے وقت بھی کافی بڑے ڈیل ڈول کے ایک کتے کو دیکھ کر خوف کی تیز لہر مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اندر تک اترتی محسوس ہوئی، بالکل سیاہ رنگ کے اس کتے کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور خون کی طرح سرخ زبان باہر لٹک رہی تھی، میرے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی اتنی تیز ہو گئیں کہ لگتا تھا کہ پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا، زیر لب آیت الکرسی کا ورد کرنا چاہا مگر بار بار درمیان سے بھول جاتا، تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے تھوڑی دیر بعد پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک اور کتا بھی اطراف میں لگی جھاڑیوں سے نکل کر اس کے ساتھ شامل ہو چکا تھا اور چند منٹ کے اندر اندر ان کی تعداد چار کے قریب ہو گئی، جوں ہی میں رفتار تیز کرتا وہ بھی ہانپتے ہوئے دوڑنے لگتے اور جیسے ہی میری رفتار کم ہوتی وہ بھی آہستہ ہو جاتے، دونوں طرف جھاڑ جھنکاڑ اور آک کے کانٹے دار پودے لگے ہوئے تھے، پگڈنڈی سے ہٹنے میں اس لئے بھی خطرہ تھا کہ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کہاں قبر ہے اور کہاں نہیں، مجھے اس بات کا بھی ڈر تھا کہ اگر راستے سے ہٹ کر کہیں قدم رکھا تو کسی بوسیدہ قبر میں نہ جا گروں، صدیوں پرانے مکلی کے قبرستان کے بارے میں مجھے ٹھٹھہ کے مقامی دوست یہ بتا چکے تھے کہ جھاڑیوں میں چھپی قدیم قبریں یا تو چوروں کے ہاتھوں یا پھر عاملوں اور جادوگروں کے ہاتھوں کھدی ہوئی ہوتی ہیں اس لئے اگر راستے سے ہٹ کر یا جھاڑ جھنکاڑ میں قدم رکھو تو ان قدیم قبروں میں گرنے کا خطرہ رہتا ہے پھر یہ بھی خدشہ تھا کہ نجانے کس قبر میں کیا چھپا ہو، یہاں سرگرم کالے جادوگر بہت سے ایسی قبروں میں لوگوں کے پتلے اور

Marfat.com

تعویزات وغیرہ گاڑتے ہیں، لاعلمی میں ایسی قبروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے والا بھی ان بد عملیات کے زیر اثر آجاتا ہے۔اس روز بڑی شدید گرمی تھی اور سورج عین سر پر چمک رہا تھا، دن کے ڈیڑھ بجے فضا میں اتنا سناٹا کہ اگر ہوا کا کوئی بھولا بھٹکا جھونکا بھی جھاڑیوں کو چھوتا ہوا گزرتا تو اس کی سرسراہٹ صاف سنائی دیتی، چندروز قبل جب میں عباس کے ساتھ مکلی کے قبرستان آیا تھا تو ایک پہاڑی پر کھڑے ہوکر میں نے دوسرے طرف موجود ایک غار کے بارے میں اس سے پوچھا تھا، تب عباس نے بتایا تھا کہ پہاڑی میں موجود یہ غار در اصل کالکان مندر کا ایک حصہ ہے، مندر کا سنتے ہی میری دلچسپی اس غار میں بڑھ گئی تھی، پہاڑی چوٹی پر بنے مندر اور سپاٹ دیوار میں بنے غار میں کافی پراسراریت تھی، اس روز تو کالکان کے مندر میں جانے کا موقع نہیں مل سکا مگر اگلے چندروز بعد میں دوبارہ سے ٹھٹھہ میں تھا کہ کالکان مندر دیکھ سکوں، دوپہر ڈیڑھ بجے میں کالکان مندر کے اس غار تک ہی جانا چاہتا تھا مگر 25 کلومیٹر رقبے پر پھیلے مکلی کے قبرستان میں راستہ بھول کرنجانے کہاں جانکلا، پیدل چلتے ہوئے کافی وقت ہوگیا تھا مگر پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس طرف ہوں، پھر اچانک ایک پگڈنڈی پر چلتے ہوئے عقب میں کسی کو محسوس کر کے دیکھا تو وہی کتا کھڑا تھا تھوڑی ہی دیر میں ان خوفناک کتوں کی تعداد بھی بڑھ گئی، عجیب بات یہ تھی کہ اگر میں انہیں کچھ نہیں کہتا تو یہ بھی سر جھکائے چلتے رہتے اور اگر انہیں وہاں سے بھگانے کے لئے یا پھر ڈرانے کے لئے کوئی پتھر اٹھاتا تا ان کے تیور جارحانہ ہوجاتے، مجھے کسی نے بتایا تھا کہ اس قبرستان میں رہنے والے کتے عام نہیں ہیں بلکہ انسانی ہڈیاں اور گوشت کی چاٹ ان کی زبانوں کو لگ چکی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جادوگر قبروں کو کھلا ہی چھوڑ جاتے ہیں اور پھر آوارہ کتے لاش کھا جاتے ہیں یا پھر وہ خود ہی کسی بوسیدہ قبر کو کھود کر ہڈیاں چٹ کر جاتے ہیں، انہیں خیالات میں گم، بھولتے یاد کرتے آیت الکرسی کا ورد کرتے آخر کار میں لوٹر ملا کے مزار پر پہنچ گیا، اس مزار پر چندروز قبل بھی عباس کے ساتھ آنا ہوا تھا، یہ مزار واپڈا کے پاور ہاؤس کے قریب ہے، یہاں پہنچے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں قبرستان میں تین کلومیٹر تک اندر آچکا ہوں وہ بھی بالکل غلط سمت میں، کالکان مندر اس کے بالکل متضاد سمت میں تھا۔لوٹر ملا کا مزار بالکل

Marfat.com

اجاڑ جگہ پر ہے، یہاں بہت کم لوگ آتے ہیں خاص طور سے لوگ یہاں کے پراسرار ماحول کی وجہ سے اس طرف کا رخ نہیں کرتے، مزار کے اطراف میں گھنی جھاڑیوں اور جھاڑ جھنکاڑ کی دیوار ہے، مزار تک آنے کے لئے کچی پگڈنڈی نما راستہ آتا ہے، پیچھے پیچھے چلنے والے کتے نجانے کہاں غائب ہو چکے تھے قریب ہی کسی جگہ سے کسی عورت کے رونے اور کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں، یہ خیال کر کے شاید کوئی عورت راستہ بھول کر یہاں بھٹک رہی ہو یا پھر وہی کتے کسی کو گھیرے کھڑے ہوں، میں آواز کے تعاقب میں جھاڑیوں کے درمیاں سے ہوتا ہوا اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں بیری کے ایک درخت میں وہی عورت عجیب انداز میں اپنا سر درخت کے دوشاخے میں پھنسائے کھڑی تھی، میری موجودگی کا احساس کر کے اس نے درخت کو چھوڑا اور کچھ دیر تک ہذیانی انداز میں چیختی رہی پھر وہیں درخت کے نیچے بیٹھ گئی، درخت کے قریب ہی چند قبریں بھی بنی ہوئی تھیں، جھاڑیوں کی درمیان ٹین کی چھت والا ایک کمرہ تھا جس کا اس وقت پتہ چلا جب اندر سے ایک بوڑھا سا شخص نکل کر باہر آیا اور سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا، میں نے اسے بتایا کہ مزار پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا اور خاتون کی آواز سن کر ادھر آ گیا۔ یہ بوڑھا لودھراں کا امیر حسین تھا جو برسوں سے یہاں، بقول اس کے، بزرگوں کے مزارات پر خدمت کر رہا ہے، اس دوپہر کافی دیر تک میں امیر حسین نامی اس مجاور کے ساتھ کچے کمرے میں بیٹھا رہا اور امیر حسین نے ہی بتایا کہ منداں نامی یہ خاتون اپنے کئے کو بھگت رہی ہے، منداں کبھی کالے جادو کی ماہر تھی، اس نے کافی وقت مختلف عاملوں کے ساتھ گزارا، جنات کو قابو کرنے کے عمل کئے اور کئی گھرانے اجاڑے، صرف اور صرف اپنے انتقام کے لئے اور اب اس کی سزا وہ اس طرح بھگت رہی ہے کہ ہر روز کئی گھنٹے وہ بیری کے اس درخت کے دوشاخہ نما تنے میں اپنا سر دئے روتی رہتی ہے، لوٹر ملا کے مزار پر آنے والے بہت سے لوگ اس کی چیخیں سن کر اس طرف آ نکلتے ہیں اور اکثر اس کی عجیب حالت، خوفناک چیخیں سن کر بھاگ نکلتے ہیں۔ منداں کو اپنے گاؤں میں ہی کسی سے عشق ہوا اور اس کی منگنی بھی اسی کے ساتھ ہو گئی مگر کسی کی نظر اس جوڑے کو کھا گئی، منداں کا منگیتر اس سے بدگمان ہو گیا اور یوں منداں اپنے گھر میں رہ گئی

Marfat.com

اوراس کے منگیتر کا گھر کسی اور نے بسا دیا، اس واقعے کے بعد منداں کا دماغی توازن درست نہیں رہا، اس نے شادی سے قبل ہی کہا تھا کہ اگر اس کی شادی مطلوبہ جگہ پر نہیں ہوئی تو زہر کھالے گی مگر اس نے زہر تو نہیں کھایا البتہ زہریلی بن گئی، پھر ایک روز گاؤں میں کوئی فقیر آیا جس نے روٹی مانگی، منداں نے اسے روٹی دینے سے قبل کہا کہ وہ اسے ہر چیز دینے کو تیار ہے مگر وہ یہ بتائے کہ کیا اس کے دل کی مراد پوری ہو جائے گی، منداں اب انتقام چاہتی تھی اور فقیر نے اس کے انتقام کی آگ بجھانے کا بندوبست کر دیا، سب سے پہلے منداں نے فقیر کا دیا ہوا کوئی سفوف، اپنی پھوپھی کو کھلایا جس نے اپنے بیٹے کی شادی منداں کے بجائے کسی اور سے کی تھی، منداں نے کسی طریقے سے وہ سفوف پھوپھی کو کھلایا اور اسے چیچک نکل آیا، پھوپھی زیادہ دن زندہ نہیں رہی اور یوں منداں ایک ایسے راستے پر چل نکلی جس کا اختتام مکلی کے قبرستان میں لوٹر ملا کے مزار کے قریب بیری کے درخت تلے بیٹھی پاگل عورت کی صورت میں نکلا۔

گاؤں میں پاگل مشہور ہونے کے بعد منداں نے گھر سے باہر وقت گزارنا شروع کر دیا، وہ راتوں کو قبرستان میں رہتی اور اپنے استاد جادوگر کی ہدایات پر عمل کرتی رہتی، انتقام کی آگ میں جل کر اس نے ہر وہ کام کیا جو اسے مزید طاقت دیتا، گاؤں کے لوگ اسے ملنگنی سمجھ کر گھر میں بلاتے، اپنے بچوں پر دم کرنے کا کہتے اور وہ جہاں خوشیاں دیکھتی، دکھوں کی کھیتیاں کاشت کر دیتی، کسی کے چولہے میں تعویز دبا دیتی اور کسی کنواری کے کپڑے کتر کر اسے برباد کر دیتی، مختلف ریاضتوں کے بعد جنات سے بھی کام لینے لگی اور قبرستان اس کا مستقل مسکن بن گیا، اس کے پھوپھی زاد بھائی اور سابق منگیتر کا گھر چند ہی سال میں اجڑ گیا، اس کی ماں چیچک سے مر گئی، جو بھی بچے ہوتے وہ مر جاتے اور منداں قبرستان میں قہقہے لگاتی رہتی۔ مجاور امیر حسین باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گیا، کچے کمرے کے باہر سے منداں نامی آسیب زدہ خاتون کی چیخیں پھر بلند ہو رہی تھیں، آخر کار امیر حسین اٹھا اور کمرے کے ایک کونے میں پڑے گھی کے ڈبے گلاس میں تھوڑا اس پانی انڈیلا اور باہر

Marfat.com

جانے لگا، میں کمرے کے دروازے سے ہی دیکھنے لگا، آسیب زدہ عورت پھر سے درخت میں اسی طرح پھنسی ہوئی چلا رہی تھی، امیر حسین مجاور نے گلاس کا پانی اس کے سر پر انڈیل دیا اور وہ بیری کے درخت کے دوشاخہ تنے سے اپنا سر باہر نکال کر زمین بیٹھ گئی۔

مندان کی آنکھوں میں بے بسی اور بے کسی کا ایسا کربناک احساس تھا کہ دیکھ کر رونا آتا تھا، گو کہ اس کے چہرے کا کھچاؤ کافی کم ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود پانی پینے کے لئے جب وہ گلاس پکڑنے کی کوشش کرتی تو مرتعش ہاتھوں کی وجہ سے سارا پانی زمین پر گر جاتا، منہ میں جانے والا پانی بھی بوند بوند اس طرح واپس باہر آ رہا تھا جیسے اس کے جبڑے لقوہ زدہ ہو گئے ہوں، جذبہ انسانیت کے تحت میں نے آگے بڑھ کر اس کا منہ تھامنا چاہا تو ایک دم ابکائی سی آ گئی، اس کے بدن سے جلے ہوئے گوشت سے سڑانڈ اٹھ رہی تھی، بہت مشکل سے چند قطرے پانی اس کے منہ میں جا سکا اور تب جا کر اس کے گلے سے نکلنے والی غرغراہٹ بند ہوئی، امیر حسین اسے دیکھ کر تاسف سے سر ہلاتا اور کہتا جاتا ''ابھی باولا پن نہیں گیا، عذاب سہہ رہی ہے'' مندان کی حالت کچھ سنبھلی تو ہم لوگ دوبارہ سے اس کمرے میں آ کر بیٹھ گئے، وہ بتانے لگا کہ یہ دم کیا ہوا پانی ہے جب بھی مندان کی حالت بدتر ہونے لگتی ہے وہ اس پر تھوڑا سا پانی چھڑک دیتا ہے اور چند قطرے منہ میں ٹپکا دیتا ہے، اس کی بے نیازی اور سے لگتا تھا کہ اسے بھی مندان کا زیادہ خیال نہیں ہے، بس فرض یا قرض ادا کر رہا ہے، میں نے اس سے کئی بار پوچھا کہ مندان یہاں تک کیسے آئی، مگر اس کا وہ کوئی واضح جواب نہیں دے سکا، اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ یہاں بہت سے لوگ آتے ہیں، جسے پیاس لگی ہو وہ ڈھونڈتا ہوا کنویں تک پہنچ ہی جاتا ہے مگر اس کی کچھ باتوں سے شک ہوتا تھا کہ شاید مندان یہاں کوئی چلہ کاٹنے آئی اور اس کا عمل الٹ گیا یوں مکلی کے قبرستان میں ایک نیم پاگل آسیب زدہ خاتون کا اضافہ ہو گیا۔ مندان کا سب سے پہلا نشانہ اس کی پھوپھی بنی تھی جو چیچک کا شکار ہو کر مر گئی اور اس کے بعد مندان کے یقین اور اعتماد میں اضافہ ہو گیا، اس نے شیطان کو اپنا معبود بنا لیا اور دنیا اس سے ڈرنے لگی، گاؤں جس کسی نے مندان کو ناراض کیا

Marfat.com

وہ عبرت کا نشان بن گیا یوں پورے گاؤں میں لوگ کہنے لگے کہ مندان ملنگنی کی پہنچ بہت اوپر تک ہوگئی ہے اسے کسی حال میں بھی ناراض نہیں کرنا، مندان ان سب باتوں کو سنتی مگر بظاہر بے نیاز بن کر قبرستان میں پڑی رہتی، اسے فقیر نے کہا کہ وہ اس کی ایک بات مان لے تو اس کی تمام تمنائیں پوری ہو جائیں گی مگر اس نے عجیب جواب دیا، اس کے دل کی تمام تمنائیں مر چکی تھیں اور صرف انتقام کی آگ باقی رہ گئی تھی سو اس سے فقیر کی ہر بات ماننے پر آمادگی ظاہر کر دی، جس روز اس کی پھوپھی کو چیچک ہوئی وہ اس کا سب سے مسرت آمیز دن تھا، پھوپھی کے بیٹے ماں کو لے کر ہر جگہ دوڑے، مزار، دربار، اسپتال، کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کی زندگی پوری ہو چکی تھی سو وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی، اس کی بہوان دنوں امید سے تھی، مندان نے اس کی ہر امید ختم کر دی، وہ راتوں کو قبرستان میں جاگتی رہتی اور اس کا کیا ہوا عمل ایسا ٹانکا لگا کر بندھا ہوتا تھا کہ کسی سے نکلتا تھا، پھر گاؤں میں کسی کو علم بھی نہیں تھا کہ وہاں حقیقت میں ہو کیا رہا تھا، بس سب یہ دیکھتے کہ جس نے مندان سے بگاڑا وہ خود بگڑ گیا اور جس سے وہ خوش ہو گی اس کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں اور پھر ایک روز وہ ہو گیا جس کے لئے اس نے اپنے آپ کو مٹا دیا تھا، اس کا سابق منگیتر، اصغر جس نے اسے دھتکار کر کسی اور سے شادی کی تھی وہ روتا ہوا اس کے پاس قبرستان میں آ گیا اور پاؤں پکڑ کر معافیاں مانگنے لگا، گاؤں بھر میں مشہور تھا کہ مندان اصغر کے عشق میں ملنگنی ہوگئی ہے اور جب اصغر کے خاندان پر پے در پے مصیبتیں ٹوٹیں تو سب اسے کہنے لگے کہ وہ مندان کی بد عا کا شکار ہو گیا ہے، اسے مندان سے معافی مانگ لینی چاہئے یوں اصغر مندان کے پاس جا کر معافی مانگے لگا، کہ اس نے اس کا دل دکھایا ہے وہ اسے معاف کر دے، اصغر کے ساتھ آئے گاؤں والے بھی اس کی سفارش کرتے رہے اور مندان ملنگنی بظاہر غافل بنی رہی مگر اندر اندر سے قہقہے لگاتی رہی، اس دن کا تو اسے سالوں سے انتظار تھا، وہ رات مندان نے اصغر کے گھر پر گزاری، اس کی بیوی بیماری کی وجہ سے موت کی سرحدوں کو چھو رہی تھی، اصغر نے گاؤں کی سب سے خوبصورت لڑکی سے شادی کی تھی مگر اب اس کا رنگ و روپ قصہ بن

Marfat.com

کر رہ گیا تھا، جادو کے اثرات نے اسے مار کر رکھ دیا تھا، اصغر مندان کی منتیں کرتا رہا کہ وہ اس کی بیوی کے لئے دعا کر دے کہ وہ تندرست ہو جائے اور اس کی گود بھی ہری ہو جائے۔ مندان ملنگنی اس رات اپنے پھوپھی زاد اور سابق منگیتر کی بیوی کی چارپائی سے لگی بیٹھی اپنے کئے کو کاٹتے رہی، وہ رات بھر بندھنوں کی گرہیں کھولتی رہی اور اگلے چند دن میں گاؤں بھر میں مشہور ہو گیا کہ سالوں سے بیمار اصغر کی بیوی مندان ملنگنی کی دعا سے ٹھیک ہو گئی ہے مگر وہ لوگ نہیں جان سکے کہ مندان ملنگنی اپنے انتقام کی آخری حدوں پر جا پہنچی ہے، اصغر کی بیوی کی گود ہری ہو گئی مگر اس کے ساتھ ہی اس کا دماغی توازن بگڑنے لگا، سب سمجھتے تھے کہ اس کے دنوں کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے، وہ سوتی تو ڈر کر اٹھ بیٹھتی اور خوف کے مارے چیخے مارنے لگتی یا پھر آسمان کی طرف منہ کر اندھیروں کو تکتی رہتی، آخر کار ایک رات اصغر پھر سے اس کے پاس قبرستان میں جا پہنچا، مندان کو یقین تھا کہ وہ اس رات ضرور آئے، وہ نوچندی کی رات تھی اور ہر طرف بالکل گھپ اندھیرا تھا مگر اپنی مرتی ہوئی بیوی کو بچانے کے لئے اصغر مندان کے پاس قبرستان جا پہنچا، وہ اس روز حسد کی آگ میں پوری طرح جل رہی تھی جب اصغر نے اسے بتایا کہ اس کی بیوی مر رہی ہے وہ چل کر اسے اور اس کے بچے کو بچا لے تو مندان خاموشی سے بیٹھی رہی، آخر جب اصغر نے بہت منتیں تو مندان بولی مگر وہ مندان ملنگنی کی آواز نہیں تھی بلکہ انتقام کی آگ میں جلنے والی مندان کی آواز تھی، اس نے اصغر کو کہا کہ اپنی بیوی کو مر جانے دو، اس نے مجھے بھی برباد کیا، تجھے بھی برباد کیا اور تیرے خاندان کو بھی برباد کیا، قبرستان کے سناٹے میں جب اصغر کی ہچکیاں گونج رہی تھیں تو منداں جذبات سے عاری آواز میں اسے سب کچھ بتا رہی تھی کہ اصغر میں تیرے در پر آئی تو، تو نے مجھے دھتکار کر باہر نکال دیا اور کسی اور عورت کو بیوی بنا کر گھر لے آیا حالاں کہ میں بچپن سے تیرے خواب دیکھتی رہی تھی، تو مجھے گندی اور آوارہ سمجھتا تھا اور میرے پاگل پن پر تو نے جشن منایا تھا کہ اب مجھ سے جان چھٹ گئی مگر اس کے باوجود جب تو میرے پاس بھیک مانگنے آیا تو میں نے تجھے دھتکارا نہیں، جب میں تیرے لئے ماری ماری پھر رہی تھی تو سب

Marfat.com

لوگوں کے دلوں میں میرے لئے رحم تھا مگر تیرے دل میں کوئی جگہ نہیں بنی، دنیا جانتی ہے کہ مندان تیرے عشق میں ملنگنی ہوگئی مگر تیرے کو اس پر رحم نہیں آیا اور آج تو اسی عورت کے پاس آیا ہے جواب تجھے کچھ نہیں دے سکتی، جا تو چلا جا۔

اصغر منتیں کرتا رہا مگر اس روز مندان ملنگنی کے اندر چھپی ہوئی عورت ظاہر ہوگئی تھی، اس نے اصغر کو مردوں کی راکھ پانی میں ملا کر پلا دی اور وہ بھی منداں ملنگنی کی طرح دنیا سے بے گانہ ہوگیا، اگلے روز جب گاوں والے اصغر بیوی اور نومولود بچے کا جنازہ اٹھائے قبرستان میں آئے تو اصغر وہیں پر بے تاثر اور جذبات سے خالی آنکھیں لئے بیٹھا تھا، لوگ تاسف سے اس کی طرف دیکھتے اور کہتے کہ بیوی بچے کی موت برداشت نہیں کر سکا اور ان کے غم میں دیوانہ ہوگیا ہے۔ اصغر کو پاگل کرنے اور اس کی بیوی اور بچے کو مارنے کے لئے مندان نے انتہائی سخت کالا علم کیا تھا، اس روز اس کے ہر حد توڑ کر گندگی کے سمندر میں ایسا غوطہ لگایا کہ وہ ایک ہی رات میں کئی شیطانی مدارج طے کر گی، اس کے بعد گاوں میں ٹھہرنا اس کے لئے بے کار تھا مزید طاقت حاصل کرنے کے لئے وہ جنون کی حد تک چلی گئی اور ایک روز کسی بزرگ کے مزار پر کوئی نازیبا حرکت کرتے ہوئے خود ہی اپنے کالے علم کا شکار ہو گئی، اس کے بعد سے وہ مکلی کے قبرستان میں لوٹر ملا کے مزار کے قریب جھاڑیوں سے گھری چند قبروں کے درمیان بیری کے ایک درخت کے نیچے رہتی ہے، جہاں اکثر اس کی دردناک چیخیں لوگوں کو ڈراتی رہتی ہیں۔ انہی قبروں کے مجاور امیر حسین کی زبانی یہ کہانی سن کر میری کچھ زیادہ تشفی نہیں ہوئی، میں نے اس سے ان کالے اور بڑے ڈیل ڈول کے کتوں کے بارے میں پوچھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پوچھا کہ آخر کالا جادو کرنے والے خود کیسے اپنے علم کا نشانہ بن جاتے ہین، جواب دینے سے قبل امیر حسین نے چٹائی کے نیچے سے چند اگر بتیاں نکالیں اور انہیں جلا دیا پھر وہ کونے میں پڑے ایک مٹکے کی طرف بڑھا اور اس سے شربت نما کوئی سفید سے چیز گلاس میں انڈیل کر پینے لگا، دودھیا رنگ کے اس سیال کو دیکھ کر مجھے شک ہوا کہ وہ بھنگ میں چار مغز ملا کر پی رہا ہے، پیاس سے میرے

Marfat.com

بھی حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے مگر میں نے چند منٹ پہلے ہی مندان کی خوفناک داستان سنی تھی، اس لئے کوئی بھی چیز حلق میں اتارنے کی ہمت نہیں تھی، اس ویرانے کی بھری دوپہر میں، میں بھی کوئی اصغر کی طرح کی کوئی داستان نہیں بننا چاہتا تھا سو خاموشی سے زمین کو تکتا رہا، مجاور نے آرام سے گھونٹ گھونٹ کر کے اپنا گلاس خالی کیا اور ایک گلاس بھر کر مجھے بھی پیش کیا مگر میں نے خاموشی سے انکار میں سر ہلا دیا، وہ دوسرا گلاس بھی پی گیا اور اس کے بعد بھاری آواز میں دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا'' جنات کو غلام بنانے والے ہوں یا کالا علم کرنے والے، ان سے بڑا بدقسمت کوئی نہیں ہوتا، لوگ ان کی طاقت سے ڈرتے ہیں اور بس اتنا ہی ان کی انا کی تسکین کے لئے کافی ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ ایک ایسی اذیت بھری زندگی گزار رہے ہوتے ہیں جس سے موت اچھی ہے مگر انہیں اپنے انجام کے بارے میں بھی پتہ ہوتا ہے اس لئے وہ اسی اذیت بھری زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، شاید ان کا نشانہ بننے والے بھی اس اذیت سے نہیں گزرتے جس سے وہ خود ہر وقت گزرتے رہتے ہیں، اگر وہ اپنی طاقت کو مزید بڑھائیں نہ تو اپنے ہی علم کا نشانہ بن جائیں اور اگر مزید شیطانی طاقت حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہیں تو بزرگوں کی نگاہوں سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے جو ان کی سرکوبی پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ دن رات اپنے ہی بدعملیات کی آگ میں جھلستے رہتے ہیں مگر ایک بار اس شیطانی عمل کا حصہ بننے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا ان کے اندر ایک آگ لگی رہتی ہے اور اس آگ سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اپنی برداشت میں اضافہ کریں یہ اضافہ بزرگوں کی بے حرمتی اور مقدس کلام کی توہین سے ہوتا ہے، ایسے کام وہ خود نہیں کر سکتے لہذا عام لوگ ان کا آلہ کار بنتے ہیں جس طرح مندان نے اپنا انتقام لینے کے لئے آلہ کار بن کر مقدس کلام کی توہین کی، اس کا استاد یہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ وہ پہلے ہی حدیں توڑ چکا تھا لہذا مندان نے اس کا کام آسان کیا اور خود مندان اسی چکر میں مزارات پر آئی مگر ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے، اس حد سے آگے جانے کی کوشش کرنے والا اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

Marfat.com

امیر حسین کی بات ختم ہوئی تو میں نے اس سو پوچھا کہ مندان مزار پر کیا کرنا چاہتی تھی مگر میرے سوال کے جواب میں امیر حسین کے خراٹے گونجنے لگے وہ پکی دیوار سے سر ٹکائے سو رہا تھا حالاں کہ کہ چند ہی لمحے قبل وہ باتیں کر رہا تھا اور اب اس کے خراٹے گونج رہے تھے، میں ابھی اسے ہلا کر جگانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کے باہر کچھ آوازیں سے آنے لگیں جیسے لوگ باتیں کر رہے ہوں، میں نے ڈرتے ڈرتے جھانک کر دیکھا تو چند آدمیوں کو ایک گروپ بیری کے درخت کے پاس ہی کھڑا تھا مجھے دیکھ کر وہ پوچھنے لگے کہ یہاں کس کا مزار ہے میں نے انہیں بتایا کہ یہاں کوئی مزار نہیں ہے البتہ چند نامعلوم قبریں ہیں، وہ لوگ واپس جانے لگے تو میں بھی تیز قدموں سے ان سے ساتھ ہو لیا۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

نوچندی کی رات جادوگر اپنے بیٹے کے ہاتھوں ذبح

وہ نوچندی کی ایک بالکل اندھیری رات تھی، شہر کے درمیان میں واقع اس بلڈنگ کے بالائی کمرے میں بابا صاحب نے نصف شب کے وقت بالکل اندھیرا کر رکھا تھا، گوکہ گھر کے سب لوگ سو چکے تھے مگر بابا صاحب اور اس کا نوجوان بیٹا اس اندھیرے کمرے میں جاگ رہے تھے، اگربتیوں اور کافور کی ملی جلی خوشبو نے کسی قبرستان کا ماحول بنا رکھا تھا، راجا نامی بیٹا دیوار سے ٹیک لگائے نصف بیدار اور نصف سویا ہوا تھا کہ اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا مگر کسی نادیدہ قوتوں نے اسے اٹھنے سے روک دیا، بیٹے کی کراہ سن کر بابا صاحب نے موم بتی جلائی اور پھر اپنے عین سامنے، دائرے میں رکھے ایک پتلے پر کوئی سفوف چھڑکا اور ایک تیز دھار چھری اس کے عین سینے میں پیوست کر دی، اس کا راجا نامی بیٹا ایک تیز آہ بھر کر دوبارہ سے دیوار کے ساتھ ڈھے گیا، مگر چند منٹوں بعد ہی وہ کچھ ہوگیا جس کے بارے میں شاید بابا صاحب نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، اچانک پورا گھر بابا صاحب کی خوفناک اور اذیت ناک چیخوں سے گونج اٹھا، سحر کے زیر اثر نیم خوابیدہ راجا اچانک چونک کر جاگ اٹھا، بابا صاحب اپنی آنکھیں بند کئے زیر لب کچھ بدبدا رہا تھا، راجا نے سامنے پڑے پتلے کے سینے سے چھری کھینچ کر باہر نکالی اور ایک زوردار چیخ مار کر اپنے باپ، بابا صاحب نامی کالے علم کے ماہر پر ٹوٹ پڑا، بابا صاحب کو اپنے جگہ سے ملنے کا موقع بھی نہیں ملا، تیز دھار خنجر نما چھری نے اس کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیا، راجا نے اپنے باپ پر کتنے وار کئے، خود اس کو بھی نہیں معلوم۔ بس رات کے سناٹے میں دونوں

Marfat.com

باپ بیٹوں کی خوفناک آوازیں گونجتیں رہیں مگر کوئی بھی اس کی مدد کو نہیں آیا۔ اس نے سب کو کہہ رکھا تھا کہ آج کی رات کوئی بھی اوپر نہیں آئے، سب کو پتہ تھا کہ آج کی رات نہایت سخت رات ہے اور بابا کو اہم چلہ کاٹنا ہے مگر اس کی چیخوں کی آوازیں غیر متوقع تھیں، کوئی بھی کمرے میں جانے پر راضی نہیں تھا مگر جب راجا نے کمرے کی بتی جلائی اور سیڑھیوں پر آکر کہا کہ وہ بابا کا، کام اتار چکا ہے تو سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، راجا کا پورا جسم خون میں نہایا ہوا تھا اور وہ ہاتھ میں تیز دھار چھری اٹھائے کھڑا تھا، جب وہ دوبارہ سے کمرے میں گیا تو گھر والے بھی ہمت کر کے اوپر گئے، راجا اپنے باپ کی ادھڑی ہوئی لاش پر بار بار وار کرتا اور ہذیانی انداز میں چلانے لگتا۔

نوچندی کی اس رات بابا صاحب مکلی کے قدیم جنات کی پوری پکھی کو اپنے قابو میں لانے میں کامیاب ہو جاتا، وہ کہتا تھا کہ اس سے بڑا اور طاقت ور عامل کوئی نہیں ہوگا مگر نوچندی کی اس کالی رات میں اس کے ساتھ کیا ہوا، کسی کو نہیں معلوم، اس کا عمل کس طرح الٹ گیا، کوئی نہیں جانتا، کالے علم کے ماہر اپنے حلقوں میں کہتے ہیں کہ اسے جنات نے مار ڈالا مگر پولیس ریکارڈ بتاتا ہے کہ اسے اس کے اپنے ہی بیٹے نے قتل کر دیا اور یہ بیٹا بھی ذہنی طور پر تندرست نہیں، مکلی کے قبرستان میں موجود بابا صاحب کے شاگرد اور ابراھیم حیدری میں موجود اس کے بنگالی حریف دونوں ہی بابا صاحب کے بیٹے تک رسائی چاہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ راجا کے پاس جو شکتی آ گئی ہے وہی شکتی، بابا صاحب پانا چاہتا تھا مگر سارا عمل الٹ ہو گیا، اس بات کی وضاحت کسی کے پاس نہیں کہ عمل الٹا کیسے، اس سوال کا جواب بھی راجا کے پاس ہے جو آج مکلی کے قبرستان میں ایک مزار پر نیم پاگل حالت میں موجود ہے مگر کالے جادوگروں کا کہنا ہے کہ راجا مکلی کے انہی جنات کی اسی پکھی کی حفاظت میں ہے جنہیں بابا صاحب اپنے قابو میں لا کر سب سے طاقتور عامل بننا چاہتا تھا۔ میں نے جب راجا سے ملاقات کی تو وہ نیم پاگل شخص لگا، اسی بس یہی کچھ یاد رہ گیا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا اور اس نے اپنے باپ کو کس طرح قتل کیا، اس سے بات کرنے کے لئے میں نے دن بھر انتظار کیا مگر وہ اپنے حال میں مست تھا، اس کے منہ سے کبھی جھاگ نکلنے لگتے اور

Marfat.com

کبھی وہ بالکل ٹھیک ہو جاتا، رات کے آخری پہر میں ایک ملنگ کے ساتھ دوبارہ اس سے ملا، ابراہیم حیدری کے بنگالی جادوگروں کا کہنا تھا کہ اس سے ملنا، اپنی موت کو دعوت دینا ہے، اسی خوف کے تحت میں کئی دن تک یہی سوچتا رہا کہ اس سے ملا جائے یا نہیں، پھر ہمت کر کے میں نے اس سے ملنے کا فیصلہ کر ہی لیا، جمعرات کے اس رات قوالوں نے سماں باندھا ہوا تھا، راجا بھی ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھا تھا، دن میں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، وہ بار بار سینے پر ہاتھ مارتا اور کہتا تیل لاؤ، تیل لاؤ، اس کے ہاتھوں میں تیل لگا ہوا تھا اور وہ اسے اپنے سینے پر ملتا، یا پھر لوہے کے چندہ بکس پر زور زور سے ہاتھ مارتا۔ رات کے آخری پہر جب قوالیاں اختتام پر تھیں تو راجا سے تفصیلی نشست ہوئی، کبھی وہ باتیں کرتا اور کبھی خاموش ہو جاتا، ساتھ بیٹھا ملنگ اسے پھر سے دلاسا دیتا، اس طرح کئی نشستوں میں اس کی دردناک کہانی پوری ہوئی۔

بابا صاحب اپنے علاقے، لانڈھی نمبر ایک کا مشہور عامل تھا، وہ کہتا تھا کہ اس کے عمل میں آیا انسان پانی نہیں مانگتا اور اس کے جادو کا کوئی توڑ نہیں کر سکتا، اس سے کام کرانے والے بھی کہتے ہیں کہ ایسا ہی تھا مگر نوچندی کی اس رات بابا صاحب نامی اس کالے علم کے ماہر کا علم اس کے کام نہیں آ سکا اور آج لانڈھی میں بابا صاحب ایک عبرتناک داستان بن کر رہ گیا ہے، اس کا گھر آج کھنڈر کا منظر پیش کرتا ہے اور اس کا وہ بیٹا، جس کی بلی دے کر وہ مکلی کے قدیم جنات کی پوری پلٹن کو اپنا غلام بنانا چاہتا تھا، مکلی میں ہی اس داستان کے آخری باب کو مکمل کرنے کا منتظر ہے۔ لانڈھی نمبر ایک میں فائر بریگیڈ کے اسٹیشن کے سامنے ہی بابا صاحب نامی اس عامل کا گھر تھا، وہ ناممکن کو ممکن بنانے کے دعوے کرتا تھا، سال میں ایک بار وہ ضرور مکلی جاتا، وہیں اس نے کئی چلے کاٹے اور کراچی میں کالے جادو کے عاملوں کا استاد بن گیا، مکلی کے قبرستان میں رات کے وقت کاٹے کسی چلے کے دوران اسے وہاں موجود ایک قدیم جنات کے بسیرے کا پتہ چلا جن کی طاقت حاصل کرنے کے بعد وہ، ناقابل شکست ہو جاتا، یہی سے اس کی بدنصیبی شروع ہوئی، اس نے کبھی کسی کو یہ نہیں بتایا کہ ان جنات تک اس کی رسائی کس طرح ہوئی یا کس نے اسے بتایا کہ وہ ان جنات کو

Marfat.com

قابو کرے تو نا قابل شکست ہو جائے گا۔بس اس نے اپنے کچھ قریبی ساتھیوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ مکلی کے جنات کی پوری پکھی کو اپنا غلام بنالے گا،مگر اس کے لئے انسانی قربانی کا بندوبست کرنا تھا، بابا صاحب نے اس کے لئے انوکھا راستہ چنا، وہ کسی کو اغوا کر کے اس کی بلی دے سکتا تھا مگر اس میں درپیش خطرات سے بچنے کے لئے اس نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کی بلی دینے کا فیصلہ کیا، راجا نامی یہ بیٹا شروع سے ہی مذہب کی طرف رجحان رکھتا تھا اور یہی بات بابا کو بھی اچھی نہیں لگتی تھی شاید اس نے اسی لئے اپنے اس بیٹے کی قربانی کا فیصلہ کیا، کالے علم کے کچھ عاملوں کو کہنا ہے کہ آج تک کم از کم پاکستان میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی عامل نے انسانی بلی دی ہو، کیوں کہ یہ بہت ہی خطرناک عمل ہوتا ہے اور اس کے لئے درکار مہارت اور علم بہت ہی کم لوگوں کی پاس ہوتا ہے، بابا یہی کچھ کر کے سب سے طاقتور بننا چاہتا تھا، جنات کی اس پکھی نے اس سے انسانی خون کی فرمائش کی تھی اور بابا انہیں یہ فراہم کرنے کے لئے تیار تھا، اس کا پروگرام یہ تھا کہ وہ سحر کے اثر سے اپنے بیٹے کو اس قدر معمول بنالے گا کہ وہ اس کے ہر حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کرے گا، اس نے اپنا چلہ گھر میں ہی شروع کیا، اوپر کا کمرہ اس کی سرگرمیوں کے لئے ہی مختص تھا وہ راتوں کو وہاں بیٹھ کر اپنے عملیات کرتا رہتا تھا، اس کمرے میں مختلف انسانی ہڈیاں، جانوروں کا گوشت اور تعویذات پڑے رہتے تھے، اپنے بیٹے پر سحر کرنے کے لئے وہ اسے ہر روز رات گئے کمرے میں بلاتا اور سحر کے زیر اثر لا کر سلا دیتا، پھر اس کے پتلے پر کچھ پڑھ کر پھونکیں مارتا رہتا۔ بابا جیسے ہی اپنا عمل شروع کرتا، مکلی کے جنات کمرے میں بھونچال مچا دیتے، ایسا لگتا کہ ہر طرف زلزلہ آ گیا ہو، گلی کے کتے اپنی دم ٹانگوں میں دبائے رات بھر خوف زدہ آوازوں میں روتے رہتے، پورے کمرے کی چیزیں کوئی نادیدہ چیز اٹھا کر ادھر سے ادھر پھینکتی رہتی مگر بابا، اپنے دائرے میں آرام سے آنکھیں بند کئے بیٹھا کچھ پڑھتا رہتا البتہ اس کا بیٹا ایک عذاب سے گزرتا رہتا، اس کے دانت آپس میں اس قدر سختی سے جڑ جاتے کہ بعض اوقات خون نکل آتا سانس پھول جاتی اور دل کی دھڑکنیں اس طرح تیز ہو جاتیں کہ لگتا کہیں دور ڈھول بج رہا ہے، آنکھیں ابل کر باہر آ جاتیں اور چہرے بگڑ جاتا، اپنا عمل مکمل

Marfat.com

کرنے کے بعد بابا سامنے پڑی چھری اٹھاتا اور بیٹے کے پتلے میں گھونپ دیتا، یہ عمل کا اختتام ہوتا، سب کچھ دوبارہ سے ٹھیک ہو جاتا، کمرے میں مچی دھما چوکڑی ختم ہو جاتی اور جنات واپس چلے جاتے مگر اس کا بیٹے کو ایسا لگتا تھا کہ سارا جسم چور چور ہو گیا ہے، اسے ہر روز ایسی ہی اذیت سے گزرنا پڑتا، اس کے بعد بابا اپنے دائرے سے باہر نکل کر سب سے پہلے اپنے بازو میں چھری سے ایک ہلکا گھاؤ لگاتا اور کسی جانور کی ہڈی سے اس پتلے پر کچھ لکھتا اور اس کے بعد اپنے بیٹے کے بازو سے خون نکال کر اس پتلے پر کچھ لکھتا، زخموں کو ٹھیک کرنے کے لئے وہ کوئی سفوف لگاتا جس سے زخم فوری ٹھیک ہو جاتے، صبح تک وہ دونوں کمرے کی چیزیں درست کر دیتے اور پھر وہ اپنے بیٹے کو سلا دیتا، شام تک راجا سوتا رہتا تھا، یوں کسی کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ رات بھر کمرے میں کیا ہوتا رہتا ہے۔

بابا کا یہ خوفناک روپ صرف اس کے بیٹے نے ہی دیکھا تھا، اس کے پاس آنے والے لوگ سمجھتے تھے کہ وہ کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہے، اس کے گھر والے بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ جنات کی مدد سے سارے کام کرتا ہے مگر کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ وہ کالے علم کا زبردست ماہر بھی ہے، وہ چالیس روز کا ایسا سخت چلہ کاٹ رہا تھا جس کی بعد صرف مکلی کے قبرستان جانا رہ جاتا، بابا کو اس کے بعد خود کچھ بھی نہیں کرنا تھا وہ صرف نگرانی کرتا اور اس کا بیٹا مطلوبہ مقام پر جا کر خود ہی اپنی بلی دے دیتا، مگر آخری رات سارا معاملہ بگڑ گیا۔

☆☆☆☆☆

دور اندھیرے میں غالباً درختوں کی شاخیں لہرا رہی تھیں مگر مجھے ایسا لگا کہ شاید مقبرے والا عفریت میرے تعاقب میں یہاں بھی آ پہنچا ہو، رات کے اس ٹھنڈے پہر، لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، بدن پر ہلکی سے کپکپاہٹ طاری تھی اور شرٹ کے اندر پسینے کے قطرے بہتے ہوئے صاف محسوس ہو رہے ہے، میری حالت دیکھ کر میرے ساتھ بیٹھا ملنگ ہنس کر بولا "میرے ہوتے ہوئے بھی تمہیں خوف محسوس ہو رہا

Marfat.com

ہے، یہاں کسی کا دم نہیں کہ کسی کو نقصان پہنچا سکے، یہاں تو ہر مخلوق آکر اللہ کی حفاظت میں آجاتی ہے۔ یہ وہی رات تھی جب میں راجا سے انٹرویو کررہا تھا، رات کے ابتدائی حصے میں جب اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو وہ بات کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور الٹے سیدھے جواب دیتا تھا، جب وہ ''حال'' میں آکر اپنے ہاتھ زور سے زور سے چندے کے بکس پر مارنے لگتا تھا وہی ملنگ اسے قابو کرتا تھا کہ کہیں وہ اپنے آپ کو زخمی نہ کرلے، اسی طرح میری اس ملنگ سے راہ رسم بڑھی اور میں نے اس سے راجا کے متعلق تفصیلات پوچھیں تو وہ بتانے لگا کہ یہ بہت ہی اسپیشل کیس ہے، راجا کے متعلق جو کچھ بھی میری معلومات تھیں وہ میں نے اس ملنگ کے سامنے رکھیں تو وہ بہت دیر تک ہنستا رہا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بولا ''چل تجھے ایک چیز دکھا کر لاؤں'' ہم دونوں اندھیرے میں باہر نکل آئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم کس طرف گئے اور وہ کون سی جگہ تھی، بس اتنا یاد ہے کہ اچانک اندھیرے میں گرم ہوا کا ایک تیز جھونکا زور سے بدن سے ٹکرایا اور پھر سامنے ایک کیم وجسیم کوئی دھندلی سے چیز، اپنے لہراتے ہوئے ہاتھ میری طرف پھیلائے کھڑی تھی، میں نے غیر ارادی طور پر چیخنے کی کوشش کی مگر آواز حلق سے باہر نہیں نکل سکی، میں نے بھاگنے کے لئے بہت زور لگایا مگر قدم اٹھانا میرے بس سے باہر تھا، بس اتنا ہوا کہ برابر میں کھڑے ملنگ کا ایک ہاتھ جو میرے ہاتھ میں تھا اس پر گرفت اتنی مظبوط ہوگئی کہ شاید وہ خود بھی گھبرا گیا، مجھے ایسا لگتا تھا کہ شاید دل کا دورہ پڑ گیا ہے، سانس لینے کی آوازیں، بجتے ڈھول کی طرح سینے سے آتی صاف محسوس ہوتی تھی، میری بگڑی حالت دیکھ کر ملنگ میرا ہاتھ کھینچتا ہوا واپس مزار تک آیا، اندر لوگوں کی درمیان بیٹھ کر جب سانس بحال ہوئی تو شرٹ پسینے میں بھیگی ہوئی تھی اور پانی کے کئی گلاس پینے کے بعد بھی ایسا لگتا تھا کہ گلا بالکل خشک ہو چکا ہے، تھوڑی دیر بعد ہی اچانک میری نظر مزار سے باہر درختوں کے جھنڈ پر پڑی تو غالباً وہ درختوں کی لہراتی شاخیں تھیں مگر مجھے ایسا محسوس کہ شاید قبرستان کا عفریت میرا تعاقب کرتا یہاں تک آ پہنچا ہے، اس پر ملنگ نے تسلی دی اور بتانا شروع کیا کہ وہ مجھے کہاں لے کر گیا تھا اور کیوں لے کر گیا تھا، اس رات، راجا سے بات کرنے سے قبل رات بھر ہم دونوں قبروں کے درمیاں ایک گوشے میں

Marfat.com

بیٹھے باتیں کرتے رہے، اندر مزار میں قوال اپنی محفل جمائے ہوئے تھے اور باہر آنگن میں وہ ملنگ مجھے مکلی کے قدیم جنات کی روایت سنا رہا تھا، وہی جنات جنہیں قابو میں کرنے کے لئے بہت سے عاملوں نے خواہش کی مگر وہ عملی قدم کی ہمت نہیں کر سکے، بہت سے لوگ آگے بھی بڑھے مگر کوئی بھی منزل تک نہیں پہنچ پایا، لانڈھی کا عامل بابا صاحب انہیں اپنا غلام بنانے میں تقریبا کامیاب ہو گیا تھا مگر ایک رات قبل اس کا پورا عمل الٹ گیا اور وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں انجام کو پہنچا، اس کے بعد سے آج تک، کالے علم کا کوئی ماہر ان تک نہیں پہنچ سکا، مکلی کے جنات کی داستان عجیب تو ہے مگر انتہائی خوف ناک بھی ہے، صدیوں قبل جب ٹھٹھہ علم کا گہوارہ تھا، اس وقت ایک جن نجانے کہاں سے یہاں پڑھنے آیا تھا، اس کے قبیلے کا خیال تھا کہ وہ علم وفن میں یکتا ہونے کے بعد قبیلے میں معلم اعلی بن جائے گا مگر اس نے یہاں ایک ایسی غلطی کی جو قبیلے کے لئے ناقابل قبول تھی اور اس کی پاداشت میں اسی زندہ دفن کر دیا گیا، مکلی کے جنات کی کہانی یہیں سے شروع ہوتی ہے، علم کے حصول کے دوران مارنے جانے والے اس جن کی تربت مکلی مین بنی اسی تربت پر اس کی ماں نے اپنا غم غلط کرنے کے لئے ڈیرہ ڈالا، اور آج صدیوں بعد مکلی میں ان قدیم جنات کی پوری پکھی قائم ہے، اگر مکلی میں جائیں تو آپ کا گائیڈ باقی مزارات کے بارے میں بتاتے ہوئے ایک ایسے مقبرے کے بارے میں بتائے گا جسے تین پریوں کا مقبرہ کہا جاتا ہے، یہی جگہ مکلی کے قدیم جنات کی پکھی ہے، یہ جنات علم وہنر میں یکتا ہیں، اپنے جدامجد کی یاد میں ان کا ہر فرد علم وہنر میں یکتا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اسی لئے کالے علم کے ماہر یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ان کو اپنے قابو میں لے تو وہ تمام عاملوں پر بھاری ہو جائے گا۔

جس وقت وہ ملنگ مکلی کے قدیم جنات کے بارے میں بتا رہا تھا، میں نے اس ملنگ سے بار بار اس کا نام پوچھا مگر وہ ہر بار جواب دیتا "بچے! نام تو پہچان کے لئے ہوتا ہے اور جن کی کوئی پہچان ہی نہ ہو ان کا نام کہاں سے آئے گا، میں تو ابھی تک اپنی تلاش میں ہی بھٹک رہا ہوں، نام کا مرحلہ تو اس کے بعد آتا ہے" پراسرار ملنگ بولتا رہا اور میں سنتا رہا، اس دوران میں نے کئی بار محسوس کیا کہ کوئی سرسراتی ہوئی چیز ہمارے درمیان گھوم رہی ہے، میں

Marfat.com

نے کئی بار گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا، چھٹی حس کسی کی موجودگی کی خبر دیتی تھی مگر کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا اور ملنگ ان سب چیزوں سے بے نیاز بولے جا رہا تھا مجھے نہیں معلوم کہ وہ سچ کہہ رہا تھا یا جھوٹ مگر اس کے ساتھ جا کر جس عفریت کو میں دیکھ کر آیا تھا، اس کی یاد اب بھی جسم میں سنسنی سی دوڑا دیتی ہے، اس کی آواز میں گہرائی تھی اور وہ بیکل و مضطرب لگتا تھا، اس کی بے چینی سے لگتا تھا کہ وہ کسی ادھورے پن کا شکار ہے، جذبات سے مغلوب آواز میں وہ بتا تا رہا ''صرف انسان ہی اپنی رسوم ورواج کے پابند نہیں ہوتے بلکہ جنات ان سے بھی زیادہ مجبور ہوتے ہیں، اور اسی مجبوری نے مکلی کے قبرستان میں تین پریوں کا مقبرہ اور وہاں پر جنات کی پکھی کو جنم دیا ہے، اس جن زادے کا نام قطبی تھا، کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں سے آیا البتہ اتنی روایت موجود ہے کہ وہ ٹھٹھہ کے ایک مدرسے کا سب سے لائق طالب علم تھا، مدرسے میں کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ انسان نہیں بلکہ جن ہے اس نے کبھی جنوں کی طرح کی کوئی حرکت نہیں کی، وہ مدرسے کی عام طالب علموں کی طرح مشقت کرتا، مدرسے میں جھاڑو لگاتا، آٹا گوندتا اور اپنی باری آنے پر روٹیاں بھی پکاتا، ہر کام کرتے وقت وہ اتنا ہی وقت لیتا جتنا دوسرے طالب علم لیتے تھے، وہ بھی سبق یاد نہ ہونے پر استاد کے ڈنڈے کھاتا اور درد کی شدت سے عام انسانوں کی طرح روتا، اس کی ذہانت اور شرافت نے استاد کی خصوصی شفقت اس کا نصیب بنا دی تھی مگر یہی اس کے نصیب پھوٹنے کا سبب بھی بن گئی، ایک بار استاد بہت بیمار پڑ گئے، شہر بھر کے ممتاز حکیموں نے ان کا علاج کیا مگر وہ مرض عام مرض نہیں تھا بلکہ مرض الموت تھا، استاد نے مرنے سے قبل قطبی کو بلایا اور اپنے تمام احسانات یاد دلا کر پوچھا کہ کیا وہ ان احسانات کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں، قطبی نے تمام احسانات کو تسلیم کیا اور اس کے جواب میں استاد نے قطبی سے اپنی آخری خواہش پوری کرنے کی فرمائش کر دی، مولوی صاحب کی ایک ہی بیٹی تھی اور ان کے مرنے کے بعد اس کا کوئی بھی محرم نہیں تھا مولوی صاحب مرنے سے قبل اپنے سب سے ذہین اور شریف شاگرد کی کو اپنا داماد بھی بنانا چاہتے تھے تاکہ بیٹی کا فرض چکانے کے بعد سکون سے آخری سفر پر روانہ ہو سکیں، قطبی کے پاس اس کا کوئی بھی جواب نہیں تھا، وہ جن تھا اور انسانوں میں شادی کرنا اس کے لئے منع تھا

Marfat.com

مگر وہ اپنے استاد کے سامنے انکار نہیں کر سکا اور مرتے ہوئے استاد اپنی بیٹی اسے سونپ گئے، نجانے کیوں استاد کو قطبی پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ ان کی بیٹی کو حفاظت اچھی طرح کر سکے گا اور اسے خوش رکھے گا، قطبی کے قبیلے میں کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، سب یہ سمجھتے تھے کہ وہ پڑھنے میں مصروف ہے اور قطبی بھی اس بات سے پریشان تھا کہ وہ کس طرح سے اپنے قبیلے میں بتائے کہ وہ شادی کر چکا ہے، خوفناک بات یہ تھی کہ اس کی نسبت قبیلے میں ہی طے ہو چکی تھی اور اگر وہ وہاں پر شادی نہ کرتا تو دونوں خاندانوں کا آپس میں کشت و خون شروع ہو جاتا، اس طرح نا تو قطبی نے کسی کو بتایا کہ وہ شادی کر چکا ہے اور نا ہی مدرسے میں انہوں نے کسی کو بتایا کہ وہ انسان نہیں بلکہ جن ہیں، آخر کار جب سال کی چھٹیاں ہوئیں اور سب طالب علم اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو قطبی کو بھی گھر جانا تھا، وہ اپنی بیوی کو ٹھٹھہ میں ہی چھوڑ کر اپنے قبیلے لوٹ گیا جہاں اس کی شادی کی تیاریاں شروع تھیں، اس نے پریشان ہو کر صاف انکار کر دیا کہ وہ ابھی شادی نہیں کر سکتا کیوں کہ ابھی اسے بہت پڑھنا ہے اور قبیلے کا معلم اعلی بننا ہے مگر اس کے والدین نے زور دیا کہ وہ ہر حال میں شادی کر کے ہی واپس جائے گا، بات بڑھ کر تلخ کلامی تک آئی اور ایک روز خاموشی سے قطبی اپنے قبیلے سے بھاگ کر ٹھٹھہ واپس آ گیا، چند مہینے تک خاموشی رہی، چھٹیاں ختم ہو گئیں اور مدرسہ دوبارہ شروع ہو گیا، اور پھر ایک روز وہ ہو گیا جس کی کسی کو بھی توقع نہیں تھی، اس روز مدرسہ صبح کو معمول کے مطابق شروع ہوا، سب طالب علم اپنا سبق پڑھ رہے تھے کہ اچانک قطبی بیٹھے بیٹھے زمین سے اچھلا اور دوسرے طالب علموں پر جا گرا، ایک تیز دھاڑ سے در و دیوار ہل کر رہ گئے، قطبی کا والد وہاں پہنچ گیا تھا اور ساری حقیقت اس کے سامنے آ چکی تھی، قطبی نے انسانوں میں شادی کر کے ایک ایسا جرم کیا تھا جس کی معافی نہیں تھی اور سزا موت سے کم نہیں تھی، قطبی کو سب نے کئی فٹ اچھلتے اور پھر سر کے بل زمین پر گرتے دیکھا، سب کا خیال تھا کہ اس کے جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہیں بچی ہو گی مگر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے سر، منہ سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکلا، وہ اپنے والد کو دیکھ کر طیش میں آ گیا اور چلایا کہ وہ یہاں پر کیوں آئے، جواب میں باپ نے بھی اسے لعن طعن شروع کر دی کہ جن ہو کر ایک

Marfat.com

انسان سے شادی کر چکا ہے اور یہ ایسا جرم ہے جس کی کوئی معافی نہیں، یہ معاملہ دیکھ کر پورے مدرسے میں ہلچل مچ گئی جس کا منہ جس طرف اٹھا وہ بھاگ نکلا، ہر طرف یہ بات پھیل گئی کہ استاد کی بیٹی سے شادی کرنے والا طالب علم قطبی انسان نہیں بلکہ جن ہے، یہ سن کر استاد کی بیٹی بیٹھے بیٹھے ہی دنیا سے رخصت ہوگئی، قطبی نے اپنے والد کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانا، جب قطبی کو اپنی بیوی کی موت کا علم ہوا تھا وہ ایسا جلال میں آیا کہ اس کی شرافت اور شستگی دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے، اس کا والد اکیلا تھا اس لئے کچھ نہیں کرسکتا تھا مگر اس نے قطبی کو باغی قرار دے دیا اور پھر قبیلے کے ساتھ مل کر سنگدلی کی ایک ایسی لرزہ خیز روایت قائم کی جو آج تک مکلی کے قدیم جنات کی پکھی اپنے ساتھ لئے پھر رہی ہے۔

☆☆☆☆

''قطبی کو اپنے کیے کی بہت بڑی سزا ملی، جنات کے پورے قبیلے نے اس باغی قرار دے کر مکلی کے قبرستان میں برف کی سلوں تلے دبا دیا اور وہ وہیں مر گیا، جب استاد صاحب کی بیٹی اور قطبی کی بیوی کا جنازہ قبرستان پہنچا تو قطبی کی لاش بھی وہیں موجود تھی، سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ انسان نہیں جن تھا مگر اس کے باوجود مدرسے میں اس کے ساتھ پڑھنے والے ساتھیوں نے قطبی اور اس کی بیوی کی قبریں ایک ساتھ بنا دیں، ان قبروں پر کچھ دن بعد ایک مجہول سی عورت آ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنی باقی پوری زندگی انہیں دونوں قبروں پر گزار دی، گو کہ عام لوگوں کو اس بارے میں علم نہیں تھا مگر رات کے وقت قبرستان آنے والے افراد عجیب وغریب افراد کو اس ملنگنی کے پاس بیٹھا دیکھتے، جلد ہی یہ بات مشہور ہو گئی کہ قطبی اور اس کی بیوی کی قبر پر بیٹھی عورت انسان نہیں بلکہ قطبی کی ماں اور جن ہے، برسوں ان دونوں قبروں پر گزارنے کے بعد جب اس کا انتقال ہوا تو اسے بھی لوگوں نے انہی دونوں قبروں کے پاس دفن کر دیا اور یہ جگہ تین پریوں کے مقبرے کے نام سے مشہور ہو

Marfat.com

گئی، آج بھی جو لوگ مکلی کے قبرستان سیر کرنے آتے ہیں، گائیڈ انہیں، قبرستان میں تقریبا دو کلو میٹر اندر، تین پریوں کے مقبرے پر ضرور لے کر جاتا ہے مگر یہ بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہے کہ تین پریوں کا مقبرہ کس طرح وجود میں آیا اور یہ تین پریاں کون تھیں، یہاں ان کی قبریں کس طرح بنیں، شروع میں کچھ لوگوں کو معلوم تھا مگر یہ تقریبا پانچ صدی قبل کی بات ہے، گزرتے وقت کی گرد نے جہاں اس مقبرے کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا ہے، یہ بات بھی اسی کھنڈر میں کہیں دفن ہو گئی ہے کہ تین پریاں کون تھیں اور کہاں سے آئی تھیں، ان میں سے ایک قبر انسان کی ہے اور دو جنات کی ہیں، استاد صاحب کی بیٹی اور قطبی کی بیوی انسان تھی جب کہ قطبی اور اس کی ماں جنات میں سے تھے، قطبی کی ماں اپنے بیٹے کی یاد میں اس کی قبر پر آ کر بیٹھ گئی تھی اور اس نے اپنی دنیا تیاگ دی تھی مگر اس کے پاس جنات میں سے اس کے رشتے دار آتے رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے قبیلے کے کچھ جنات نے یہاں مستقل ڈیرا ڈال لیا اور اس طرح پانچ صدی بعد مکلی میں جنات کا ایک بڑا قبیلہ آباد، تین پریوں کے مزار اور اطراف میں آباد ہو چکا ہے، قطبی چوں کہ ٹھٹھ میں علم حاصل کرنے آیا تھا اور اپنے قبیلے کا معلم اعلیٰ بننا چاہتا تھا اس وجہ سے اس کی قبر پر آباد ہونے والے جنات بھی قطبی کی یاد میں علم و ہنر میں یکتا ہوتے ہیں اور ہر طرح کا علم حاصل کرتے ہیں، ہر طرح کی علوم میں ماہر یہ جنات کسی بھی کالا علم کرنے والے یا عامل کے قبضے میں آ جائیں تو وہ ان کے علوم اور طاقت کو استعمال کر کے انتہائی طاقتور بن جائے گا یہی بات کالے علم کے ماہروں کو ان جنات کو اپنا غلام بنانے پر اکساتی ہے مگر سب لوگ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں اپنے قبضے میں لانا تقریبا ناممکن ہے، چوں کہ ان کے جد امجد کو قتل کیا گیا تھا اور اس قتل کا سبب ایک انسان تھا اس وجہ سے انہیں اپنا غلام بنانے کے لئے بنیادی شرط کسی انسان کی قربانی ہے، آج تک کوئی بھی عامل اس شرط کو پورا نہیں کر سکا، کئی عاملوں نے انہیں اپنا غلام بنانے کے لئے چلے کاٹے مگر سوائے ایک کے کوئی بھی اپنے چلے کا پہلا عشرہ کامیابی سے نہیں گزار سکا، ایسا صرف ایک عامل تھا جس نے اپنا چلہ تقریبا پورا کر لیا تھا، یہ عامل لانڈھی نمبر ایک کا بابا صاحب تھا جو سر عام کہتا تھا کہ اس کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا مگر وہ

Marfat.com

اپنے چلے کی آخری رات سے ایک رات قبل ہی کٹی پھٹی لاش میں تبدیل ہو گیا'' اپنی بات مکمل کر کے ملنگ خاموش ہو کر زمین کو گھورنے لگا، فضا میں خاصی خنکی تھی مگر اس کے باوجود ہم دونوں کے ہی ماتھے پر پسینے کی لکیریں بہہ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بتانے لگا: اب بھی تین پریوں کا مقبرہ ان جنات کا مسکن ہے کوئی بھی رات کو وہاں پر جائے تو خوف زدہ ہو کر بھاگ آتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ قبرستان کی وجہ سے آسیب اور سائے انہیں ڈراتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مکلی کے جنات ہیں''۔

لانڈھی نمبر ایک میں بیٹے کے ہاتھوں قتل ہونے والے کالے علم کے ماہر کے حوالے سے پولیس رپورٹ بتاتی ہے کہ اسے اپنے ہی بیٹے نے چھریوں کے وار کر کے قتل کیا مگر حقیقت کوئی نہیں جانتا کہ اسے کس نے قتل کیا، گو کہ اس کا بیٹا، راجا، رنگے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا، وہ پورا خون میں نہایا ہوا تھا اور اس کے پاس خنجر نما وہ چھری بھی تھی جس سے اس نے اپنے جادوگر باپ کو قتل کیا تھا مگر اسے سزا نہیں ہو سکی، گرفتاری کے بعد بھی وہ تھانے میں کہتا تھا کہ اسی نے ہی قتل کیا ہے اور اچھا کام کیا ہے مگر درحقیقت اس سے پولیس اہلکار بھی خوف زدہ تھے، وہ صاف طور پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی سحر کے زیر اثر ہے، پولیس اہلکاروں نے اسے عام لاک اپ میں دوسرے حوالاتیوں کے ہمراہ رکھنے کے بجائے ایک اور کمرے میں رکھا تھا، وہ ہر تھوڑی دیر بعد شور مچاتا کہ اس کا جسم جل رہا ہے اس تیل دو، اسے بڑی مقدار میں سرسوں کا تیل دیا جاتا تھا جسے وہ اپنے سینے پر ملتا رہتا تھا، اس کے باوجود وہ جنونی انداز میں شور مچاتا رہتا کہ اس کا بدن جل رہا ہے، راجا نامی لڑکے پر پولیس نے تفتیش کے اپنے روایتی طریقے نہیں اپنائے مگر اس کے باوجود وہ تسلیم کرتا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو قتل کیا ہے کیوں کہ وہ کالا جادو کرتا تھا اور اس پر بھی کالا جادو کر کے اس کی بلی دینا چاہتا تھا، وہ اس پر جب عمل کرتا تو اس کے پورے جسم میں آگ لگ جاتی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا، وہ سب کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا تھا مگر بظاہر اس پر غنودگی سے طاری رہتی تھی اور وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا، عمل کے دوران کوئی عجیب سے مخلوق کمرے میں چکراتی رہتی تھی اور اس پر تشدد بھی کرتی مگر وہ کچھ بھی نہیں کر پاتا، راجا کو بعد ازاں جیل منتقل کر دیا گیا

Marfat.com

اوراس پر باپ کے قتل کا مقدمہ بھی چلامگر وہ دن بدن اپنے حواس کھوتا جارہا تھا، کچھ اس کے پاگل پن کی وجہ سے اور کچھ، شاید گھر والوں کی طرف سے مقدمہ میں فریق نہ بننے کی وجہ سے اسے رہا کر دیا گیا، ویسے بھی یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس کا باپ کالا جادوگر تھا اور اپنے عمل کے دوران ہی پراسرار طور پر قتل ہوا، قتل کرنے والا ملزم اس عمل کے دوران معمول تھا اور دوران مقدمہ بھی پورے طریقے سے اپنے حواس میں نہیں تھا، گو کہ یہ بات واضح نہیں کہ وہ کس طرح سے رہا ہوا مگر یہ بات واضح ہے کہ وہ رہا ہوا اور مکلی کے قبرستان میں ایک مزار پر بھی موجود تھا۔

شاید صبح تین بجے کا وقت ہو گا جب قوال اپنی دوکان سمیٹ رہے تھے اور مزار کے احاطے میں سگریٹوں کا عجیب سا کڑوا دھواں ہر طرف بکھرا ہوا تھا، موٹے موٹے کپڑے پہنے کچھ ملنگ شاید چار مغز اور بھنگ کے ملے جلے سیال کے گھونٹ بھر رہے تھے، باہر بر آمدے میں میرے ساتھ بیٹھا ملنگ بھی خاموشی سے ایک قبر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ میں نے اسے دوبارہ راجا کے پاس چلنے کے لئے کہا، اندر مرکزی ہال تقریباً خالی ہو چکا تھا، رات بھر ہال کے گرد دوڑنے والی آسیب زدہ عورتیں اور مرد، جگہ جگہ نڈھال ہو کر آڑے ترچھے پڑے تھے، راجا بھی ایک طرف پڑا تھا، ملنگ نے اسے ہلا کر اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے باہر لے آیا، سفید رنگ کی نامعلوم قبروں کو درمیان ہم نے اپنی بیٹھک جمائی اور تینوں کسی نا کسی قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا اس نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا تو وہ ایک دم سے چونک پڑا، اس کا تیل میں چپڑا ہاتھ خود بخود سینے تک گیا اور پھر وہ خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا، میں نے اور ملنگ نے اسے بڑی مشکل سے اپنی کہانی سنانے پر آمادہ کیا ''ہم لوگ کورنگی میں رہتے تھے اور وہ جادوگر لانڈھی والے گھر میں رہتا تھا، میں اسی وجہ سے کورنگی اپنے ننھیال میں رہتا تھا کہ میرا والد مجھے اپنے عمل میں استعمال کرنا چاہتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے ساتھ اوپر عمل والے کمرے میں چلوں، مگر پتہ نہیں اس نے مجھ پر کیا جادو کیا کہ میں خوبخود لانڈھی اس کے گھر پر جانے لگا، وہ دن کو کوئی ایسا عمل کرتا کہ اندھیرا ہوتے ہی مجھے بے چینی ہونے لگتی اور میں گھر سے باہر نکل آتا بعض

Marfat.com

دفعہ تو میں پیدل ہی لانڈھی کی طرف چل پڑا اور پیدل ہی لانڈھی ایک نمبر پر اپنے والد کے گھر جا پہنچا، رات کو وہ مجھ پر عمل کرتا رہتا اور صبح کو میں واپس آجاتا، جب وہ عمل کرتا تو میرے جسم میں آگ لگ جاتی مگر میں پھر بھی زندہ رہتا اور مجھے بظاہر کوئی نقصان نہیں پہنچتا، ہر روز میں گھر واپس آنے کے بعد پختہ ارادہ کرتا کہ آئندہ وہاں نہیں جاؤں گا مگر میں پھر بھی رات ہوتے ہی وہاں پہنچ جاتا، پھر ایک رات جب وہ مجھ پر عمل کر رہا تھا تو اچانک مجھے ایسا لگا کہ میں اٹھ سکتا ہوں اور جو چاہے کر سکتا ہوں، حالاں کہ اس سے قبل جب میں ایک بار اس کمرے میں جا کر بیٹھ جاتا تھا تو پھر میرا جسم اپنے قابو میں نہیں رہتا تھا بس میں دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا مگر کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا، اس رات جب میں نے اپنے آپ کو آزاد محسوس کیا تو وہ آدمی اپنے عمل میں لگا ہوا تھا کچھ دیر تو مجھے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا اور پھر اچانک مجھے ایسا لگا کہ کوئی مجھے زبردستی اٹھا رہا ہے، میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سامنے پڑے پتلے میں پیوست چھری کھینچ کر باہر نکال لی، میرے باپ کو اس کا پتہ ہی نہیں چلا، حالاں کہ وہ کہتا تھا کہ وہ سوتے میں بھی سب دیکھتا رہتا ہے مگر اس رات اسے جاگتے میں بھی کچھ نظر نہیں آیا، میرے پورے جسم میں آگ لگی ہوئی تھی، میں نے چھری نکالی اور اس کے بالکل سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، مجھے خود نہیں پتہ کہ میں نے ایس کس طرح کر لیا مگر میں نے چھری بلند کی اور پہلا وار اس کی گردن پر کیا، اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کتنے وار کئے اور کس طرح کئے بس ایسا لگتا تھا کہ کوئی اور میرے جسم میں گھس گیا ہے اور وہ ہی سب کچھ کر رہا ہے، اس آدمی نے بھاگنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا، وہ کمرے میں ادھر ادھر بھاگتا رہا، پھر میں نے اسے گرا کر ذبح کر دیا اور سب کو بتا دیا کہ میں نے اس جادوگر کو ذبح کر دیا ہے، بعد میں پولیس مجھے لے گئی مگر میرے جسم میں لگی آگ نہیں بجھی، میرے سینے میں ایسا لگتا تھا کہ کسی نے انگارے بھر دیے ہوں بس جب تیل لگاتا ہوں تو کچھ سکون ملتا ہے، میں نے پولیس کو بتا دیا تھا کہ میں نے ثواب کا کام کیا ہے اور ایک کالے جادوگر کو قتل کیا ہے، پھر میں جیل سے چھوٹ گیا مگر میری طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی پورے جسم میں آگ لگی رہتی تھی، شروع میں تو ایسا ہر وقت ہی ہوتا تھا مگر آہستہ آہستہ یہ کچھ دیر کے لئے ہونے

Marfat.com

لگا، اچانک کسی بھی وقت یہاں آگ لگ جاتی ہے (یہ بتاتے ہوئے وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارنے لگا) پھر تیل لگاتا ہوں"۔

اس نوجوان کے بارے میں ایک بنگالی عامل نے دعوی کیا تھا کہ بابا صاحب نامی عامل جن جنات کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے بیٹے کر قربانی دینے کا عمل کر رہا تھا، انہوں نے اس کے بیٹے کے ہاتھوں خود اس عامل کا خون کرادیا، اب جو بھی اس لڑکے کو اپنے قابو میں کر لے گا وہی مکلی کے قدیم جنات کا بھی مالک ہوگا مگر راجا تک رسائی کی کوشش کرنے والے کسی بھی عامل کو مکلی کے جنات فوراً ہی مار ڈالیں گے کیوں کہ وہ خود اس کی حفاظت کر رہے ہیں، اس بات کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ جب میں نے مکلی میں عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر اس ملنگ سے پوچھا کہ راجا کے جسم میں آگ لگی کیوں محسوس ہوتی ہے تو اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا "جنات تو آتشی مخلوق ہے، جہاں ہوں گے تپش تو ہوگی"۔

☆☆☆☆☆

صبح کی اذان ہونے میں تقریباً دو گھنٹے باقی تھے جب ہم مکلی کے قبرستان میں بنے اس 500 سالہ قدیم اندھے کنویں میں اترے، کنویں کے ایک کونے پر لگا بیری کا درخت ہلکی ہلکی ہوا سے جھول رہا تھا، بیرونی دیوار کے ساتھ لگا درخت تقریباً پورا ہی کنویں کے اندر جھکا ہوا ہے، یہ بالکل وہی جگہ ہے جہاں سے سیڑھیاں شروع ہو کر کنویں کی اندرونی دیوار میں غائب ہو جاتی ہیں، میرے ساتھ آنے والا مقامی گائیڈ اظہر جوکھیو رسی تھامے کنویں کے باہر کھڑا تھا اور میں رسی کے ذریعے لٹک کر کنویں میں بنی سیڑھیوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا، موبائل فون کی مدھم روشنی میں سب کچھ صاف نظر تو نہیں آ رہا تھا مگر پھر بھی گزارے کے لئے کافی روشنی تھی، اظہر جوکھیو بار بار اوپر سے آواز دے کر پوچھتا کہ سیڑھیوں تک پہنچ گئے ہو یا نہیں؟ مگر سیڑھیاں اب بھی کافی دور تھیں اور پھر یہ کہ ہر بار جب وہ منہ کنویں کے اندر کر

Marfat.com

کے آواز کو دھیما کرنے کی کوشش میں سرگوشی کرتا تو اس کی آواز مزید خوفناک ہو جاتی، کنواں چوں کہ کافی گہرا تھا اور اس کے اندر ہی ایک اور چھوٹا کنواں بھی تھا، پھر کنویں کی دیواروں میں درجنوں کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں، ان کھڑکیوں کے عقب میں کئی کمرے بھی تھے اس وجہ سے آواز کافی دیر تک گونجتی رہتی، ایک بار جو کھیو بولتا اور کئی بار کنواں آوازیں بدل بدل کر اس کو دہراتا رہتا، کبھی کسی عورت کی آواز، کبھی کسی بچے کی آواز اور کبھی مرد کی آواز، میرے منہ میں موبائل دبا ہوا تھا اس وجہ سے جواب تو نہیں دے سکتا تھا مگر ہر بار رسی کو تھوڑا سا جھٹکا دیتا جس سے باہر رسی پکڑے مقامی گائیڈ کو اندازہ ہو جاتا کہ ابھی تک میں سیڑھیوں پر نہیں پہنچا ہوں، اس طرح وہ رسی مزید ڈھیلی چھوڑتا اور میں کچھ انچ نیچے کھسک آتا، کنویں کی اندرونی دیواریں کئی جگہ سے ادھڑی ہوئی تھیں، ان کی رگڑ سے جسم کئی جگہ سے چھل چکا تھا، سیڑھیاں ابھی کچھ دور تھیں کہ اچانک پاؤں کے پاس کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور اس کے بعد کوئی چیز میری ٹانگ پر لپٹنے لگی، فوراً ہی یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ کوئی سانپ پاؤں سے لپٹ گیا ہے، اسے جھٹکنے کے لئے جب میں نے پاؤں کو زور سے جھٹکا دیا تو اوپر سے رسی ٹوٹ گئی اور میں سیدھا سیڑھیوں پر گر کر لڑھکتا ہوا کنویں کی دیوار میں بنے ایک خانے میں جا پھنسا، اوپر کھڑا گائیڈ زور زور سے آوازیں دے رہا تھا مگر میرے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی، موبائل منہ سے نکل کر دور جا گرا تھا مگر اب تک اس کی ٹارچ جل رہی تھی، سانپ کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا۔

یہاں آنے سے قبل مجھے اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ کنواں سانپوں سے بھرا ہوا ہے، کنویں کی تہہ میں بنے زیر زمین کمرے اور کھڑکیاں ان کی رہائش گاہ ہیں، اسی کنویں کے بارے میں ان تینوں جرمنوں سے کافی بات ہوئی تھی جو دن میں یہاں گھومتے ہوئے ملے تھے، وہ تینوں بھی یہی چاہتے تھے کہ کنویں کے اندر اترا جائے انہوں نے سانپوں سے بچنے کے لئے خصوصی انتظام کیا ہوا تھا، کان کنوں والی ٹوپیاں بھی ان کی گاڑی میں رکھی ہوئی تھیں، ان ٹوپیوں کے آگے ٹارچ بھی نصب تھی، دو مردوں اور ایک عورت پر مبنی یہ گروپ، ملائیشیا، بھارت اور بنگلہ دیش سے گھومتا ہوا پاکستان آیا تھا اور کئی دن سے مکلی کے قبرستان

Marfat.com

میں چکراتا پھر رہا تھا میری جب ان سے بات ہوئی اور انہیں اسٹوری کے بارے میں پتہ چلا تو وہ پیچھا چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے تھے، میں جہاں بھی جاتا وہ تینوں پیچھے پیچھے چلے آتے، ان کی گاڑی میں ریفریجریٹر نصب تھا اور یہ مختلف ٹن پیک فوڈ آئٹمز سے بھرا ہوا تھا، نجانے انہیں کس نے یہ بتایا تھا کہ کئی قدیم مقبروں کے نیچے خفیہ کمرے موجود ہیں جہاں حنوط شدہ لاشیں، ان کے زیر استعمال اشیا اور خزانے بھی رکھے ہوئے ہیں، یہ تینوں ایسی ہی چیزوں کی تلاش میں بھارت کے مختلف مندروں، ، ملائشیا کے قدیم پہاڑی غاروں اور بنگلہ دیش کے جنگلوں کی خاک چھانتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اور اب یہاں مکلی میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، ان کے جسموں سے عجیب سی بدبو آتی تھی اور مردوں نے بھی سنہرے بالوں کی چٹیا بنائی ہوئی تھیں، شاید وہ قبرستان میں بنے اس قدیم کنویں میں اتر کر دیکھ چکے تھے یا پھر انہیں کسی مقامی چوکیدار نے بتایا تھا کہ کنواں سانپوں سے بھرا ہوا ہے، انہوں نے اپنی یہ معلومات مجھ سے شیئر کرنا ضروری سمجھا، وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ مل کر اس کنویں کی تلاشی لوں، دو افراد باہر کھڑے رہیں گے اور دو اندر جائیں گے، کنویں کی دیواروں میں بنے دروازے سے ایک شخص اندر جائے گا اور دوسرا باہر سیڑھیوں پر کھڑا رہے گا، وہ خود کنویں کے کمروں میں نہیں جانا چاہتے تھے اور کہتے تھے میں اندر کمروں میں جاؤں گا جب کہ ان کا ایک ساتھی باہر سیڑھیوں پر ٹارچ پکڑ کر کھڑا ہوگا، کنویں کی دیواروں میں بنی کھڑکیاں اور دروازے اتنے تنگ تھے کہ لیٹ کر اندر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کنویں کے کے اندر جانے والی سیڑھیاں تقریباً دس فٹ گہرائی میں جا کر اچانک زمین میں گم ہو جاتی ہیں، یہاں سے اندر جانے کے لئے تین فٹ کا ایک کھڑکی نما دروازہ ہے، اس دروازے سے اگر کنویں کے کمرے میں کوئی داخل بھی ہونا چاہے تو لیٹے بغیر اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں، ان جرمنوں کی لیڈر شاید خاتون تھی وہی زیادہ انگریزی بھی جانتی تھی اور وہی سب کچھ طے کر رہی تھی اس کا کہنا تھا کہ اگر کنوں کے اندر سے کوئی چیز برآمد ہوئی تو وہ ہم آپس میں برابر تقسیم کریں گے، مقامی افراد کی خدمات کا معاوضہ بھی وہ خود، ادا کرنے پر راضی تھے مگر شرط یہ تھی کہ میں ان کے ساتھ کنویں کی تلاشی لوں، میں نے انہیں

Marfat.com

ٹالنے کے لئے قبرستان کے کئی چکر لگائے، مزاروں پر ملنگوں سے گپیں ہانکنے میں کئی گھنٹے لگائے مگر وہ سکون سے بیٹھے انتظار کرتے رہے اور آخر کار ہم لوگ قبرستان سے باہر آگئے، سڑک کے دوسری طرف پہاڑ پر کالکان مندر بنا ہوا ہے، یہاں بھی عجیب اور پراسرار غار ہیں میں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ مندر میں موجود کوئی فرد معقول معاوضے پر ہمارے ساتھ کنویں میں اترنے پر راضی ہو جائے گا، اس لئے ہم لوگ یہاں چلے آئے، مندر میں بڑے بڑے کڑے پہنے پیلے لباس میں موجود ایک بچاری ان لوگوں سے بات کرنے اور انہیں مندر کی سیر کرانے لگا، میرے لئے یہ وقت اچھا تھا کہ میں خاموشی سے وہاں سے کھسک آیا، چوروں کے کنوں کے نام سے مشہور، مکلی کے اس قدیم کنویں میں اترنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر ریلوے کے ایک ڈرائیور نے اپنی بے بسی کی کچھ ایسی کہانی سنائی کہ اس کی مدد کرنے کے لئے کنویں کا رخ کرنا پڑا، ریلوے کے شیخ نامی اس ڈرائیور نے کئی قتل کئے تھے، وہ انہیں قتل ہی کہتا ہے گو کہ حقیقت میں اس کا کوئی بھی قصور نہیں کہ ریلوے ٹریک پر تیز رفتار ٹرین کے آگے اگر کوئی کود جائے یا اتفاقی طور پر آجائے تو اس میں انجن ڈرائیور کا کوئی قصور نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود، شیخ کا کہنا تھا کہ وہ کئی بندے مار چکا ہے اور اب اسے اپنے اس گناہ سے پیچھا چھڑانا ہے، اسی مقصد کے لئے وہ مکلی کے قبرستان میں بنے، عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر بسیرا کئے ہوئے ہے، اس سے ہماری ملاقات، کئی روز قبل ہوئی تھی اور اس رات عباس نے اس سے گھنٹوں باتیں کیں، صبح کے وقت جب ہم لوگ سونے کے لئے اٹھے تو دوستی پکی ہو چکی تھی، وہ اپنی زندگی کی تمام کہانی سنا چکا تھا اور ہم نے بھی اس کی پوری مدد کرنے کی ہامی بھر لی تھی، شیخ کا کہنا تھا کہ اسے پہلے ہی خواب میں بتا دیا گیا تھا کہ کوئی اچانک آئے گا اور اس کی مدد کرے گا، اب ہم لوگ آگئے ہیں اور ہمیں ہر حال میں اس کی مدد کرنا ہو گی، ریلوے کے اسی ڈرائیور سے ملنے کے لئے ہم لوگ اس کنویں میں اترے تھے، کیوں کہ اسے کسی نے بتایا تھا یا پھر خود یہ اس کی اپنی ذہنی اختراع تھی کہ اسے کنویں کے اندر بنے کمروں میں بیٹھ کر ساری رات عبادت کرنا ہو گی اس کے بعد ہی اس کے گناہ معاف ہو سکیں گے، اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ کئی بار کنویں کے اندر اتر چکا ہے، اندر سانپ

Marfat.com

موجود ہیں مگر یہ سانپ کسی کو کچھ نہیں کہتے اس لئے بے دھڑک چلے آنا، میں بھی اظہر جوکھیو کو لے کر بے دھڑک چلا گیا۔

مکلی کے قدیم کنویں کے بارے میں کئی روایات ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ تر بوڑھے ملنگ بتاتے ہیں کہ دراصل یہ کنواں جیل خانہ تھا جہاں بڑے بڑے چوروں اور قاتلوں کو بند کیا جاتا تھا، یہ ایسے لوگ تھے جنہیں اندر بند کرنے کے بعد کوئی پلٹ کر خبر نہیں لیتا تھا، قیدی اندر بھوک پیاس سے دم توڑ دیتا تھا یا پھر انسانی گوشت کے عادی ہو جانے والے بڑے بڑے چوہے زندہ انسانوں کو نوچ نوچ کر کھا جاتے، جب بھی کوئی نیا قیدی اس کنویں کی کوٹھڑیوں میں بند کیا جاتا تو کئی گھنٹوں تک اس کی بھیانک چیخیں علاقے میں گونجتی رہتیں، اس طرح صدیوں قبل کی اس زیر زمین اور اپنی نوعیت کی شاید، واحد جیل کی تنگ کوٹھڑیوں میں ہر طرف ڈھانچے بکھرے پڑے ہیں، جب کہ کچھ ملنگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ چوہوں کے کھانے سے قبل ہی قیدی مر چکا ہوتا تھا کیوں کہ زیر زمیں ان اندھیری کوٹھڑیوں میں کچھ ایسی مخلوق بھی رہتی تھی جس کے وجود کی تاب قیدی نہ لا سکتا اور خوف کی وجہ سے مر جاتا یا پھر جنات وغیرہ اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے، اس بات کی گواہی آج بھی مکلی کے قبرستان میں تعینات، محکمہ آثار قدیمہ کے مقامی ملازمین دیتے ہیں کہ کنویں میں مرنے والے قیدیوں کی بدروحیں ہر اوماس کی رات کنویں میں چیختی رہتی ہیں ان کی آوازیں باہر بھی سنائی دیتی ہیں، دس پندرہ سال قبل تک اس کنویں کو کھلا رکھا گیا تھا اور کوئی بھی سیڑھیاں اتر کر اندر جا سکتا تھا، مقامی چوکیداروں کے مطابق، پھر یہاں تسلسل کے ساتھ کئی پراسرار واقعات ہوئے اور کنویں کے اندر اترنے والے لوگ غائب ہو گئے، ان کے ساتھ آنے والوں نے یہ بتایا کہ ان کے ساتھی کنویں کے اندر بنے کمروں نما کوٹھڑیوں کے اندر گئے تھے مگر باہر نہیں آئے نا ہی ان کی آواز سنائی دی، اس کے باوجود کوئی بھی انہیں ڈھونڈنے کے لئے کنویں کی ان کوٹھڑیوں کے اندر جانے کو تیار نہیں تھا، جب ان واقعات کی رپورٹس محکمہ آثار قدیمہ کے اعلی افسران کو پہنچیں تو انہوں نے کنویں کو بند کرنے کا حکم دیا اور اس طرح کنویں کے اندر جانے والے سیڑھیوں پر لوہے کا دروازہ لگا کر اس میں بھاری تالہ ڈال

Marfat.com

دیا گیا، اب اگر کوئی کنویں کے اندر جانا چاہے تو اس کے پاس دو راستے ہیں یا تو وہ کنویں کی دیوار پر چڑھ کر اندر دس فٹ نیچے سیڑھیوں پر چھلانگ مار دے، اس طریقے کے بارے میں ریلوے کے انجن ڈرائیور نے بتایا تھا، واپس باہر آنے کے لئے اس کا کہنا تھا دیواروں میں درزیں بنی ہوئی ہیں ان میں پیر پھنسا کر باہر نکلا جا سکتا ہے مگر حقیقت میں مجھے وہاں ایسی کوئی دراڑ نظر نہیں آئی کو باہر نکلنے میں مدد دے سکے۔ دوسرا طریقہ وہی تھا کہ ایک شخص رسی پکڑ کر باہر کھڑا ہو اور دوسرا اس سے لٹک کر اندر جائے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ دسمبر کی ایک سرد اور دھند بھری صبح تھی جب شیخ کے ہاتھوں پہلا قتل ہوا، اس روز ڈیوٹی پر آنے سے قبل ہی اس کا دل کچھ عجیب سے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا، جب اس نے انجن کا چارج لیا تو اس کا خیال تھا کہ صرف تھکاوٹ کی وجہ سے اس پر کاہلی چھائی ہوئی ہے مگر بعد میں اسے یہ اندازہ ہوا کہ وہ محض کاہلی نہیں تھی بلکہ ایک ایسے بھیانک اور طویل عہد کا آغاز تھا جس نے اسے ریلوے کے انجن ڈرائیور سے درگاہوں پر پھرنے والا ملنگ بنا دیا، صبح کے وقت وہ مسافر ٹرین کو سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑاتا ہوا روہڑی جنکشن کی طرف جا رہا تھا کہ کمبل کی گرمی نے خاموشی سے اسے نیند کی گود میں دھکیل دیا، شیخ سلیم کو آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ایسا صرف چند لمحوں کے لئے ہوا تھا غنودگی آتے ہی وہ آگے کی طرف جھکا اور اس کی آنکھ کھل گئی، سامنے پٹڑی پر دور تک دودھیا دھند چھائی ہوئی تھی صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی مگر دھند کی وجہ سے چند فٹ آگے کا منظر بھی صاف نظر نہیں آتا تھا، جب سلیم کی آنکھ کھلی تو سامنے کا منظر دیکھ کر خوف سے اسے سانس رکتا ہوا محسوس ہوا، میلے سے کپڑوں اور چادر میں ملبوس بوڑھا سا شخص پٹڑی کے عین درمیان کھڑا، حیرت، خوف، پریشانی یا نجانے کس جذبے کے زیر اثر ٹرین کی طرف دیکھ رہا تھا، صرف ایک لمحے کے لئے دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں، دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر سب

Marfat.com

کچھ ختم ہو گیا، سلیم کو اتنا وقت بھی نہیں مل سکا کہ وہ بریک لگا سکتا یا کوشش ہی کر سکتا، اس نے بریک اس وقت لگائی جب بوڑھے کے ٹکڑے کئی میٹر پیچھے رہ گئے تھے، ٹرین کئی گھنٹے تک رکی رہی اور سخت سردی میں بھی شیخ کو پسینے آتے رہے، اس کے ہاتھوں پر لرزہ طاری تھا اور اسے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ وہ ٹرین کو منزل تک لیجا بھی سکے گا یا نہیں۔ اس بوڑھے کی لاش دیکھنے سلیم بھی گیا مگر وہاں پر لاش نہیں تھی بلکہ گوشت کی کئی ٹکڑے تھے، اسے بوڑھے کا سر بھی دیکھنے کو ملا، ایک آنکھ سلامت رہ گئی تھی، پوری کھلی ہوئی آنکھ، یہ عین وہی منظر تھا جو سلیم نے حادثے سے عین قبل اس وقت دیکھا تھا جب ٹرین بوڑھے کو کچلنے ہی والی تھی اور دونوں کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے چار ہوئی تھیں، اس حادثے کے کئی ہفتے بعد تک سلیم ڈیوٹی پر نہیں گیا، ریل کی آواز سنتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے وہی فلم چلنا شروع ہو جاتی، آخر کار دوستوں اور افسروں کی طرف سے حوصلہ افزائی اور شاک کی کیفیت کم ہونے کے بعد اس نے دوبارہ سے انجن کی سیٹ سنبھال لی مگر یہ وہ شیخ سلیم نہیں تھا جو ریلوے نے بھرتی کیا تھا، اس سلیم نے پہلے قتل کے بعد کتنے قتل کئے، خود اسے بھی یاد نہیں، ٹرین کے نیچے آ کر ٹکڑوں میں بدل جانے والے دیہاتی بوڑھے کی لاش نے سلیم کو کسی رات بھی اکیلا نہیں چھوڑا، اس نے جب بھی رات کو ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، وہ لاش ٹکڑوں سے پھر مجسم ہوئی اور ٹرین کی پٹڑی پر انجن کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی، کئی بار سلیم نے ایمرجنسی بریک لگایا تو وہ لاش نظروں کا دھوکہ نکلی اور کئی بار جب اس نے بریک نہیں لگایا تو ایک اور شخص اس کے انجن تلے آ کر کچلا گیا، اور ہر بار جب اس کے کھاتے میں ایک اور قتل کا اضافہ ہوا، اس کی ٹرین کے آگے بھٹکنے والی روحوں میں بھی ایک اضافہ ہو گیا، اس نے مزاروں کے چکر لگائے، تعویذ گنڈے کرائے مگر مقتولین کی روحوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، پھر بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اکثر ایسا ہوتا کہ اس کے کھاتے کا کوئی مقتول اسی طرح کٹے پھٹے جسم کے ساتھ اس کی ٹرین کی سامنے کھڑا ہو جاتا، یا پھر اچانک کوئی پٹڑی پر نمودار ہو جاتا، بعض اوقات یہ نظروں کا دھوکہ نکلتا اور وہ بریک لگا کر پچھتاتا مگر بعض اوقات یہ حقیقت ہوتی اور ایسے موقع پر وہ بریک نہیں لگاتا تو پھر......

Marfat.com

دسمبر کی اس سرد صبح ہونے والے اس حادثے کے بعد مقتولین کے روحوں نے سلیم کا تعاقب کچھ اس طرح کیا کہ وہ آج ریلوے کا ڈرائیور نہیں بلکہ مکلی کے مزاروں پر مجاور بنا بیٹھا ہے، اس کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت تک یہاں سے نہیں جائے گا جب تک مرحومین کی روحیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ دیتیں، اور ایسا کب ہوگا؟ خود اس ملنگ کو بھی نہیں پتہ، بس وہ امید اور آرزو میں اپنی زندگی کے دن مختلف مزاروں پر بیتا رہا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ پڑھنے والے یہ سوچیں کہ سلیم قاتل نہیں ہے، حقیقت یہی ہے کہ وہ قاتل نہیں مگر خود اس کا یہی کہنا تھا کہ اس کے ہاتھوں قتل ہوئے، وہ انجن ڈرائیور تھا اور اس کی ٹرین کے نیچے لوگ آکر مرے اور وہ اسے قتل ہی سمجھتا ہے۔ سلیم سے ہماری ملاقات مکلی کے قبرستان میں عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر ہوئی تھی، اس ڈرائیور کو مقامی دوست صحافی، عباس نے کھوج کر نکالا تھا وہ مزار کے صحن میں نصب بڑی سے دیگ کے پاس، اپنے سامنے ایک پیالہ رکھے گم سم سا بیٹھا تھا، تقریبا سفید بڑے بڑے بالوں پر روایتی ٹوپی سلیقے سے جمی ہوئی تھی اور عام ملنگوں کے برعکس اس نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے، اندر مزار سے آسیب زدہ لوگوں کی چیخوں کے ساتھ ساتھ قوالوں کی تانیں آپس میں مل کر فضا میں عجیب سا شور پیدا کر رہی تھیں۔ عباس وہیں زمین پر سلیم کے ساتھ بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگے اور اس طرح کئی گھنٹوں بعد وہ اپنی اصل کہانی سنانے پر رضا مند ہو گیا، جب اس نے یہ بتایا کہ وہ ریلوے کا انجن ڈرائیور ہے اور یہاں پر بدروحوں سے اپنا پیچھا چھڑانے آیا ہے تو مجھے ایسا لگا کہ شاید اس کا ذہنی توازن درست نہیں مگر بعد میں اس کی گفتگو سے پتہ چلا کہ وہ کس عذاب میں گرفتار ہے، سلیم کو ملنگ بنے برسوں گزر چکے ہیں اور وہ اپنی ملازمت بہت پہلے ترک کر چکا ہے، شروع میں جب اس کے ساتھ اس قسم کے واقعات ہوئے تو لوگوں کے مشورے پر وہ گولڑہ گیا، مری کے جنگلوں میں بابا لعل شاہ کے مزار پر گیا مگر اس کا پیچھا روحوں سے نہیں چھٹ سکا، آخر کار اسے کسی ملنگ نے مکلی کے قبرستان جانے کا کہا اور یہاں وہ گھومتا ہوا عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر جا نکلا، یہاں بھی اسے برسوں ہو گئے ہیں مگر وہ انتظار میں ہے، کہ اسے بتایا گیا ہے کہ کوئی ایسا شخص آئے گا جو اس

Marfat.com

کی مدد کرے گا اس طرح اس کی جان ان مقتولین کی روحوں سے چھٹ سکے گی جو اس کی ٹرین کے نیچے آکر کر جاں بحق ہوئے۔ سلیم کی کہانی سننے کے دوران ہم اس سے مذاق بھی کرتے رہے، اسے کسی دوسرے ملنگ نے بتایا تھا وہ مکلی میں کسی ایسی جگہ پر جائے جہاں برسوں سے کسی کے قدم نہیں پڑے ہوں، وہاں بیٹھ کر اسے دعا کرنا ہوگی کہ جو چیز بھی اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے، ویران جگہ پر عبادت کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھنا پڑے گا جب تک اس کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ سلیم کے لئے یہ بات اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن تھی وہ مکلی کے ہر مزار پر گیا، ہر قدیم مقبرے میں جا کر اس نے کئی راتیں گزاریں، زیرزمین کمروں کی بھی اس نے کھوج لگائی مگر اس کا پیچھا نہیں چھوٹا، وہ رات کو اکثر دیکھتا کہ سفید کپڑوں والا وہ بوڑھا جو سب سے پہلے اس کی گاڑی کے نیچے آیا تھا، کھڑا اسے گھور رہا ہے، کبھی ایسا ہوتا کہ سوتے میں اسے محسوس ہوتا کہ کوئی اس کے ساتھ لیٹا ہوا ہے، جب وہ آنکھیں کھول کر دیکھتا تو سفید چادروں میں ملبوس لوگ اس کے ساتھ جڑے لیٹے ہیں، عبداللہ شاہ اصحابی کے مزار پر اسے ایک ملنگ نے یہ بتایا تھا کہ جو لوگ اس کی ٹرین تلے آکر ہلاک ہوئے ان کی روحیں اس کا پیچھا کر رہی ہیں اسی ملنگ نے سلیم کو مکلی کی کسی ایسی ویران جگہ جانے کا مشورہ دیا تھا جہاں برسوں سے کسی کے قدم نہ پڑے ہوں، اسے کوئی اور جگہ تو نہیں ملی مگر ایک سپیرے نے اسے یہ بتا دیا کہ چوروں کے کنویں میں وہ آسانی سے بیٹھ سکتا ہے جہاں بنے زیرزمین کمروں میں برسوں تو کیا صدیوں سے کوئی نہیں گیا ہے، ان کمروں میں سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ مکلی کے قبرستان کے قریب ہی جھگیوں پر مشتمل جوگیوں کی ایک بستی ہے، یہاں کے جوگی دیگر شہروں میں جا کر گھر گھر سانپ کا تماشہ دکھاتے اور روزی کماتے ہیں، ان جوگیوں کا کہنا ہے کہ اس ویران کنویں میں رہنے والے سانپ ایک بزرگ سے معاہدے کے تحت یہاں رہ رہے ہیں اور اس وجہ سے یہ کسی کو بھی نہیں کاٹتے، یہ بھی کسی کو نہیں معلوم کہ سانپوں کے روپ میں کون سی مخلوق یہاں پر رہ رہی ہے مگر آج تک کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی سانپ نے قدیم کنویں کے قریب کسی کو کاٹا ہو، اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ کنویں کے سانپ کسی کو اس

Marfat.com

وقت تک نہیں کاٹتے جب تک انہیں چھیڑا نہ جائے، اماوس کی رات یہ سانپ بالکل بے ضرر ہو جاتے ہیں، مگر کیوں؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جوگیوں کا قبیلہ اس رات یہاں کنویں کے قریب سانپوں کا شکار کرتے ہیں مگر یہ لوگ بھی کبھی کنویں کے اندر اترنے یا کمروں میں جانے کی جرات نہیں کرتے، ریلوے ڈرائیور کو بھی جوگیوں کے اسی قبیلے کے کسی سپیرے نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ واقعی قبرستان میں کسی ایسی جگہ کو تلاش کر رہا ہے جہاں برسوں سے کوئی نہ گیا ہو تو وہ کنویں کے کمروں کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہو سکتی، اتنا سننے کے بعد شیخ تیار ہو گیا کہ وہ کنویں کے کمروں میں جائے گا اور وہاں اس وقت تک دعائیں کرتا رہے گا جب تک اس کا پیچھا مقتولین کی روحوں سے نہیں چھوٹ جاتا۔ جس رات ہم نے اس سے تفصیلی گفتگو کی وہ خاصا پر جوش نظر آرہا تھا، اس کا کہنا تھا اتنے سالوں میں پہلی بار کسی نے اس طرح تفصیلات پوچھیں ہیں اور اسے ہمارا ہی انتظار تھا کیوں کہ اسے یہ اشارے دیے گئے تھے کہ کوئی آئے گا جو اس کی مدد کرے گا اور اس طرح اس کا مسئلہ حل ہو سکے گا، سلیم کا کہنا تھا کہ ہم بھی اس کے ساتھ کنویں پر چلیں، وہ عربی پڑھنا نہیں جانتا اور قرآن پاک ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتا لہذا اس کے ساتھ بیٹھ کر سورہ یاسین اور سورہ جن پڑھنی ہو گی، ہم نے شیخ سے پیچھا چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر اب وہ کسی بھی صورت ہمیں چھوڑنے پر راضی نہیں تھا، اس کا کہنا تھا کہ اگلی رات وہ ہر حال میں کنویں میں جائے گا اور زیر زمین بنے کمروں میں بیٹھ کر دعا کرے گا کہ اس کا پیچھا کرنے والی روحیں چلی جائیں اور وہ نارمل زندگی گزار سکے، صبح جب ہم لوگ سونے کے لئے اٹھے تو اس سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ اگلی رات ہم اسے کنویں کے اندر مل جائیں گے، گو کہ یہ وعدہ جان چھڑانے کے لئے ہی تھا مگر بعد میں صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ واقعی وہ وہاں گیا ہے اور گیا ہے تو وہ وہاں کیا کر رہا ہے، ہم نے کنویں میں اترنے کا فیصلہ کیا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

پندرہویں کھڑکی سے نیچے کنویں کے تنگ اختتام پر کبھی پانی رہا ہوگا مگر اب وہ بالکل خشک تھا تہہ سے لے کر چار فٹ اوپر تک بنے محراب نما دروازے سے سیڑھیاں اوپر کی طرف جاتی نظر آرہی تھیں، موبائل فون ٹارچ کی ہلکی روشنی میں اوپر کی طرف جاتی سیڑھیاں صاف نظر آتی تھیں، روشنی پڑتی ہی سیڑھیوں کے اختتام پر سرسراہٹ کی آواز سنائی دی اور کوئی چیز نیچے کی طرف پھسلنے لگی، صرف ایک لمحے کے لئے اس پر میری نظر جمی، وہ سرمئی رنگ کا چمکدار سانپ تھا، شیخ کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے کنویں کے اوپر کھڑا جوکھیو بھی بار بار آوازیں دے رہا تھا، سانپ کو دوبارہ دیکھ کر میں ادھڑی ہوئی سیڑھیوں پر تیزی سے اوپر کی طرف بھاگا، اظہر رسی جوڑ کر اندر لٹکا چکا تھا، رسی تھام کر کنویں کی دیواروں میں بنی درزوں میں پیر جماتا میں باہر نکلا تو کنویں کے کنارے لگا بیری کا درخت ایسے جھوم رہا تھا کہ جیسے تیز ہوا چل رہی ہو مگر فضا میں سناٹا اور بارش سے قبل کی سی حبس تھی جب کہ ہوا کا نام و نشان بھی نہ تھا، کنویں کے اندر اچھی طرح ہم نے دیکھ لیا تھا مگر ریلوے ڈرائیور کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور آیا بھی ہے یا نہیں، اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ کنویں کے اندر بنے کمروں میں بیٹھا ملے گا اور ایک موم بتی اپنے ہمراہ لے کر جائے گا، مگر پہلی کھڑکی سے لے کر پندرہویں کھڑکی تک، ہم نے ہر جگہ جھانک کر دیکھ لیا وہ کہیں بھی نہیں تھا، مکلی کے قبرستان میں بنے اس قدیم کنویں کا دہانہ تقریباً پچاس فٹ چوڑا ہے مگر جیسے جیسے اس کے اندر جاتے جائیں دہانہ تنگ ہوتا جاتا ہے، ایک طرح سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تین منزلہ کنواں ہے کیوں کہ اس میں بنی پندرہ کھڑکیوں کو تین منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر منزل پر پانچ کھڑکیاں ہیں ہر کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے چھجا سا بنا ہوا ہے اسی چھجے سے مزید نیچے کی طرف سیڑھیاں جاتی ہین پہلی منزل پر سیڑھیاں دیوار میں اندر کی طرف بنے کمرے میں جارہی ہیں جب کہ نیچے کی منزل میں کھڑکیوں کے سامنے سے گزرتی سیڑھیوں سے اندر کمرے میں جھانکا تو جاسکتا ہے مگر اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے، کنویں کے اندر اترنے کے بعد جب میں نے پہلی منزل پر بنے اس تنگ دروازے سے اندر کی طرف نگاہ ڈالی تو منظر رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا، اندر کی طرف دور تک تنگ

Marfat.com

سارا رستہ جا رہا تھا، جگہ جگہ ہڈیاں اور ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے، فرش پر سانپ ادھر سے ادھر رینگتے پھر رہے تھے، شاید روشنی اندر پڑنے کی وجہ سے ان میں ہلچل مچ گئی تھی، کوئی سانپ بھی کھڑکی کی طرف نہیں آرہا تھا یہ سب مزید اندر کی طرف سرنگ میں رینگ رہے تھے، اس سرنگ کا دوسرا دہانہ پتہ نہیں کہاں تھا، اندر سرنگ میں جانے کی ہمت نہیں تھی، کنویں میں مزید نیچے جانے کے لئے کھڑکی نما دروازے کی اندر جا کر سیڑھیوں سے گزرنا پڑتا۔ اندر موجود سانپوں اور ڈھانچوں کو دیکھنے کے بعد اتنی ہمت تو نہیں تھی کہ اس کوٹھڑی نما کمرے میں داخل ہوتا البتہ نیچے جانے کے لئے میں نے کنویں کی دیوار میں موجود درزوں میں پیر پھنسانے اور چند فٹ نیچے موجود چھجے پر چھلانگ لگادی۔

دن میں جب ہم لوگ اس کنویں کا جائزہ لے رہے تھے تو ان تینوں جرمنوں سے بھی ملاقات ہوئی جو کنویں کے گرد منڈلاتے پھر رہے تھے، یہیں ان سے ہیلو ہائے ہوئی اور پھر قدیم مقبروں پر بات چل نکلی۔ وہ لوگ کافی دن سے یہاں مکلی کے قبرستان اور مقبروں میں نجانے کیا کھوجتے پھر رہے تھے۔ اس سے قبل وہ لاہور اور ٹیکسلا سے بھی ہو کر آئے تھے شروع میں ان کا کہنا تھا کہ وہ آثار قدیمہ پر کام کر رہے ہیں مگر بعد میں جب واقفیت کچھ زیادہ ہوگئی تو وہ اپنے مطلب کی بات پر اتر آئے، ایک عورت اور دو مردوں پر مشتمل جرمن ٹیم کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھی صدیوں قدیم ہو اور اسے وہ اپنی دریافت قرار دے سکیں یا پھر شاید وہ کسی خزانے کی تلاش میں تھے، مکلی جیسے پسماندہ قصبے میں کسی پوشیدہ خزانے کا باقی رہ جانا بجائے خود ایک عجوبہ ہوتا مگر ان جرمنوں کا خیال تھا کہ کنویں کے اندر صرف کمرے ہی نہیں بنے ہوئے بلکہ ایسے کنویں جہاں کہیں بھی پائے گئے ہیں ان میں چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں سے ساتھ ساتھ سرنگیں بھی ہیں، یہ سرنگیں یا تو کسی خفیہ کمرے یا مقام کی طرف جا رہی ہیں یا پھر فرار کے راستے کے طور پر تعمیر کرائی گئیں تھیں، چوں کہ مکلی کے قبرستان میں نا تو کوئی قلعہ ہے جہاں کا محاصرہ کیئے جانے کا خدشہ ہوتا نا ہی کسی کو یہاں سے فرار ہونے کی ضرورت پیش آتی، اس کے باوجود اس کنویں میں اس طرح کے کمروں اور سرنگوں کی موجودگی سمجھ سے بالاتر تھی، جرمنوں کا اصرار تھا کہ یہاں یقیناً کوئی ایسی جگہ ہے

Marfat.com

جہاں اس کنویں سے سرنگ جا رہی ہے، ان کا خیال تھا کہ ضرور کنویں کے اندر سے راستہ دوسرے مقبروں تک جا رہا ہے، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ لاہور کے لال قلعہ میں ایسا ہی ایک کنواں دیکھ چکے ہیں، اس کنویں کو بھی بالکل اسی انداز میں تعمیر کیا گیا ہے جس طرح کا کنواں مکلی میں ہے، مغل بادشاہ لال قلعہ والے کنویں کو قلعہ سے باہر نکلنے کے لئے خفیہ راستے کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے اور کنویں کے اندر بنے کمروں میں سے ایک کمرے میں، ایک اور دروازہ تھا جو سرنگ کا کنویں میں دہانہ تھا یہ سرنگ قلعے کے کئی کمروں سے گزرتی ہوئی فصیل کے باہر تک جاتی تھی، اسے تعمیر کرنے کا مقصد یہ تھا کسی بھی محاصرے کی صورت میں قلعے کے باہر رابطہ بحال رہے، گو کہ مکلی کے قبرستان میں ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی مگر پھر بھی کنواں موجود ہے اور اس میں بنے زیر زمین کمرے بھی۔ جرمنوں کی بتائی بات کو پرکھنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ خود کنویں میں اترا جائے اور ان کمروں میں جا کر دیکھا جائے کہ واقعی ایسی سرنگ بھی موجود ہے، ان کی بات درست ہی نکلی کیوں کہ مکلی کے کنویں میں دو دروازے ایسے تھے جہاں سے سرنگ کی طرف راستہ جا رہا تھا ایک راستہ کنویں کی تہہ میں تھا جہاں بنے چھوٹے سے دروازے سے سیڑھیاں دوبارہ کی طرف جا رہی تھیں جب کہ کنویں کی پہلی منزل پر بھی ایسا ہی دروازہ تھا جہاں سے بیٹھ کر ہی اندر داخل ہوا جا سکتا تھا، یہاں بھی سرنگ دور تک جاتی نظر آ رہی تھی بعض جگہوں پر ملبہ بھی پڑا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ شاید اندر سرنگ میں گردش ایام نے کافی توڑ پھوڑ مچائی ہے، اس جگہ پر ایک اور بات بھی محسوس ہوئی کہ اندر جھانکنے پر آنکھوں میں جلن شروع ہو جاتی تھی اور آنسو بہنے لگتے جب کہ سانس لیتے ہوئے بھی گلے میں کڑواہٹ سی محسوس ہوتی، گو کہ باہر فضا میں حبس تھا مگر اس کے باوجود سانس لینے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی مگر اندر کنویں کی سرنگ میں عجیب سی گھٹن تھی، شاید آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ایسا تھا یا پھر سرنگ کا دوسرا دہانہ بند ہو چکا تھا اور اندر زہریلی گیس بھری ہوئی تھی جس کی وجہ سے آنکھوں میں جلن اور آنسو آتے تھے، دن میں جب جرمنوں سے بات ہوئی تھی تو ان کا پلان یہ تھا کہ کنویں میں اترنے سے قبل آکسیجن کے سلنڈر اور ماسک پہنے جائیں، سر پر ٹارچ والی ٹوپی اور ہاتھوں میں دستانے چڑھائے

Marfat.com

جائیں مگر اس تنگ جگہ پر آکسیجن کا سلنڈر لاد کر جانا اپنے آپ کو پھنسانے کے مترادف تھا، جہاں آدمی سیدھا ہو کر بیٹھ نہ سکے وہاں کمر پر لدا آکسیجن کا سلنڈر کیسے جاتا؟ یہ بات ان جرمنوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی وہ بار بار اپنے پاس موجود جرمن زبان میں لکھی کتاب دکھاتے جس میں لاہور کے شاہی قلعے کی ڈرائنگ موجود تھی، اسی ڈرائنگ میں یہ دکھایا گیا تھا کہ قلعے کے کنویں میں کس طرح سے راستے بنائے گئے تھے، اور کہاں کہاں سے نکلنے یا داخل ہونے کے خفیہ راستے رکھے گئے تھے، حیران کن بات یہ تھی کہ اس ڈرائنگ میں یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ اس خفیہ سرنگ میں ہاتھی اور گھوڑے بھی چلتے ہوئے دکھائے گئے تھے، جرمنوں کا کہنا تھا کہ دراصل یہ سرنگ محاصرہ کرنے والی فوج پر شب خون مارنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا اسی راستے کے ذریعے گھوڑے اور آہن پوش ہاتھی قلعے سے باہر لائے جاتے، دشمن کو اس بات کا پتہ اس وقت تک نہ چلتا جب تک شب خون مارنے والے دستے ان کے سر پر نہ پہنچ جاتے، مگر اس کتاب میں یہ نہیں دکھایا گیا کہ ہاتھی اور گھوڑے قلعے کے اندر سے آخر اس سرنگ میں کہاں سے داخل ہوتے کیوں کہ کنویں کے اندر سے جو راستہ دیا گیا تھا وہ اتنا تنگ تھا کہ صرف انسان ہی داخل ہو سکیں پھر اس سرنگ تک پہنچنے کے لئے تنگ سیڑھیوں کے ذریعے کنویں کی تہہ تک پہنچنا پڑتا تھا، ظاہر ہے ہاتھی اور گھوڑے اس راستے کو استعمال نہیں کر سکتے تھے، البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی اور راستے سے ہاتھی اور گھوڑے سرنگ میں داخل کئے جاتے ہوں۔ کتاب میں ہی ایک اور جگہ اسکیچ کی صورت میں دکھایا گیا تھا کہ سرنگ درمیان سے بیٹھ گئی ہے اور نیچے سے گزرنے والے دستے اندر ہی دب گئے ہیں، جرمنوں کا کہنا تھا کہ لاہور کے شاہی قلعے کی سرنگ صدیوں قبل ہی اس وقت نا قابل استعمال ہو گئی تھی جب ایک بار کسی جنگ کے دوران کوئی دستہ اس راستے سے قلعے سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں کی دھمک اور ہاتھیوں کی دھمک کی وجہ سے سرنگ بیٹھ گئی اور کوئی بھی باہر نہیں نکل سکا، چوں کہ سرنگ کے اندر کی طرف پختہ اینٹیں اور پتھر لگائے گئے تھے، اندر کی طرف کوئی ستون نہیں تھا بلکہ انہیں اینٹوں اور پتھروں کے سہارے سرنگ کھڑی تھی لہذا جب ایک جگہ سے سرنگ بیٹھنا شروع ہوئی تو کافی دور تک بیٹھی چلی گئی اور اسی وجہ

Marfat.com

سے امدادی کارروائی بھی نہیں کی گئی کہ مزید جانیں ضائع ہونے کا خطرہ تھا گزرتی صدیوں نے اس سرنگ میں دبے انسانوں کو تو مٹا ڈالا ہو گا مگر ان کے ہتھیار، سامان اور چاندی کے زرہ پوش، ہاتھیوں اور گھوڑوں کی ڈھالیں اب تک وہاں محفوظ ہو گئیں، بڑے بڑے بالوں والا جرمن جب لاہور کے شاہی قلعے کی سرنگ میں موجود قدیم جنگجوؤں کی باقیات اور ہتھیاروں کی باتیں کر رہا تھا تو اس کے چہرے پر عجیب پراسراریت اور الفاظوں میں معنی خیزی تھی، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ اس خزانے کو نکالنے کا کھوجنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس نے فوراً ہی اپنا کھردرا ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیا جیسے وہ مجھے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دے رہا ہو۔

☆☆☆☆☆☆

سورج یا تو ڈوب چکا تھا یا ڈوبنے والا تھا، مغرب کی طرف، دور نیچے نشیب میں شاید کھیت لگے تھے یا پھر ویسے ہی ہریالی تھی، اسی ہریالی کے اوپر ڈوبتے سورج کی پیلاہٹ پھیلی ہوئی تھی، یہاں پر قدیم قبریں اس طرح بکھری پڑی تھیں جیسے کسی نے بلڈوزر کے ذریعے انہیں بری طرح روندا ہو، تینوں جرمن حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا ہوا، جب کہ ان کے ساتھ موجود خاتون تیزی سے بھاگ بھاگ کر کبھی ایک پتھر کو اٹھاتی، الٹ پلٹ کر دیکھتی اور عجیب وغریب آوازیں نکال کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنے لگتی، جب کہ باقی دونوں تصویریں بنانے میں مگن تھے سامنے ہی عظیم الشان مسجد کھڑی تھی، گو کہ قبریں کھنڈر ہو چکی تھیں مگر مسجد کے در و دیوار بالکل سلامت تھے، کہیں کہیں سے پلستر اکھڑ چکا تھا مگر ٹوٹ پھوٹ اتنی زیادہ نہیں تھی، جب جرمن اندر مسجد میں داخل ہونے لگے تو میں نے انہیں روکا کہ یہ مسجد ہے وہ اس میں داخل نہ ہوں مگر وہ نہ مانے اور اندر داخل ہو گئے، یہاں تک آنے کیلئے کافی راستہ پیدل طے کرنا پڑا تھا جب کہ گاڑی وہ دور پارک کر آئے تھے، ادھ کھلی قبروں کو پھلانگتے خوردرو جھاڑ جھنکاڑ کو روندتے یہاں پہنچے تو وسیع میدان میں کہیں کہیں

Marfat.com

گھاس لگی ہوئی تھی اور کہیں سے گھاس اس طرح مسلی ہوئی تھی جیسے یہاں ہاتھی پھرتے رہے ہوں، مسجد کا فرش کچی اینٹوں سے بنا ہوا تھا جب کہ دیواروں اور محرابوں پر قیمتی ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ کوئی ہمارے پاس سے گذرا ہے، قدموں کی ہلکی سی چاپ اور کپڑوں کی سرسراہٹ صاف سنائی دیتی تھی، جرمن خاتون زمین پر جھکی، لوئر ٹو ٹاپ، اینگل سے مسجد کی ایک دیوار کی تصویر لینے کی کافی دیر سے کوشش کر رہی تھی مگر ہر بار اس کی تصویر خراب ہو جاتی اور وہ مغلظات کی بوچھاڑ کر دیتی جب کہ اس کے دوسرے دونوں ساتھی ہنس ہنس کر دہرے ہوتے رہتے، جب پہلی بار کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو ہم سمجھے کہ شاید قدیم مسجد کے باہر کوئی آیا ہے، مگر یہ ہمارا وہم ہی تھا تھوڑی دیر بعد ہی قدموں کی چاپ اور کپڑوں کی سرسراہٹ بڑھتی گئی، ایسا لگتا تھا کہ درجنوں افراد ادھر ادھر چل پھر رہے ہیں، تینوں جرمن اپنی اپنی جگہ پر حیرت کی وجہ سے ساکت کھڑے تھے جب کہ خاتون کے چہرے پر خوف کی وجہ سے کپکپاہٹ صاف نظر آ رہی تھی، آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں اور اب لوٹوں سے پانی بہنے، گلا کھنکارنے اور کلیاں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں، ابھی اندھیرا پوری طرح نہیں پھیلا تھا مگر گھڑی کے مطابق یہ عین مغرب کا وقت تھا، روشنی اتنی تھی کہ ہر طرف کا منظر صاف نظر آ رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ پراسرار وجود دکھائی نہیں دیتے تھے جو ہمارے اطراف میں گھوم پھر رہے تھے، بڑے بڑے بالوں والا جرمن اپنے ہاتھ میں پسٹل پکڑے گردن گھمائے ادھر ادھر ایسے دیکھ رہا تھا کہ کسی پر نظر پڑتے ہی فائر کر دے گا، میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا بھی کہ وہ فائر نہ کرے مگر خوف کی وجہ سے اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کرے، باقی دونوں مسجد کے باہر کی طرف کان لگائے کچھ سننے کی کوشش کر رہے تھے، شاید ان کا خیال تھا کہ باہر کچھ لوگ ہیں، یہاں آنے سے قبل بھی لمبے بالوں والے جرمن کا خیال تھا کہ یہاں کے مقامی لوگ لوٹ مار کی وارداتیں کرتے ہیں، اس لئے کسی بھی ویران جگہ پر تنہا جانا ٹھیک نہیں ہوتا، اس نے اپنی شرٹ اٹھا کر بیلٹ بھی دکھایا جس میں پسٹل لگا ہوا تھا، وہ بار بار میری توجہ اس طرف کراتا اور بولتا ''جرمن میڈ، جرمن میڈ...... 100 پرسنٹ گارنٹی'' شاید وہ مجھے بھی اس لئے دھمکا رہا تھا کہ اس کے

Marfat.com

ساتھ کوئی ''چھیڑ چھاڑ'' نہ کروں۔مگر جب قبرستان میں تقریباً پانچ کلو میٹر اندر کی طرف ویران جگہ پر بنی قدیم مسجد میں مغرب کے وقت پر اسرار چہل پہل شروع ہوئی تو پسٹل میں ہاتھ میں موجود ہونے کے باوجود اس کی گھبراہٹ اور خوف کو دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ کتنا بہادر ہے۔محتاط انداز میں چلتے ہوئے ہم چاروں مسجد سے باہر کی طرف آئے، دور دور تک سناٹا تھا،کسی طرف بھی کوئی موجود نہیں تھا،مسجد کے باہر وہ آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں جو اندر سنائی دیتی تھیں، کچھ دیر باہر کھڑے ہونے کے بعد جب کچھ بھی نہیں ہوا تو سب ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اسے کیا سنائی دیا تھا،سب کے تاثرات ایک جیسے ہی تھے،سب نے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ بہت سے لوگ چل پھر رہے ہیں اور پھر لوٹوں سے پانی بہنے، گلا کھنکار کے صاف کرنے اور کلیاں کرنے کی آوازیں واضح طور پر سنائی دی تھیں، میں نے مشورہ دیا کہ اندر چل کر دوبارہ دیکھنا چاہئے کہ اب کیا صورتحال ہے،اب بھی آوازیں آرہی ہیں یا نہیں،مگر جرمنوں نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا،ان کا کہنا تھا کہ اگر میں جانا چاہتا ہوں تو جاؤں وہ واپس جار ہے ہیں، لمبے بالوں والا جرمن اپنا پسٹل بھی واپس رکھنے پر تیار نہیں تھا،اس نے اپنے ہاتھ میں تھامے پسٹل کو سر کے قریب، بالکل فلمی انداز میں اس طرح رکھا ہوا تھا کہ جیسے ہی کسی طرف سے کوئی نمودار ہوا تو وہ بلا دریغ فائر کر دے گا، تیز تیز قدموں سے جب ہم واپس آرہے تھے تب بھی وہ تینوں چلتے چلتے گھوم گھوم کر چاروں طرف نجانے کیا ڈھونڈ رہے تھے،تقریباً نصف کلو میٹر چلنے کے بعد ہم لوگ اس کچی پگڈنڈی نما سڑک پر پہنچ گئے جو مکلی کے قبرستان کا مرکزی راستہ ہے اور ایک سرے سے دوسرے سرے چلا گیا ہے،اس کچی سڑک کو بھی چند ماہ قبل ہی ٹریکٹر کے ذریعے بنایا گیا ہے، مقامی لوگ بتاتے ہیں کہ کسی وزیر نے یہاں ایک مزار پر حاضری دینے آنا تھا، جب کہ اس مزار تک جانے کا کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جس پر وزیر موصوف کا بلٹ پروف قافلہ چل سکتا،لہذا انتظامیہ نے ٹریکٹروں کی مدد سے ایک کچا راستہ بنا دیا، راستے جو بھی قبریں آئیں انہیں برابر کر دیا گیا،اس طرح یہ پگڈنڈی وجود میں آئی جو مکلی کے قبرستان میں ایک سرے سے شروع کر قوس کی شکل میں چار کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے واپس باہر نکل آتی ہے، جب کہ

Marfat.com

اس جگہ قبرستان تقریبا پندرہ کلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے، اب اگر کوئی جگہ اس پگڈنڈی کے راستے میں نہیں آتی تو پھر وہاں تک جانے کے گاڑی سے اتر کر پیدل جانا پڑتا ہے، ویران مسجد بھی اس طرح اس پگڈنڈی سے تقریبا نصف کلو میٹر دور ہے، یہ نصف کلو میٹر راستہ قبروں، جھاڑیوں اور آک کے خاردار پودوں سے بھرا ہوا ہے، یہاں پر بعض چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں ایسی ہیں جو اگر جسم کے کسی حصے سے مس ہو جائیں تو ایک دم سخت خارش شروع ہو جاتی ہے اور چند گھنٹے بعد متاثرہ جگہ پر پیپ کے دانے نکل آتے ہیں، انہی خطرناک جھاڑیوں کی وجہ سے اس جگہ نا تو کوئی کتا دکھائی دیتا ہے نا ہی کوئی اور جانور، حیرت کی بات یہ ہے کہ ایسی جھاڑیاں صرف چند مخصوص جگہوں پر پائی جاتی ہیں، مکلی کے قبرستان میں ایسی ہی ایک جگہ ویران مسجد کی طرف جانے والا راستہ ہے، اس مسجد میں پراسرار ہل چل دیکھ کر خوف سے جب جرمن پارٹی فرار ہوئی تو تیز رفتاری کے باعث کسی نے بھی اس کی پروا نہیں کی کہ کہاں پر کون سی جھاڑیاں لگی ہوئی ہیں، میں نے جینز اور جوتے پہن رکھے تھے مگر جرمن خاتون اور لمبے بالوں والے شخص نے جینز تو پہن رکھی تھی مگر ان کے جوتے نہیں تھے، انہوں نے گرمی کی وجہ سے سلیپر پہن رکھے تھے، تیز قدموں سے جھاڑیوں کو روندتی جب ہم کچی پگڈنڈی تک پہنچے تو ہلکی ہلکی روشنی باقی رہ گئی تھی، واپڈا کے پاور ہاؤس کے پول دور نشیب میں سایوں کی طرح نظر آرہے تھے یہ وہی جگہ تھی جہاں چند ماہ قبل ایک جرمن خاتون اسکالر کو نامعلوم افراد نے لوٹ لیا تھا، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی زیادہ قیمتی چیزیں نہیں تھیں اور نا ہی اس نے لٹیروں سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس کی قیمتی چیزیں مثلا رقم وغیرہ واپس کریں بلکہ اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ اس کی نوٹ بک واپس کردی جائے جس میں اس نے اپنے سالوں کی محنت جمع کر رکھی تھی، اسی نوٹ بک میں مکلی کے قبرستان سے متعلق وہ تمام باتیں تھیں جو اس نے مہینوں تک یہاں رہنے کے دوران دیکھیں یا کھوجی تھیں، اس کی یہ ڈائری پھر کبھی کسی کو نہ ملی نا ہی یہ پتہ چل سکا کہ وہ لوگ کون تھے جو اس کی ڈائری چھین کر لے گئے، فلورنس کے بارے میں جو کچھ میڈیا میں آیا وہ یہ تھا کہ اس سے پولیس نے اچھا سلوک نہیں کیا اور چور گرفتار کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی

Marfat.com

مگر ایک اور بات جو ریکارڈ پر نہیں آ سکی وہ یہ تھی کہ فلورنس یہاں پر کافی عرصے سے مقیم تھی اور اسے تمام مقامی لوگ اچھی طرح سے جانتے تھے، اس کی سب سے اچھی سلام دعا ہو گئی تھی اور کوئی بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا کیوں کہ لوگ اسے اپنا مہمان سمجھتے تھے، جب اس کے ساتھ یہ واقعہ ہوا تو مقامی دیہاتیوں اور وڈیروں نے اپنے طور پر ایک انکوائری کرائی اور ایسے تمام مشتبہ افراد سے اپنے مقامی طریقے سے پوچھ گچھ کی کہ کس نے یہ حرکت کی ہے مگر جرائم پیشہ افراد سے لے کر شرفاء تک، کوئی بھی اس کام میں ملوث نہیں تھا کیوں کہ فلورنس نے کسی کو بھی شناخت کرنے سے انکار کر دیا تھا، مقامی لوگوں نے اس کے سامنے کئی افراد پیش کیے، ان میں چور بھی تھے اور مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے بھی، ایک مقامی وڈیرے نے اسے اپنی عزت کا معاملہ قرار دے کر ایسے تمام افراد کو طلب کیا تھا جو چوری وغیرہ کی وارداتیں کرتے تھے، یہ سب لوگ فلورنس کے سامنے پیش کیے گئے کہ وہ انہیں شناخت کرے مگر وہ کسی کو بھی شناخت نہیں کر سکی، سب آج تک حیران ہیں کہ ایسی حرکت کرنے والا کون تھا، پولیس اہلکاروں نے بھی اس کے ساتھ حیران کن طور پر غلط رویہ اسی لئے اپنایا کہ وہ شدید دباؤ کے باوجود کچھ بھی نہ کر سکے تھے جب کہ مقامی بااثر لوگ ان پر ہر حال میں چور پکڑنے کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے۔

پگڈنڈی پر ایک طرف کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر جب ہم لوگ تیز رفتاری سے مین گیٹ کی طرف جا رہے تھے تو لمبے بالوں والا جرمن اور خاتون پاگلوں کی طرح اپنے پاؤں کھجاتے جاتے اور ایک کریم اپنی متاثرہ جلد پر لگاتے جاتے تھے۔

☆☆☆☆☆

اگر کوئی نیا آدمی ان کے حجرے میں داخل ہو جائے تو چیخیں مار کر بھاگ نکلتا ہے، یہاں ہمیشہ عجیب اور محیر العقول واقعات نواردوں کے منتظر رہتے ہیں، بچے بوڑھوں کی آواز میں بولتے ہیں اور بوڑھے بچوں کی طرح بات کرتے ہیں، عورتیں مرد بنی نظر آتی ہیں اور مرد

Marfat.com

عورتوں کی آواز میں چیخ چلا رہے ہوتے ہیں، ایک اور منظر بھی کبھی کبھار ان لوگوں کو اپنی بینائی کے حوالے سے شک میں ڈال دیتا ہے جو اچانک اس جھونپڑے نما کمرے میں داخل ہو جائیں، انہیں نیم تاریک کمرے میں دھویں کے بنے انسانی ہیولے چلتے پھرتے اور باتیں کرتے نظر آتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کا سر نہیں ہوتا اور کوئی بغیر ٹانگوں کا ہوتا ہے، یہ تو زبان زد عام ہے کہ انسانوں کے روپ میں، رات دیر گئے اور صبح سویرے یہاں پر آنے والے اجنبیوں میں سے اکثر انسان نہیں جنات ہوتے ہیں، جناتی بابا خود ان باتوں کے جواب میں کچھ نہیں کہتے ،بس ان کے لبوں پر ایک پر اسرار مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسانیت کی خدمت سب سے بڑا عمل ہے، اگر کسی کو ان سے کوئی نقصان پہنچا تو بات کرے، ہم تو فائدہ پہنچانے کے لئے یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ جناتی بابا کے نام سے مشہور ساٹھ سالہ شخص ہیں جو مکلی کے جنات کے حوالے سے مشہور ہیں، ان سے ملاقات عجیب انداز میں ہوئی، رات دیر گئے جب ہم ان سے ملاقات کے لئے سنسان سے جگہ پر بنے ان کے حجرے اور مسجد میں پہنچے تو سناٹا ایسا ہیبت ناک تھا کہ کہیں کتے بھی نہیں بھونکتے تھے، رات زیادہ بھیگنے کی وجہ سے امید تھی کہ جناتی بابا اپنے دروازے بند کئے یا تو کسی عمل میں مشغول ہوں گے یا پھر محو استراحت ہوں گے، مگر خلاف معمول ان کا دروازہ کھلا مل گیا، تھوڑا سا دباؤ ڈالنے پر دروازہ کھل گیا اور سامنے کھلے صحن کو عبور کر کے مسجد نما حجرہ تھا، ایک طرف کچھ ٹونٹیاں وغیرہ لگی ہوئی تھیں اور دوسرے طرف شاید باتھ روم بنے تھے، ایک طرف کھڑے ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ ایک طرف اندھیرے سے ''اللہ اکبر'' کا زوردار نعرہ بلند ہوا اور ساتھ ہی بھاری بھرکم شخص جست لگا کر اوپر آن پڑا، یہاں آنے سے قبل کی بریفنگ میں بتایا گیا تھا کہ جنات اور جناتی بابا کا دوستی کا ساتھ ہے، ان کے آس پاس، کہیں بھی اور کسی بھی وقت جنات سے ملاقات کو متوقع رکھنا چاہئے اور خوف زدہ ہونے کے بجائے حواس ہر حال میں بحال رہنے چاہئیں، جنات کی جو تمام اقسام بتائی گئیں تھیں ان میں بھاری بھرکم شخص کا وجود کہیں بھی نہیں تھا البتہ انہیں دھویں کے مرغولوں اور ہیولوں کی طرح کا بتایا گیا تھا، جب وہ موٹا سا شخص نعرہ لگاتا ہوا برآمد ہوا تو خوف کے مارے یہاں

Marfat.com

سے بھی خود بخود ''اللہ'' کے نعرے بلند ہوئے، اس نے آتے ہیں جکڑ لیا اور کہنے لگا'' بھاگنے کی کوشش مت کرنا، غلام رسول کی گرفت سے نکلنا آسان نہیں ہے، ہاتھ پیر تڑوا بیٹھو گے، بہت دیر سے انتظار کر رہا تھا میں، ٹونٹیاں اور لوٹے تو تم لوگ لے گئے تھے چرا کر اب کیا لینے آئے تھے؟ اللہ کے گھر کو بھی نہیں چھوڑتے'' اپنا نام غلام رسول بتانے والا پیلے بلب کی روشنی میں انسان ہی لگ رہا تھا، چست، سیاہ بنیان میں اس کی تو ند کچھ زیادہ ہی باہر نکلی ہوئی لگ رہی تھی، بڑے بڑے بال عجیب انداز میں کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے جن میں کوئی خوشبودار تیل لگایا ہوا تھا، تیل کی وجہ سے اس کا چہرہ بھی چمک رہا تھا، لوہے جیسے ہاتھوں میں وہ بازو کو مروڑتے ہوئے سوال بھی کرتا جاتا تھا اور بولنے بھی نہیں دیتا تھا، جب بھی اسے بتانے کی کوشش کرتے کہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں، وہ دھاڑنے کے انداز میں کہتا، ''لوٹے اور ٹونٹیاں کہاں چھوڑی ہیں اور آج کیا لینے آئے تھے؟''

شور سن کر اندر حجرے میں کچھ ہل چل سی پیدا ہوئی، لکڑی کا دروازہ کھلا اور ایک نحیف سا شخص باہر نکل آیا، چھوٹی سی کھچڑی داڑھی کے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ تھے، اس نے ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر آنکھوں پر رکھا اور آنکھیں سکیڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگا، غلام رسول نے اسے دیکھا اور خوشی سے لرزتی آواز میں کہنے لگا'' میاں جی! دیکھو میں نے پکڑ ہی لیا انہیں! یہی لوگ پرسوں اسٹیل کے لوٹے اور ٹونٹیاں کھول کر لے گئے تھے، آج پھر آئے تھے یہ، میں نے دروازہ کھول رکھا تھا، اندر سے نہ تو تالا لگایا اور نا ہی کنڈی، یہاں اندھیرے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا تھا، یہ خاموشی سے اندر آ کر جائزہ لے رہے تھے کہ میں نے پکڑ لیا'' اتنا کہہ کر اس نے اپنا بڑا سا منہ کھولا اور زوردار قہقہہ لگایا۔

جناتی بابا سے ملاقات سے قبل ہی انہیں میں نے عباس کے ذریعے ملاقات کا پیغام بھیجا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ آج ہی ملنے آنا ہے، عباس کی جناتی بابا سے اچھی سلام دعا تھی، اسی نے ملاقات پر راضی کیا تھا مگر مقررہ وقت پر میں ملاقات کے لئے نہیں جا سکا، اور رات گئے جب ملاقات کے لئے پہنچا کسی اندھیرے گوشے میں غلام رسول کھڑا، مسجد کے اسٹیل کے لوٹے اور ٹونٹیاں چوری کرنے والوں کا انتظار کر رہا تھا، بابا جناتی نے نجانے جنات کی مدد

Marfat.com

حاصل کی یا اپنی عقل استعمال کی اور غلام رسول کو حکم دیا کہ ہمارا بازو چھوڑ دے اور ہمیں اندر آنے دے، سلام کلام کے بعد جب تعارف ہوا تو انہوں نے بتایا کہ وہ کافی دیر تک انتظار کرتے رہے تھے، مگر چوں کہ انہیں گردوں کی تکلیف ہوگئی ہے اس وجہ سے وہ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتے، اسی وجہ سے دواء لے کر سو رہے تھے، ادھر مسجد میں کوئی تین دن پہلے، دیوار پھلانگ کر داخل ہوا اور، اسٹیل کے لوٹے اور ٹونٹیاں چوری کر کے فرار ہو گیا، اس کے بعد سے غلام رسول نامی خدمت گار اپنے طور پر چوروں کو پکڑنے کی تراکیب لڑا رہا ہے مگر اس کی ہر ترکیب الٹی ہو جاتی ہے، چوں کہ اس رات جناتی بابا کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی اس وجہ سے زیادہ تفصیلی نشست نہیں ہو سکی اور بات دوسرے دن صبح پر ٹھہرے، رات مسجد کے ایک کونے میں سوتے جاگتے گزری، جنات کا تو اتنا خوف نہیں تھا مگر غلام رسول کی چور پکڑنے والی ترکیبوں سے دل گھبراتا تھا کہ نجانے کب کیا کر بیٹھے، اس کا تن و توش بھی ایسا تھا کہ آدمی بچاؤ کرتے کرتے بھی دو چار ہڈیاں تو تڑوا ہی بیٹھے، سوتے جاگتے صبح ہوئی تو نماز کے بعد بابا کے ساتھ نشست جمی، بات کرتے کرتے وہ سائیڈ میں منہ کر کے کسی سے کچھ کہتے جاتے، نظر تو کچھ نہیں آتا تھا مگر ان کی باتیں تسلسل کے ساتھ جاری رہیں۔

ٹھٹھہ کے مضافاتی علاقے میں بنے اس حجرے نما مسجد میں دن کے دس بجے لوگ آنے شروع ہو جاتے ہیں، عجیب وغریب لوگ! جب آتے تو ٹھیک ٹھاک ہوتے مگر سامنے بیٹھے ہی کسی عورت کے گلے سے مرد کی آواز نکلنا شروع ہو جاتی اور کوئی بچہ بوڑھے کی طرح بھاری آواز میں باتیں شروع کر دیتا، بعض لوگ آگے بڑھ کر بابا پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کرتے مگر ان کے ہاتھ کسی نادیدہ رکاوٹ سے ٹکرا کر رک جاتے، شام تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، مختلف ہدایات، دم کیا ہوا پانی اور سیدھی طرف خالی جگہ پر کسی نادیدہ مخلوق سے باتیں۔ بابا سے میں نے بتہرا پوچھا کہ سائیڈ میں کون بیٹھا ہے مگر وہ مسکرانے کے علاوہ کچھ نہ بولے، بس اتنا کہا ''بھائی ہم خلق خدا کی خدمت کرنے یہاں بیٹھے ہیں، لوگ آتے ہیں، اپنے مسائل بتاتے ہیں، ہم کوشش کرتے ہیں کہ کسی کا بھلا ہو جائے، ہمارا اس میں کیا جاتا ہے؟ کیا یہ بتایا ضروری ہے کہ ہم کس سے بات کر رہے ہیں، جس طرح تم آئے ہو، اسی

Marfat.com

طرح اور بھی بہت سے لوگ ہیں، چیزیں ہیں جو ہمارے پاس آتی ہیں۔

پہلی نظر میں دیکھنے پر جناتی بابا کسی مفلوک الحال مزدور کی طرح لگے، مگر چہرے پر آسودگی تھی، گو کہ کپڑے اسی طرح پرانے اور بوسیدہ تھے جس طرح کسی غریب کے ہونے چاہیں مگر زبان پر صرف شکر تھا، شکوہ کا ایک لفظ بھی ان کی زبان سے سنائی نہیں دیا، بیماری پر بھی اتنا کہا "گردوں میں کچھ تکلیف ہوگئی ہے مگر یہ تو زندگی میں ہوتا ہی ہے، صرف میرے ساتھ تو نہیں ہوا، ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے، اگر ایک تکلیف ہے تو کیا ہوا، ہزار سکھ بھی تو ہیں، باقی نعمتیں بھی تو ہیں" واقفان حال کا کہنا ہے کہ بابا چھپا ہوا رستم ہے، ٹوٹے ہوئے جھونپڑے میں رہتا ہے مگر اچانک جا کر دیکھو تو بے موسے پھل کھاتا ملتا ہے، اس کے کمرے سے اکثر قیمتی خوشبوؤں کے جھونکے نکلتے ہیں، کہتا ہے کہ آنے والے مہمان لگا کر آئے تھے مگر اس کے پاس جو بھی آتا نظر آتا ہے وہ انتہائی غریب گھرانے کا ایسا فرد ہوتا ہے جس کے پسینے میں نچڑے کپڑوں سے گزوں دور ہی بدبو کے ہبکارے نکلتے ہیں، مگر وہ اپنی بات پر اٹل ہے کہ آنے والے مہمان ہی یہ قیمتی خوشبو لگا کر آئے تھے، کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکلی کے وہ جن کو اپنا پیر بنانے کو کالے علم کے سارے ماہر اس لئے تڑپتے ہیں کہ وہ جس کے بھی قابو آ گئے، اسے چنڈولا بنا دیں گے، جناتی بابا کی دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر وہ ان سے بے نیاز اس کوٹھڑی میں پڑا گردے کے مرض میں پڑپتا رہتا ہے، اگر چاہے تو یہ بیر اسے زمیں پر پیر نہ رکھنے دیں، اسے اپنے اوپر لادے پھریں مگر جناتی بابا اپنے اس کھنڈر سے باہر نکلے تب نا، وہ تو صرف اتوار کے اتوار اپنے حجرے یا مسجد سے باہر نکلتے ہیں اور ان کی منزل سجاول سے سات کلومیٹر دور جاتی روڈ پر درگاہ جھنڈو پیر ہوتی ہے۔ کچھ لوگ تنقید بھی کرتے ہیں کہ جو اپنے گردے ٹھیک نہیں کر سکا وہ دوسروں کو کیا شفا دے گا، میں نے یہ بات ڈرتے ڈرتے بابا سے بھی پوچھی تو وہ، آہستہ سے بولے "ہم کون ہوتے ہیں کسی کو شفا دینے والے، اگر یہ ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو خود کو ٹھیک نہ کر لیتے، ٹھیک ہی تو کہتے ہیں یہ لوگ! ہم تو یہاں پر خدمت کے لئے بیٹھے ہیں"

بے ادبی معاف ہو مگر میں جب ان کے آستانے سے باہر نکلا تو دل میں عجیب سے

Marfat.com

وسواس تھے، وہ کہیں سے بھی پیر نہیں لگتے تھے، نا توان کے گلے میں کوئی مالائیں تھیں نا ہی ہاتھوں میں انگوٹھیاں، کھنڈر نما آستانے پر بھی کوئی جھنڈا لہراتا تھا نا ہی چراغاں کا بندوبست تھا، شکن آلود، بوسیدہ لباس جس کے کئی بٹن بھی ٹوٹے ہوئے تھے، بے چربی کی گردن اور تو ند کے بغیر جسم۔ عجیب پیر تھے یا پھر غریب پیر......!

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

بلوچستان کا شہر روغان: ہزاروں سال قدیم غاروں کی بستی

تقریباً نصف کلومیٹر بلندی پر چڑھتے ہوئے سانس بری طرح پھولا ہوا تھا، میرے گائیڈ قاسم بھی اوپر غار کے سامنے پہنچ کر ایک پتھر پر بے حال بیٹھے تھے، عمودی پہاڑ پر چند انچ چوڑی اس نسبتاً ڈھلوان سطح پر چاروں ہاتھوں پیروں کی مدد سے اوپر چڑھتے ہوئے سارا دھیان اوپر کی طرف تھا کہ اچانک قریب ہی چھوٹی سے دراڑ میں تیز سرسراہٹ سے گرتے گرتے بچا، ایسا لگتا تھا کہ کوئی وہاں دراڑ میں موجود تھا جو میری موجودگی محسوس کر کے اندر کی طرف بھاگ گیا، پہاڑی دراڑوں میں چھوٹے موٹے جانور، خرگوش، تیتر وغیرہ کے بارے میں تو پہلے سے ہی بتا دیا گیا تھا، ہرن اور پہاڑی بکروں سے بھی ملاقات متوقع تھی مگر ایسی دراڑ میں جہاں تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہ ہو، اتنی تیز سرسراہٹ بڑے جانور یا کسی اور چیز کی تو ہو سکتی تھی مگر خرگوش کی نہیں، قاسم میری طرف ہی دیکھ رہے تھے، اس طرح سے بدکنے کو محسوس کر کے وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیلہ سے چالیس کلومیٹر دور، شہر روغان کے اس ویرانے میں ہم ہزاروں سالہ قدیم غاروں کو دیکھنے آئے تھے جو یہاں ہر طرف پہاڑی درروں میں بکھرے پڑے ہیں، انسانی ہاتھوں سے تراشیدہ ان ہزاروں غاروں کے دہانے تو کھڑکی نما ہیں مگر اندر سے یہ غار کشادہ اور سرنگوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، درجنوں دروں اور ہزاروں غاروں کے اس کھنڈر تک پہنچنے کے لئے ہم پہلے ایک پہاڑی چوٹی تک جیپ کے ذریعے پہنچے، جہاں سے ایک کلومیٹر کی اترائی کے بعد دریا تک رسائی ہوئی، دریا میں مزید ایک کلومیٹر کا راستہ طے کرنے اور دریا عبور کرنے کے

Marfat.com

بعد سامنے ایک عظیم الشان پہاڑی سلسلہ بکھرا پڑا ہے جہاں جانے والے اجنبی، بہت کم ہی صحیح سلامت باہر واپس آ سکتے ہیں، شہر روغان کے ان غاروں کی طرح کا ایک غار سب سے پہلے میں نے مکلی کے قبرستان کے ایک طرف بنے کالکان کے مندر پر دیکھا تھا، یہیں پر ایک سادھو سے ملاقات ہوئی، پیلے رنگ کی دھوتی اور چادر پہنے وہ عجیب سا ڈھانچہ نما انسان تھا، اس کی آنکھیں زندگی سے محروم اور اندر کی طرف دھنسی ہوئی تھیں، جسم پر ہڈیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، چہرے پر نحوست اور سر پر چٹیا گندھی ہوئی تھی، کچھ بال سفید تھے اور کچھ سیاہ، مجھے دیکھ کر وہ بولا تو آواز باریک مگر تیز اور چبھتی ہوئی ''سر ادھر کدھر جائیں گے؟'' میرے لباس اور کندھے پر لٹکے بیگ سے اسنے شاید میرے غیر مقامی ہونے کا اندازہ لگا لیا تھا، میں نے اسے بتایا کہ ادھر پہاڑی پر جو غار ہے اس تک جانا ہے، دیکھنا چاہتا ہوں کہ اندر سے وہ غار کیسا ہے، مگر اس نے مجھے وہاں جانے کی اجازت دینے کے بجائے مشورہ دیا ''ادھر کیا رکھا ہے یہ غار دیکھنے ہیں تو گندھرانی پر جاؤ''

یہ پہلی بار تھا جب میں نے گندھرانی کے غاروں کے بارے میں سنا، اس وقت میں مکلی کے قبرستان کے دوسری طرف واقع کالکانی کے مندر کے قریب چھوٹی سے پہاڑی پر بنے اس عجیب سے غار تک جانا چاہتا تھا، یہ بالکل ستواں پہاڑی پر بنا بڑا عجیب سا غار تھا جس کے اندر جانے کا راستہ چھوٹا سا تھا، مگر حیرت اس بات پر تھی کہ مندر سے غار تک ایک پتلی سے پگڈنڈی جاتی ہے۔ میں وہاں تک تو نہیں جا سکا مگر گندھرانی کے غاروں کے بارے میں تجسس جاگ اٹھا کہ وہاں کون سے غار ہیں، پنڈت نے صرف اتنا بتایا تھا کہ بیلہ چلے جاؤ وہاں کسی سے پوچھ لینا بتا دے گا، بیلہ بلوچستان کا ایسا شہر ہے جہاں ہندو کثرت سے ملتے ہیں، بازار میں کاروبار کرنے والے تقریباً سبھی ہندو ہیں اس لئے جب مجھے بیلہ کے قریب شہر روغان کے بارے میں کسی ہندو نے پہلی بار بتایا تو حیرت نہیں ہوئی۔ گندھرانی، شہر روغان، مائی پیر جیسے کئی ناموں سے مشہور یہ غار، بیلہ سے کوئی 40 کلومیٹر دور ایک پہاڑی سلسلے میں دور تک پھیلے ہوئے ہیں، مقامی افراد کو بھی اس بارے میں زیادہ نہیں پتہ کہ ان غاروں کا سلسلہ کہاں تک ہے اور کون کون سے پہاڑوں میں یہ غار موجود ہیں، شہر

Marfat.com

روغان کی غاروں والی اس بستی تک پہنچنا انتہائی مشکل اور دشوار گزار ثابت ہوا مگر غاروں کے اس کمپلیکس کو دیکھ کر آدمی مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے، یہ جدید دنیا سے کٹا ہوا ایک ایسا حصہ ہے جہاں شاید زندگی ہزاروں سال قبل کے اس دور سے گزر رہی ہے جب انسان غاروں میں رہا کرتا تھا، دریا کے کنارے یہ ایک ایسا پہاڑی سلسلہ ہے جہاں سیدھے کھڑے پہاڑ پر جہاں کسی انسان کا چڑھنا ہی ناممکن نظر آتا ہے تا حد نگاہ ہر طرف چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں پہاڑی دیواروں سے جھانکتی نظر آتی ہیں اور پہاڑوں کا یہ سلسلہ اتنا ہی پیچیدہ ہے جتنا کہ غاروں کا یہ سلسلہ، باہر سے چھوٹی سے کھڑکی نظر آنے والے یہ غار اندر سے نا صرف انتہائی کشادہ ہیں بلکہ ایک دوسرے سے سرنگوں کے ذریعے ملے ہوئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ شاید اکثر غار ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ان غاروں کی کیا گہرائی ہے؟ ان کے اندر کون رہتا ہے یا رہتا تھا؟ جو کوئی بھی ان میں رہتا ہے وہ ان کھڑکی نما راستوں تک پہنچنے کے لئے کیا ذریعہ استعمال کرتا ہے؟ یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بھی نہیں ہے، دریا کے کنارے سے پہاڑی درے کے اندر داخل ہونے سے قبل سامنے ایک بڑا سا دروازہ نما غار ہے، دور سے ہی ایسا لگتا ہے کہ جیسے کیسی قلعے کا دروازہ ہو، مندھرانی کے غاروں والے اس سلسلے یا قلعے کا یہ مرکزی دروازہ سمجھنا چاہئے، اس غار کی چوڑائی بھی سب سے زیادہ ہے اور یہ پانی سے بالکل لیول پر دریا کے اندر ہے، اگر اس غار کے اندر داخل ہوا جائے تو پھر پانی کے اندر غوطہ لگانا پڑے گا، کیوں کہ غار کا دہانہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے، بارش میں جب دریا میں زیادہ پانی ہوتا ہے تو پھر پورا غار ہی پانی میں ڈوب جاتا ہے، اس مرکزی غار کے اوپر چھوٹی چھوٹی کھڑیوں کا سلسلہ پہاڑی چوٹی تک جاتا نظر آتا ہے، جیسے کوئی کثیر المنزلہ عمارت ہو، اسی درے کے اندر ہم ایک غار کے دھانے تک پہنچنے کی جدوجہد میں تھے جب ایک دراڑ میں ہونے والی تیز سرسراہٹ نما حرکت نے مجھے پہاڑ سے تقریبا گرا ہی دیا تھا۔

شہر روغان کے ان غاروں سے تقریبا چار کلو میٹر دور ایک گوٹھ کے کچھ آثار ہیں جہاں 47 درجہ حرارت والے گرم ترین ویرانوں میں دور دور بنے چند مٹی کے مکانات نظر آتے

Marfat.com

ہیں، یہی مکانات اس ویرانے کی کل آبادی ہے مگر یہ آبادی شہر روغان کے کھنڈرات سے کوئی چار کلومیٹر دور ہے، غاروں اوران کے اسراروں کے بارے میں بتانے سے قبل ہم یہ بتاتے چلیں کہ پہاڑوں کا یہ سلسلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ اگر کوئی نیا آدمی بغیر کسی گائیڈ کے اس طرف آ نکلے تو مشہور یہی ہے کہ وہ جیتے جی کبھی باہر کی دنیا نہیں دیکھ سکے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر پہاڑی سلسلہ دیوار نما پہاڑوں پر مشتمل ہے، آسمان سے باتیں کرتے پہاڑوں پر ایک تو اوپر چڑھنے کا کوئی راستہ نہیں ہے پھر یہاں ہر طرف درے بنے ہوئے ہیں، یعنی دونوں طرف پہاڑ سر اٹھائے کھڑے ہیں اور درمیاں میں پہلے نسبتاً کشادہ جگہ ہے، جیسے جیسے آگے چلتے جائیں درہ تنگ ہوتا جاتا ہے اور پھر اس میں سے مزید راستے یا درے نکلتے چلے جاتے ہیں اور ہر درے میں سے مزید راستے پھوٹتے رہتے ہیں، پتہ نہیں یہ پہاڑی سلسلہ کتنی دور تک ہے مگر مقامی افراد یہ بتاتے ہیں کہ آگے چل کر تمباکو نام کا ایک اور پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، تمباکو کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں جانے والے بہت کم لوگ ہی واپس آپاتے ہیں، ان کے ساتھ وہاں کیا گزرتی ہے یہ کوئی نہیں جانتا کیوں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ آبادی سے دو سو کلومیٹر دور، ان پہاڑوں میں جب بھی کوئی زیادہ اندر گیا، باہر نہیں آسکا، اس کی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ اصل میں وہاں اس قدر پہاڑی درے ہیں کہ اندر جانے والا واپس باہر آنے کا راستہ نہیں ڈھونڈ سکتا اور پیاس کی وجہ سے کچھ ہی دیر میں دم توڑ دیتا ہے، مگر کچھ لوگ اس قسم کی اموات کا ذمہ دار، غاروں کے ان اجنبی مکینوں کو ٹھہراتے ہیں جن کے بارے میں کوئی بھی یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون ہیں، بہتے پانی کے قریب، 48 درجہ حرارت والے اس ویرانے میں یہ جگہ زندگی کے لئے آئیڈیل ترین جگہ ہے، اگر یہاں کوئی بھی زندہ چیز ہے، تو اسکی موجودگی انہیں پہاڑوں کے آس پاس ہونی چاہئے، یہی بات مقامی افراد بھی بتاتے ہیں، جو دریا کے قریب اور دریا کے اندر تک تو آتے ہیں مگر پہاڑوں میں زیادہ اندر نہ تو خود جاتے ہیں اور نا ہی اپنے ساتھ آنے والے مہمانوں کو جانے دیتے ہیں، یہی بات ہمارے گائیڈ اور بیلہ پریس کلب کے صدر محمد قاسم رونجھا بار بار کہہ رہے تھے کہ زیادہ اندر تک نہ جائیں، میں جب بھی مزید کسی درے میں

Marfat.com

مڑنے لگتا، وہ پھر سے یاددہانی کراتے''سر! رات بھی مجھے کسی نے خبردار کیا تھا کہ زیادہ اندر تک نہیں جانا ہے اور بہت احتیاط سے جانا ہے، کافی ہو گیا ہے، اس درے سے باہر نکلنا چاہیئے اب'' قاسم کی یہ احتیاط اس وقت بھی سامنے آتی جب ہم کسی غار تک پہنچنے کے لئے پہاڑ پر راستہ تلاش کرتے ہوئے اوپر کی طرف چڑھ رہے ہوتے وہ مجھ سے آگے جاتے اور پہلے جھانک کر غار کے اندر کا جائزہ لیتے اور پھر ہنس کر کہتے'' آجائیں سر فی الحال تو کوئی بھی نہیں ہے اندر''

میں نے قاسم سے کئی بار پوچھا کہ کیا یہاں کے بارے میں مشہور باتیں اور حکایتیں کچھ حقیقت رکھتی ہیں یا نہیں؟ مگر وہ ہر بار سادہ دلی سے مسکراتے اور کہتے کہ بس یہاں کے لوگ تو یہی بتاتے ہیں باقی اللہ جانے، میں تو اس طرف نہیں رہتا بہت کم ہی آنا جانا ہوتا ہے''

ان پہاڑی علاقوں میں درجہ حرارت دھوپ نہ ہونے کی صورت میں بھی 48 درجہ تک رہتا ہے اور پسینہ پانی کی طرح جسم سے بہتا رہتا ہے اگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد پانی نہ پیا جائے تو ڈی ہائیڈریشن کی وجہ سے موت واقع ہو جاتی ہے، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس درجہ حرارت میں پسینہ صرف ایسے لوگوں کو زیادہ آتا ہے جو غیر مقامی ہو، جب کہ مقامی افراد کے جسم سے اس درجہ حرارت میں زیادہ پسینہ نہیں بہتا اور وہ ڈی ہائیڈریشن سے محفوظ رہتے ہیں۔ شہر روغان میں بھی تمباکوہی کی طرح پیچیدہ درے ہیں جن میں دونوں طرف پہاڑی دیواروں پر زمین سے لے کر پہاڑ کی چوٹی تک چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں، ان غاروں کو بنانے والے کون تھے یہ تو کسی کو بھی نہیں معلوم مگر اتنا معلوم ہے کہ صدیوں سے یہ ایسے ہی ہیں، نا تو کوئی اضافہ ہوا نا ہی کوئی کمی، البتہ یہ ضرور ہوا کہ ہے اس طرف جانے والے چرواہے جب کبھی غاروں والے دروں میں اندر دور تک چلے جائیں تو اپنی ایک آدھ بکری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اس لئے وہ دریا کے قریب قریب تو بکریاں لے آتے ہیں تا کہ ان کے گلے پانی بھی پی لیں اور وہ بھی شدید گرمی میں پانی کے قریب ہی رہیں مگر اس سے آگے جانے کی ہمت کم ہی کرتے ہیں، ایک بات پر ہمارے فوٹو گرافر جاوید، جیپ کے ڈرائیور صدیق اور بیلہ پریس کلب کے صدر قاسم متفق تھے کہ قدیم بزرگوں کا کہنا ہے،

Marfat.com

یہ غار دراصل اس وقت کے ہیں جب یہاں تو عجیب وغریب انسان رہتے تھے، ہندو انہیں دیوتا کہتے ہیں، بیلہ میں جو ہندو رہتے ہیں وہ ان غاروں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ دیوتاؤں کا گھر ہیں، اس لئے اس طرف نہیں جانا چاہئے، اس بات کو تقویت مکلی کے قبرستان میں بنے کالکان کے مندر والے غار سے بھی ملتی ہے جہاں ایک ایسا ہی غار موجود ہے، اسی غار کو دیکھنے کی کوشش میں شہر روغان کا پتہ ملا تھا اس طرح سے ہندوؤں کی روایتوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سلسلہ ان پہاڑوں سے مکلی کے قبرستان تک پھیلا ہوا ہے، دیوتاؤں کے سلسلے میں ایک اور چیز بھی یہاں موجود ہے، دریا کے ساتھ ساتھ پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت میں جائیں تو کچھ آگے پہاڑی پر ایک قبر بنی ہوئی ہے، اسی قبر کے نام پر پہاڑی غاروں کا نام بھی ہے، گندھرانی، اس قبر میں مدفون ہستی کا نام ہے جو کوئی عورت رہی ہوگی مگر اسے یہاں ''پری'' سمجھا جاتا ہے، حکایت کے مطابق پہاڑی غاروں سے رات کے وقت باہر نکلنے والی کوئی پری کسی ایسے شخص کی نظر میں آ گئی جو وہیں موجود تھا، دریا پر موجود اس شخص نے پری کو پکڑنے کوشش کی جس پر وہ بھاگی مگر پہاڑی غار تک پہنچنے سے قبل ہی اس شخص کے ہاتھ آ گئی، اس کے ساتھ ہی زمین میں ایک شگاف ہوا اور دونوں اس میں غائب ہو گئے، مندھرانی نجانے اس شخص کا نام تھا کیا کس کا، مگر تب سے ان غاروں کو مندھرانی کے غار بھی کہا جانے لگا، مندھرانی کے انہیں پراسرار غاروں میں سے ایک غار کے اندر اترنے کے لئے ہم دہانے تک پہنچنے کی جدوجہد میں پہاڑ پر چڑھ رہے تھے جب راستے میں بنی ایک بڑی سی دراڑ میں ہلچل سی ہوئی۔

☆☆☆☆

چار سال قبل وہ جولائی کی ایک حبس زدہ رات تھی جب جرمن ٹیم کے پانچ ممبران نے شہر روغان کے غاروں کے پاس پڑاؤ ڈالا، جرمن ٹیم میں تین مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، یہ لوگ اپنے ساتھ کافی سامان لائے تھے، پہاڑ سے اتر کر انہوں نے دریا عبور کیا اور روغان

Marfat.com

کے مرکزی غار کے قریب سے ایک درے میں داخل ہو گئے، رات کو ان کے خیمے دریا سے کچھ دور ایک درے میں لگے ہوئے تھے، مقامی افراد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس رات چاند کی کافی روشنی تھی اور موسم بلکل صاف تھا، جرمن ٹیم دو دن تک روغان کے غاروں کی تلاشی لیتی رہی اور اس کے بعد اچانک ایک رات سب لوگ پراسرار طور پر غائب ہو گئے، آج تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ جرمن ٹیم کے ساتھ کیا پیش آیا اور اگر وہ زندہ نہیں رہے تو ان کی لاشیں کہاں گئیں؟ حیرتناک بات یہ ہے کہ جرمن بھی اسی بات کی تحقیق کر رہے تھے کہ یہاں رہنے والے اپنے مردوں کی لاشیں کہاں دفنایا کرتے تھے اور اب خود ان جرمنوں کی لاشیں ایک معمابنی ہوئی ہیں ان ماہرین کے ساتھ آئے مقامی افراد زخمی حالت میں دریا کے دوسرے کنارے بے ہوشی کی حالت میں پائے گئے، وہ رات کو جب سوئے تھے تو اپنے خیموں میں تھے مگر رات کے کسی پہر نجانے ان کے ساتھ کیا پیش آیا، انہیں جب صبح ہوش آیا تو وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پڑے تھے، اگلے چند گھنٹوں میں سیکورٹی اہلکاروں نے جرمنوں کی تلاش مہم بڑے پیمانے پر شروع کی مگر کسی کو کبھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا، آثار قدیمہ کے ان ماہرین کا فوکس یہ تھا کہ ان غاروں میں کون رہتا تھا یا ہے، اور جو کوئی بھی یہاں رہتا تھا ان کی قبریں کہاں پر ہیں؟ یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ درجنوں کلو میٹر پر پھیلے رقبے پر ہزاروں غاروں کو انسانی ہاتھوں نے تعمیر کیا ہے یہی بات جرمن ٹیم کے لئے حیرت کا باعث تھی کہ ان افراد کی قبریں کہاں ہیں؟ یہ لوگ آثار قدیمہ کے ماہر تھے اور ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ کچھ لوگ رسیاں باندھ کر غار کے اندر اتر جاتے، پہلی رات ان کا کچھ سامان چوری ہوا، کوئی ان کے ایک خیمے سے ٹن پیک کھانوں کے کچھ پیکٹ چرا کر لے گیا مگر کسی کو خبر نہ ہو سکی، گو کہ اس علاقے میں کبھی بھی امن و امان کا کوئی مسئلہ نہیں رہا، نا ہی کبھی چوری کی واردات ہوئی، اس رات چوری کی اس واردات کو کسی نے زیادہ اہمیت نہیں دی مگر اگلے دن بھی یہ احساس سبھی کو ہوتا رہا کہ کوئی ان کی نگرانی کر رہا ہے مگر کوئی سامنے نہیں آیا، غاروں کی تلاشی کے دوران بھی انہیں غاروں میں نا تو کوئی ملا نہ ہی کوئی ایسا سراغ ہاتھ لگا جس سے یہاں پر زندگی کے کوئی آثار ملتے، سوائے ایک چھوٹے سے سراغ کے جو ایک

Marfat.com

خاتون رکن کو آخری دن کے آخری منٹوں میں حاصل ہوا تھا، جرمنوں کو اس بات کا یقین تھا کہ یہاں پر کوئی نا کوئی ایسا لنک ملے گا جس سے یہ پتہ چل سکے کہ یہاں پر کون رہتا تھا اور ان کے زیر استعمال کیا چیزیں تھیں وہ کیا کھاتے تھے اور یہاں غاروں میں کیوں رہتے تھے، جرمن ٹیم کا پلان یہ تھا کہ وہ ہفتوں پر مشتمل اپنی اس ریسرچ میں شہر روغان کے دریا والے سرے سے اپنی تلاشی مہم شروع کریں گے اور اس کا اختتام تمبا کو کے آخری سرے پر واقع پہاڑی دروں میں ہوگا، جرمن ریسرچرز کے ساتھ چند مقامی افراد بھی گائیڈ اور ڈرائیور کے طور پر تھے، غاروں سے چند کلومیٹر دور واقع مقامی گاؤں ''سیاں گوٹھ'' کے رہائشیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے صرف یہ دیکھا کہ لینڈ کروزر گاڑیوں کا ایک قافلہ پہاڑوں میں واقع غاروں کی طرف گیا ہے اس کے بعد انہیں کچھ نہیں پتہ کہ وہاں کیا ہوا، دو دن کے بعد انہیں اس وقت گڑبڑ کا احساس ہوا جب سکیورٹی اہلکاروں کی بڑی تعداد پہاڑوں کی طرف جاتی دیکھی، اس وقت انہیں یہ پتہ چلا جرمن ٹیم لاپتہ ہے۔ اس واقع کو چار سال گزر چکے ہیں مگر آج تک کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کے ساتھ حقیقت میں کیا ہوا تھا اور وہ کہاں گئے، البتہ یہ بات بیلہ اور اسکے گردونواح میں زبان زد عام ہے کہ جرمنوں کے ساتھ جانے والے مقامی افراد زخمی حالت میں دریا پار سے بے ہوشی کی حالت میں ملے مگر انہیں بھی نہیں پتہ کہ ان کے ساتھ ہوا کیا تھا، ان کے خیموں پر کس نے حملہ کیا اور جرمن کہاں غائب ہو گئے۔

جس وقت میں اپنے گائیڈ اور بیلہ پریس کلب کے صدر قاسم رونجھا کے ساتھ پہاڑی دیوار میں واقع ایک دراڑ نما غار کی اندر سے سیر کر کے واپس آ رہا تھا تو ساتھ چلتے ہوئے فوٹو گرافر جاوید نے یہ کہہ کر مجھے چونکا دیا کہ سر یہاں سے کوئی چیز اٹھانا مت۔ مقامی افراد اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس علاقے سے کوئی بھی چیز ملے، اسے ساتھ لیجانے کے بجائے نظر انداز کرنا چاہیئے، اگر کوئی یہاں سے ملنے والی کوئی نایاب چیز اپنے ساتھ لیجانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے، یا تو اس کی گاڑی میں کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے یا پھر اسے خود جسمانی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہی بات جرمنوں کے ساتھ بھی پیش آئی جو یہاں غاروں کی تلاشی لیتے ہوئے اپنے کام کی چیزیں بھی خیموں میں جمع کرتے

Marfat.com

جا رہے تھے، سیاں گوٹھ جو شہر روغان کے غاروں سے چند کلو میٹر دور ہے، میں نے اس گوٹھ کے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا جرمنوں کو اس بات کا احساس نہیں تھا کہ اس ویرانے میں وہ رات کو بے دھڑک ہو کر اپنے خیموں میں سو جاتے ہیں کوئی انہیں لوٹ سکتا ہے یا نقصان پہنچا سکتا ہے، ان کا جواب تھا کہ ایسا یہاں پر کبھی ہوا ہی نہیں کہ کسی کے گھر میں چوری ہو یا پھر لوٹ مار کی واردات ہو، ایسا اس وجہ سے ہے کہ یہاں پر جو بھی نظر آئے گا وہ مقامی فرد ہو گا اور مقامی فرد یہاں پر اتنے کم ہیں کہ ہر فرد دوسرے کو اچھی طرح سے جانتا ہے، ہر ایک کو پتہ ہے کہ اگر کوئی واقع پیش آئے گا تو اس کا ممکنہ ذمہ دار کون ہو سکتا ہے، جو مقامی افراد جرمن ٹیم کے ساتھ تھے ان میں سے ایک سیاں گوٹھ کا بھی تھا، جرمنوں کے اس گائیڈ کے ایک عزیز سے بھی میری تفصیلی ملاقات ہوئی، سب لوگوں کو پوری طرح یقین تھا کہ یہاں پر کچھ نہیں ہو سکتا، سب لوگ تعلیم یافتہ تھے اس لئے انہیں پرانی روایتوں اور بزرگوں کی باتوں پر یقین نہیں تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم تو خود یہی چاہتے ہیں کہ ان غاروں میں جو کوئی بھی ہے وہ سامنے آئے تو پھر ہمیں ان سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ آثار قدیمہ کے ماہرین کی جرمن ٹیم کو لا پتہ ہونے سے چند گھنٹے قبل ایک اہم دریافت میں کامیابی ہوئی تھی مگر وہ اسکے بارے میں کوئی واضح اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، گو کہ جرمن ٹیم کے اراکین اب اپنی باتیں بتانے کے لئے دنیا میں نہیں رہے مگر ان کے ساتھ گائیڈ کے طور پر جانے والے افراد زندہ ہیں انہیں میں سے ایک ایسا شخص جو قریبی گوٹھ کا رہائشی بھی ہے اس کا کہنا ہے کہ جرمن ٹیم کی ایک خاتون نے دریا سے ایک کلو میٹر دور ایک غار کے اندر کافی گہرائی میں انسانی فضلہ دریافت کیا تھا جو زیادہ پرانا بھی نہیں تھا، اسی بات نے سب کو حیرت زدہ کر دیا تھا کہ یہاں پر کون ہے؟ اس وقت سورج تقریبا غروب ہو رہا تھا اسلئے سب نے واپسی کا راستہ پکڑا، اگلے روز انہیں اس غار کی مزید گہرائی میں جا کر تلاشی لینا تھی مگر وہ اگلی صبح ان کے لئے کبھی نہیں آئی اور وہ رات ان کی آخری رات ثابت ہوئی، ان کے گائیڈ کا کہنا کہ اس کامیابی کی خوشی میں اس رات جام پر جام لنڈھائے گئے، جرمن مرد اور عورتیں دن بھر غاروں اور پہاڑوں میں شدید گرمی کے

Marfat.com

دوران مشقت طلب کام کرتے تھے مگران کی راتیں رنگیں ہوا کرتی تھیں ان کے سامان میں ہر طرح کی آسائش موجود تھی، ان کی گاڑیاں دن میں بیلہ سے سامان لاتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے علاقے کے لوگوں کو پتہ چلتا رہتا تھا کہ جرمن موجود ہیں، پھر دن میں جو لوگ دریا پر جاتے تھے وہ بھی ان کے خیمے لگے دیکھ لیتے تھے، ٹیم کا یہ معمول تھا کہ انہوں نے اپنا کیمپ دریا کے قریب ہی ایک درے میں لگایا ہوا تھا وہ دن میں جہاں بھی جاتے، جس قدر دور، دروں میں نکل جاتے مگر رات کو وہ لازمی اپنے کیمپ میں لوٹ آتے تھے، ان کے سامان میں جدید ترین ایکیوپمنٹس تھے جس کی مدد سے وہ غاروں اور قرب و جوار سے ملنے والی اشیا کو جانچتے رہتے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان غاروں میں بظاہر زندگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا مگر اس کے باوجود جب ہم ان غاروں کا مطالعہ کر رہے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی ہماری نگرانی کر رہا ہے، ان دیکھی آنکھیں ہماری حرکات پر نظر رکھے ہوئے ہیں، بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ جب ہم کسی غار میں داخل ہوئے تو ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے آنے سے قبل یہاں کوئی موجود تھا جو ہمیں دیکھ کر یا محسوس کر کے مزید اندر کی طرف اتر گیا ہے، ویسے بھی اکثر غار سرنگوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اگر کوئی ایک غار سے ان پہاڑوں میں داخل ہو جائے تو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں جا کر نکلے گا اور نکلے گا بھی یا نہیں؟ غاروں کو آپس میں ملانے والی سرنگوں میں بعض جگہ پر چھوٹے سوراخ کیے گئے ہیں جو باہر سے دیکھنے میں دراڑیں محسوس ہوتی ہیں، مگر اندر سے دیکھا جائے تو وہ روشنی کا بہترین سسٹم ہے، دراڑوں کے ذریعے سرنگ کے اندر سورج کی روشنی آتی رہتی ہے، ہم نے بھی ایک ایسی سرنگ میں اترنے کی کوشش کی مگر جرمنوں کے انجام کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ گہرائی تک جانے پر کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس رات شراب کے نشے میں دھت سب لوگ مدہوش پڑے تھے، کامیابی کی خوشی میں

Marfat.com

سب نے ہی خوب پی تھی، پارٹی رات دیر تک جاری رہی اور اس کے بعد مقامی گائیڈ اور ڈرائیور اپنے خیموں میں چلے گئے، جب کہ ریسرچرز اپنے خیمے میں سو گئے، رات کو کوئی غاروں سے باہر نکلا اور جرمنوں کو سامان سمیت اٹھا کر لے گیا جب کہ گائیڈ اور ڈرائیور کو سر پر ضربیں لگا کر بے ہوش کرنے کے بعد دریا کے دوسری طرف پھینک دیا، گائیڈوں میں سے ایک بیلہ کے قریب چھوٹے سے قصبے سے تعلق رکھتا تھا، ہم نے اسے ڈھونڈ نکالا، نو گزی شلوار پہنے بڑی بڑی مونچھوں والا گل محمد گرم ترین دن کی چلچلاتی دھوپ میں اپنے سر پر ایک رومال رکھے پتھر پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا سامنے ہی اس کی بکریاں چر رہی تھیں، اس کے بارے میں ہمیں پہلے ہی تعارف حاصل ہو چکا تھا مگر وہ ہمیں نہیں جانتا تھا، علاقے کے سبھی لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں، ساتھ جانے والے ایک شخص نے گل محمد سے تعارف کرانے کے بعد کہا کہ اپنی بات خود کرلو، ہم نے اسے بتایا کہ روغان کے غاروں تک جانے کے لئے ایک گائیڈ کی ضرورت ہے اور وہ پہلے بھی گائیڈ کے طور پر کام کر چکا ہے اس لئے اس کی خدمات چند روز کیلئے درکار ہیں، غاروں کا نام سن کر اس کے چہرے کا رنگ ایک دم تبدیل ہو گیا اور وہ اس شخص سے جھگڑنے لگا جو ہمیں گل محمد تک لے کر گیا تھا، کافی دیر کی تلخ کلامی کے بعد وہ مجھ سے گویا ہوا'' سر میں مندھرانی کی طرف اب نہیں جاتا ہوں اور آپ سے بھی ہاتھ جوڑتا ہوں کہ اس طرف مت جاؤ، ہوسکتا ہے کہ آپ جب یہاں سے جاؤ یہ آپ کو میرے بارے میں بتائے کہ میں پاگل ہوں، اور مہمان کی عزت نہیں کرتا مگر ایسا نہیں ہے بس آپ اس طرف مت جاؤ'' گل محمد سے ملاقات کافی دلچسپ ثابت ہوئی، وہ اپنے گوٹھ کے دیگر لوگوں کے برعکس بہت زیادہ مذہبی رجحان کا حامل نہیں ہے، اسی وجہ سے جرمن ٹیم بھی اس کو اپنے ساتھ لے کر گئی تھی، سادہ دل گل محمد سے تھوڑی سے جرح اور جرمنوں کے ریفرنس کے بعد وہ تمام باتیں پھر سے دہرانے پر آمادہ ہو گیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جرمنوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کا گل محمد نے اتنا اثر لیا کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی اس

Marfat.com

طرف نہیں گیا، گوٹھ کے لوگ اسے دیوانہ قرار دیتے ہیں، اس کی ساری مصروفیات اپنی بکریاں چرانے تک محدود ہیں، وہ کراچی میں بھی کافی وقت گزار چکا ہے اس لئے اس کی اردو بھی صاف تھی اور معلومات بھی اپ ڈیٹ تھیں، بات شروع کرنے سے قبل وہ کافی دیر تک خاموش رہا جیسے برسوں پہلے کے واقعے کو دوبارہ سے ذہن میں تازہ کر رہا ہو پھر وہ بتانا شروع ہو گیا:

اب ٹھیک سے یاد نہیں کہ کون سا دن تھا مگر بارش کافی روز سے نہیں ہوئی تھی اس لئے دریا میں پانی کافی کم تھا، اتنا کم کہ ہم آرام سے اسے پار کرتے تھے اور ہمارے کپڑے بھی گیلے نہیں ہوتے تھے، صاحب لوگ کس لئے آئے تھے یہ بھی نہیں پتہ بس اتنا بتایا تھا کہ وہ کوئی چیز تلاش کر رہے تھے، ان کے پاس کتابیں تھیں جن میں تین کونوں والی عمارتوں کے بہت سے نقشے اور تصویریں بنی ہوئی تھیں، ان کے ساتھ جو ایک بندہ آیا تھا وہ جرمن بھی بولتا تھا اور اردو بھی، اس سے بھی ہماری گپ شپ ہوتی رہتی تھی وہ بتاتا تھا کہ ان غاروں میں قبریں بھی ہیں جہاں ان لوگوں کی لاشیں ہیں جو یہاں غاروں میں رہتے تھے، میں بچپن سے یہاں رہتا آیا ہوں میں نے تو کبھی اس علاقے میں کوئی قبر نہیں دیکھی تھی، ہمارا اپنا قبرستان جو ہے وہ بھی دریا کے دوسری طرف ہے اس لئے مجھے اس بات پر ہنسی آئی کہ ان غاروں میں کس نے قبریں بنائی ہوں گی، یہاں تو ہم بچپن سے یہ سنتے آئے ہیں کہ دیوتا اور پریاں رہتی ہیں، ایک پری کی قبر بھی پہاڑ پر موجود ہے، پہلا دن ایسی باتوں میں ہی گزر گیا، سب لوگ پہاڑوں میں اندر کی طرف گئے، میں بھی ساتھ تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں واقعی کوئی قبریں ہیں تو صاحب لوگوں کو ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ اس طرح تو مردے کی بے حرمتی ہوگی، مگر پہلے دن کوئی بھی قبر نہیں ملی، میں تو کسی غار کے اندر نہیں گیا مگر صاحب لوگوں کی عورتیں اور آدمی باری باری اندر جاتے تھے، سر پر ٹوپیاں پہنتے تھے اور ان کے ساتھ رسی بندھی ہوتی تھی وہ اندر چلے جاتے اور کافی دیر بعد باہر آتے، ہم لوگ بچپن

Marfat.com

سے یہ سنتے آئے ہیں کہ ان غاروں کے اندر نہیں جانا چاہئے اور دروں کی طرف بھی نہیں آنا چاہئے ورنہ آدمی گم ہو جاتا ہے، اس بات پر کبھی غور نہیں کیا آدمی گم کیسے ہو جاتا ہے، یہاں پر کبھی کبھار کوئی آدمی اپنی بکریاں اگر پہاڑوں میں زیادہ اندر تک لے جاتا تھا تو اس کی کچھ بکریاں گم بھی ہو جاتی تھیں مگر یہ سمجھ نہیں آسکا کہ وہ کہاں گم ہوتی تھیں نا ہی کبھی کسی گم شدہ بکری کی ہڈیاں یا کھال وغیرہ ملی، اس وجہ سے جب صاحب لوگ اس طرح سے غاروں میں جارہے تھے تو مجھے تھوڑا سا خوف محسوس ہوا مگر پھر خود ہی شرم بھی آئی کہ میں ڈر رہا ہوں، میں نے یہ بات اپنے دوسرے ساتھیوں سے بھی کہی تھی کہ اگر صاحب لوگ قبروں کو کھولیں گے تو یہ بے عزتی ہوگی، صاحب لوگوں تک یہ بات پہنچی تو ایک عورت نے پہلی رات سب کو جمع کیا اور بتایا کہ وہ یہاں پر کیا کرنے آئے ہیں، اس کا کہنا تھا کہ جس کسی نے بھی یہ غار بنائے وہ یہاں پر رہتا ہوگا، مگر کبھی کسی نے ان کی قبریں نہیں دیکھیں، اگر یہاں پر کوئی رہتا ہوگا تو یہ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے، غاروں کی تعداد ہزاروں میں ہے اس لئے رہنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہوگی، مگر ان کی قبریں کہاں ہیں؟ بس ہم لوگ یہی دیکھنا چاہتے ہیں، کسی قبر کو کھولنا ہمارا مقصد نہیں ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ جو لوگ یہاں پر رہتے تھے وہ اپنے مردوں کو غاروں کے اندر ہی کہیں پر رکھ دیتے تھے یا ان کی قبریں غاروں کی تہہ میں کہیں پر بناتے تھے، اگر وہ قبریں یہاں پر مل گئیں تو ہم انہیں نہیں کھولیں گے اس لئے کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس رات ہم لوگ اس عجیب بات پر کافی دیر تک بحث کرتے رہے کہ یہاں رہنے والوں کی لاشیں کہاں گئیں؟ اسی رات ہمیں کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا، کوئی رات کو ہمارے خیموں کے گرد گھومتا رہا تھا مگر نیند کی وجہ سے کوئی بھی اٹھ کر باہر نہیں گیا، سب کا یہی خیال تھا کہ کوئی جنگلی جانور ہوگا، یہاں پر پہاڑی بکریاں کافی تعداد میں ہیں اور رات کو عموماً ہم ان کا یہاں دریا پر آکر شکار کرتے رہتے تھے کیوں کہ رات کو پانی پینے وہ یہاں آتی ہیں، اس رات بھی ہم لوگ یہی سمجھے کہ کوئی ایسا ہی جانور ہوگا مگر صبح

Marfat.com

ناشتے کے وقت معلوم ہوا کہ کچھ سامان غائب ہے، جرمنوں کے سامان میں گوشت بھی تھا، یہ گوشت تقریباً پکا ہوا تھا اور ڈبوں میں بند تھا، ہم لوگ اسے کھول کر تھوڑا سا گرم کرتے اور کھا لیتے، ایسے گوشت کے کافی سارے ڈبے رات کو کوئی خیمے سے نکال کر لے گیا، میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہمارے ہی کسی ساتھی نے گوشت چھپالیا ہوگا مگر پھر اپنی سوچ پر خود ہی ہنسی آئی کہ ایسا گوشت جسے ہم لوگ بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اتارتے ہیں، کوئی چھپا کر کیا کرے گا اور پھر اس علاقے میں ایسی حرکت کرنے والا خود ہی شرم سے مر جائے گا، اس دن میں ٹیم کے ساتھ دروں میں گیا اور بلندی پر بنے غاروں تک پہنچے کے راستے تلاش کرنے میں بھی مدد دی، پہلے میں پہاڑ پر چڑھتا اور ایسا راستہ تلاش کرتا جہاں سے غار تک آسانی سے پہنچا جا سکے، اس کے بعد میں غار میں ٹارچ کی روشنی سے دیکھتا کہ کوئی جانور تو نہیں ہے اس کے بعد صاحب لوگ اوپر آتے اور اپنے سامان (الیکٹرانکس ڈیوائس) وغیرہ کے ذریعے غار کے اندر گہرائی، آوازیں وغیرہ چیک کر کے اندر اتر جاتے، دوسرے دن جب وہ لوگ غاروں کو چیک کر رہے تھے مجھے کئی بار محسوس ہوا کہ غاروں میں کوئی موجود ہے"

گل محمد کی بات سن کر میں ایکدم سے چونک اٹھا، ہم لوگ روغان کا وزٹ کر کے واپس آچکے تھے، اور وہاں پر میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا کہ کوئی ہماری نگرانی کر رہا ہے، گو کہ کوئی سامنے نہیں آیا مگر یہ بات کئی بار محسوس ہوئی کہ ہمارے آنے سے قبل غار میں کوئی موجود تھا، بعض دفعہ یہ احساس آہٹ یا چلنے کی سرسراہٹ کی صورت میں تھا، ایک بار تو یہ کسی کے بھاگنے کی آہٹ اتنی واضح تھی کہ پہار کی بلندی پر چڑھتے ہوئے باریک سے پگڈنڈی سے میں گرتے گرتے بچا تھا، اور اب گل محمد بھی یہی بات کہہ رہا تھا، اس کا کہنا تھا کہ غاروں میں اسے بھی یہی محسوس ہوا کہ کوئی وہاں پر موجود ہے اور ان کی حرکات کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ دن کسی حادثے کے بغیر گزر گیا اور جرمن ٹیم رات کو اپنے ساتھ کچھ پتھر، مختلف چیزوں کے کچھ ٹکڑے لے کر کیمپ میں لوٹ آئی، تیسرے دن کے اختتام پر ایک جرمن خاتون کیمپ

Marfat.com

سے ایک کلومیٹر دور ایک درے میں اونچائی پر بنے غار سے انسانی فضلہ دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئی، اس رات وہ لوگ کافی دیر تک اس پر بات کرتے رہے کہ وہاں پر یہ کیسے آیا، دو باتیں بالکل واضح تھیں، ایک تو یہ وہاں پر اب بھی انسان موجود ہیں، اور یہ فضلہ بھی انہی کا ہے دوسری بات یہ تھی کہ غاروں کے اندر کوئی چیز بھی ہو وہ صدیوں تک اپنی اصلی حالت برقرار رکھتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اہراموں میں ہوتا ہے، اہراموں کے ڈیزائن بھی اس طرح بنائے گئے ہیں کہ وہاں پر ٹائم اثر انداز نہیں ہوتا اور صدیاں گزرنے کے باجود، موجود چیزیں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، جرمن ٹیم کو اسی بات پر یقین تھا کہ یہ فضلہ صدیوں قبل کا ہے اور غار کے اندر وقت اثر انداز نہیں ہوتا اس لئے یہ اب بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، یہی بات جرمن خاتون نے رات کو سب لوگوں کو بتائی کہ وہ لوگ اہم دریافت میں کامیاب ہو گئے ہیں اور یہ کہ اب انہیں بہت جلد ان لاشوں تک رسائی حاصل ہو جائی گی جو کسی نا کسی غار کی تہہ میں بالکل درست حالت میں موجود ہیں، غار اس طرح سے کھودے گئے ہیں کہ سرنگ کے اندر وقت اثر انداز نہیں ہو سکتا، اس رات جرمن خاتون نے مقامی گائیڈوں سے اس بات پر کافی بحث کی کہ کسی ایسے غار کے بارے میں بتائیں جو زیادہ بلندی پر موجود ہو اور اس کا دہانہ عام غاروں کے دہانوں سے بالکل مختلف ہو، ایسے غار کی تہہ میں ہی ان افراد کی باقیات موجود ہوں گی جو یہاں رہتے تھے، اس رات وہ لوگ کافی دیر تک اپنے ساتھ لائی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے رہے اور اس کے بعد ایک پارٹی دی گئی جس میں سبھی نے شراب کے جام لنڈھائے۔ گل محمد کا کہنا تھا کہ اسے اچھی طرح سے یاد ہے وہ اس بات کو کبھی بھی نہیں بھول سکتا کہ رات کے کسی پہر اس نے نیند میں ہی کسی کے چلنے کی آوازیں سنی تھیں اور اس کے بعد اسے یہ یاد ہے کہ جب ہوش آیا تو وہ زخمی حالت میں دریا کے دوسرے کنارے کافی دور پڑا ہوا تھا، دوسرے کنارے پر درے کے اندر جہاں خیمے لگے ہوئے تھے، کچھ بھی نہیں تھا البتہ گاڑیاں درست حالت میں موجود

Marfat.com

تھیں، ڈرائیور اور دوسرے گائیڈ بھی زخمی حالت میں مل گئے اور انہوں نے شہر میں اطلاع دی جس کے بعد سکیورٹی اہلکار وہاں پہنچ گئے، سب لوگوں کو حراست میں لے لیا گیا، مگر نا کسی جرمن کا پتہ چلا اور نا ہی ان کے خیموں یا سامان کا کچھ پتہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا۔

جرمنوں کے ساتھ موجود مقامی افراد جو زندہ بچ گئے تھے انہیں سکیورٹی اہلکاروں نے حراست میں لے کر تفتیش کی مگر کسی سے بھی کچھ معلومات نہ مل سکیں کہ اصل معاملہ کیا پیش آیا اور جرمن ٹیم اپنے سامان کے ساتھ کہاں گم ہو گئی، شہر روغان اور اطراف میں پھیلے تمام درے، پتھریلا علاقہ ہے جہاں نا تو کسی کے پاؤں کے نشانات بنتے ہس اور نا ہی کوئی ٹریک۔ رہا ہونے کے بعد کافی عرصہ تک گل محمد اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا اور اس کے بعد اس کی مصروفیات اپنی بکریوں کو چرانے تک رہ گئیں، وہ کبھی بھی دوبارہ ان غاروں کی طرف نہیں گیا، ہمارے ساتھی امان اللہ بلوچ کے ریفرنس سے جب میں گل محمد کی تلاش میں نکلا تھا تو ساتھ جانے والے مقامی شخص نے بتا دیا تھا کہ گل محمد کا دماغ اس حادثے کے بعد سے ٹھیک نہیں رہا ہے اور وہ ہر ایک کو گالیاں دے دیتا ہے اسلئے زیادہ بات نہ کریں تو مناسب ہو گا، مگر گل محمد نے ہمیں گالیاں تو نہیں دیں البتہ ساتھ جانے والے مقامی شخص کو ضرور گالیاں دیں۔ گل محمد کے پاس سے اٹھنے سے قبل میں نے اس سے سوال کر ہی لیا ''گل محمد آپ کا کیا خیال ہے کہ جرمن کہاں گئے؟'' اس کا جواب تھا ''سر ویسے تو لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں اس لئے آپ میری بات پر یقین نہیں کریں گے مگر میں یہ بتا دوں کہ یہ سب لوگ خود پاگل ہیں، انکا کہنا ہے کہ رات کو دریا میں پانی آیا تھا جو سب کو ساتھ لے گیا مگر میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اس رات بارش ہوئی تھی جو پانی آئے گا؟ اس رات بارش نہیں ہوئی، پھر یہ کہ ہم لوگ دریا میں تو نہیں تھے کہ پانی کے ساتھ چلے جاتے، ہم لوگ کافی فاصلے پر تھے، ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر پانی ہی آیا تھا تو ہم لوگ کیوں بچ گئے؟ بات یہ ہے جو لوگ غار کے اندر اترے تھے وہ نہیں بچے اور جو لوگ باہر تھے وہ بچ گئے، یہ کیسی بات ہوئی صاحب؟''

Marfat.com

تو آپ بتائیں گل محمد کہ آپ کا کیا خیال ہے وہاں پر کیا ہوا؟

سر! جو کوئی بھی تھا وہ غار سے باہر نکلا اور صاحب لوگوں کو اور ان کے سامان کو اپنے ساتھ غار میں لے گیا، ہمارے بزرگ بچپن سے کہتے آئے ہیں کہ غاروں میں زیادہ اندر نہیں جانا ہے اور زیادہ دور بھی نہیں جانا ہے ورنہ بندہ گم ہو جاتا ہے، چار سال پہلے یہ بات میری سمجھ میں آئی اور اس کے بعد میں کبھی وہاں نہیں گیا'' گل محمد کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

شہر روغان کی ممی 8 سال ایدھی مردہ خانے میں پڑی رہی

وہ بہت عجیب سی لاش تھی، میں نے کفن بکس کھولا اور چہرے پر پڑا کپڑا تھوڑا سا ہٹایا، نیم وا ہونٹوں کی مسکراہٹ کے ساتھ اس خاتون کا چہرہ خوفناک حد تک سپاٹ تھا، میں نے انگلی لگا کر دیکھا تو چہرہ اتنا سخت نہیں تھا جتنا کہ 640 سال قبل مسیح کی ایک لاش کا ہونا چاہئے، یہ ایدھی کا مردہ خانہ تھا اور 2008 کا دوسرا مہینہ تھا، سہراب گوٹھ میں واقع ایدھی کے اس مردہ خانے میں یہ لاش آٹھ سال سے پڑی تھی، کہا یہ جاتا تھا کہ ہزاروں سال قبل یہ عورت ایران کی ایک ملکہ تھی، اسے مصر سے بیاہ کر لایا گیا تھا اور مرنے کے بعد اسے حنوط کر کے کسی غار میں رکھ دیا گیا، اور پھر ہزاروں سال قبل کی یہ حنوط شدہ لاش دوبارہ سے دنیا کی سیر پر نکل کھڑی ہوئی، بلوچستان کے کسی قصبے سے شروع ہونے والے اس سفر میں کم از کم اس نے نصف پاکستان کی سیر تو ضرور کی، وہ ایسی منحوس لاش تھی کہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ تباہی لے کر گئی اور جہاں بھی رہی، اس کے میزبان اپنے نقصان کی دہائی دیتے رہے اور حنوط شدہ خاتون کی لاش نیم وا مسکراہٹ کے ساتھ نجانے کیا پیغام دیتی رہی، ایدھی کے مردہ خانے میں، اس لاش سے میری پہلی ملاقات چند مہینے قبل ہوئی تھی، مردہ خانے کا ایک سینئر اہلکار میرے ساتھ کھڑا دہائی دے رہا تھا کہ یہ لاش ہر روز ان کے 500 روپے کھا جاتی ہے، وہ پچھلے آٹھ سال سے اس لاش سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر لاش پیچھا

Marfat.com

چھوڑنے پر راضی نہیں، بہت سی بار ایسا بھی ہوا کہ مردہ خانے والوں نے اسے سرد خانے سے نکال کر باہر رکھ دیا، تیز دھوپ اور گرمی میں بھی وہ ایسے ہی مسکراتی رہی جیسے وہ سرد خانے میں مسکراتی تھی، 2000 میں جب یہ لاش پہلی بار منظر عام پر آئی تھی تو پوری دنیا میں تہلکہ مچا تھا، ایران، افغانستان، بلوچستان اور سندھ کے ماہرین کے علاوہ بھی بہت سے لوگ اس لاش کے وارث بننے کے لئے آپس میں برسرپیکار تھے، لاش کی اتنی اہمیت تھی کہ کراچی کے ایک میوزیم میں لاش کی حفاظت کے لئے مسلح دستے تعینات تھے اور انڈر ورلڈ کے بڑے گینگ اسے چرانے کے لئے ہر قدم اٹھانے پر تیار تھے، اس کے بعد یہ لاش آٹھ سال تک دوبارہ قبر تک پہنچے کے لئے منتظر رہی مگر کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جو اس بات کی باقاعدہ اجازت دینے پر تیار ہوتا کہ لاش کو دفنا دیا جائے، یوں آٹھ سال تک وہ لاش ایدھی فاؤنڈیشن کے 14 لاکھ 40 ہزار روپے کھانے کے بعد چند ماہ قبل ایک ایسی قبر میں اتار دی گئی جس پر کوئی نام درج نہیں، مگر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اب بھی قبر میں موجود نہیں اور کوئی اسے خاموشی سے نکال کر لے گیا ہے۔

نومبر 2000، میں پولیس نے ایک شخص اکبر علی کو کراچی سے گرفتار کیا، اس کے پاس ایک ویڈیو تھی جس میں کسی ممی کو دکھایا گیا تھا، تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ ممی کوئٹہ میں کسی گھر میں موجود ہے اور اکبر علی اس کی ویڈیو دکھا کر اسے عالمی بلیک مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کر رہا ہے، بعد ازاں پولیس نے کوئٹہ میں چھاپہ مار کر ممی برآمد کر لی اور اسے کراچی منتقل کر دیا، 26 نومبر کو ایک پریس کانفرنس میں بتایا گیا کہ ممی کا تعلق 2 ہزار 600 سال قبل سے ہے اور یہ کوئی ایسی ایرانی ملکہ ہے جسے مصر سے بیاہ کر لایا گیا تھا، امریکہ کے شائع ہونے والے آرکائیولوجی کے ریسرچ جنرل ARCHAEOLOGY نے اس ممی پر اپنے والیم نمبر 45 کے شمارے نمبر 1 میں ایک تفصیلی رپورٹ لکھی، رپورٹ تحریر کرنے والے دو معروف ماہر آثار قدیمہ تھے، ان میں سے ایک پروفیسر ڈاکٹر کرسٹین ایم رومین اور

Marfat.com

دوسرے ڈاکٹر مارک روز تھے، رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ مذکورہ ممی جو بلوچستان میں دریافت ہوئی ہے، اس کی بلیک مارکیٹ میں قیمت 11 میلین ڈالر لگ چکی ہے اور قرائن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ ممی کا تعلق 640 سال قبل مسیح کے کنگ XERXES سے ہے، یہ خاتون اس کی وہ بیٹی تھی جو ایران کے ایک شہزادے سے بیاہی گئی اور اس کے انتقال پر اسے مصری رواج کے مطابق حنوط کر کے دفنا دیا گیا، ہزاروں سال بعد کسی نے اسے کھوج نکالا اور بلیک مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کی اور بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں پکڑا گیا، اب یہ لاش قومی میوزیم کراچی میں رکھی ہوئی ہے جہاں ماہرین اس کا معائنہ کر رہے ہیں، ریسرچ جنرل میں پاکستانی ماہر ARCHAEOLOGIST حسن دانی کا بیان بھی تھا جس میں انہوں نے تصدیق کی تھی کہ لاش کی کفن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ممی کا تعلق مصر سے ہی ہے۔

ممی کے دریافت ہوتے ہی بلوچستان ہائیکورٹ میں ایک پٹیشن دائر کی گئی کہ چوں کہ ممی بلوچستان میں برآمد ہوئی اس لئے وہ بلوچستان کا خزانہ ہے مگر اسے سندھ منتقل کر دیا گیا ہے جو کہ آئینی حقوق کی خلاف ورزی ہے، ممی کو واپس بلوچستان لانے کے احکامات جاری کئے جائیں، عالمی ریسرچ جرنل ARCHAEOLOGY کے مطابق پاکستان کے اعوان قبیلے نے بھی یہ دعوی کر دیا کہ دراصل یہ خاتون ان کی ایک ایسے ملکہ ہے جو ہزاروں سال قبل لاپتہ ہوگئی تھی، اسے حنوط کیا گیا تھا مگر اس کی لاش ایسی جگہ دفن کی گئی تھی جو کسی کے بھی علم میں نہیں تھی، خاتون کے ناک نقوش سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاتون کا تعلق ہیکا منشی خاندان کے ابتدائی دنوں سے ہے، اسکے ساتھ ہی ایران کی وزارت ثقافت و تاریخی ورثہ نے بھی ایک پریس کانفرنس میں یہ دعوی کر دیا کہ تاریخ کی گواہی موجود ہے جو اس ممی کو ایرانی ملکہ قرار دیتی ہے، اس کا تعلق ہزاروں سال قبل کے ایرانی شاہی خاندان سے ہے اس لئے ایران اقوام متحدہ کے قوانین کے تحت اس ممی کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے UNESCO سے رابطہ کر رہے ہیں، ایرانی وزارت کے مطالبے کے

Marfat.com

جواب میں پاکستان کے آرکیولوجیکل ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر سلیم الحق نے اپنے ہیڈ کوارٹر میں ایک پریس کانفرنس کی اور کہا کہ ممی پاکستان کے صوبے بلوچستان کے علاقے خاران سے نکلی ہے جو کہ سو فیصد پاکستانی علاقہ ہے، اس وجہ سے یہ پاکستان کی ملکیت ہے اور کسی کو بھی نہیں دی جائے گی، ایران نے مزید کارروائی کرتے ہوئے انٹرپول سے بھی رابطہ کر لیا کہ ان کی چیز انہیں واپس دلائی جائے، عین اسی موقع پر ایک اور دلچسپ مرحلہ بھی آن پہنچا جب افغانستان کے حکمران طالبان کے وزیر برائے ثقافت نے بھی یہ دعوی کر دیا کہ ممی کا تعلق افغانستان کے علاقے بامیان سے ہے، اس لئے طالبان بھی ممی کی ملکیت کا دعوی کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں، پاکستان کی وزارت خارجہ نے بھی اس موقع پر تمام فریقوں کو خبردار کیا کہ وہ معاملے کو سیاسی بنانے سے گریز کریں، جب سب لوگ اس لاش کے حصول کے لئے بر سر پیکار تھے، وہ لاش اپنے نیم وال ہونٹوں پر سجی مسکراہٹ سے نجانے کیا پیغام دے رہی تھی۔

کچھ عرصے بعد جب ماہرین اپنا معائنہ جاری رکھے ہوئے تھے، اچانک ایک روز لاش کے گلے کے نیچے بنے چھوٹے سے زخم سے رطوبت خارج ہونا شروع ہوگئی، لاش پر منڈھے کفن نما کپڑے ہفتوں پہلے اتار لیا گیا تھا اور سر پر چڑھا سونے کا تاج بھی اتار کر محفوظ کر لیا گیا تھا، لکڑی کے جس بکس میں اس ممی کو رکھا گیا تھا اسکے اندر سے ایک اجنبی زبان میں کچھ تحریر بھی تھا، اس تحریر کو اٹلی کے ماہرین نے ترجمہ کرنے کی کوشش کی اور اس میں صرف اس حد تک کامیاب ہوئے کہ یہ تحریر قبل مسیح کے مصر سے تعلق رکھتی ہے۔ رطوبت کے اخراج سے ماہرین اس شک میں پڑ گئے کہ کیا یہ اصلی ممی ہے یا پھر نقلی ممی بنا کر بلیک مارکیٹ میں فروخت کرنے کی کوشش کی جارہی تھی؟ گو کہ ابھی یہ بھی طے نہیں ہونے پایا تھا کہ ممی آخر ملی کہاں سے، کہ رطوبت کے اخراج اور ماہرین کے جائزوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ممی اصلی نہیں نقلی ہے، اور خاتون کی لاش زیادہ سے زیادہ، 1996 کی ہے، یہ ثابت ہونے کے

Marfat.com

بعد لاش کو ایدھی فاؤنڈیشن کے حوالے کر دیا گیا، تا کہ اسے سرد خانے میں رکھ دیا جائے اور بعد ازاں اسے دفنا دیا جائے، سرد خانے میں رکھنے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا تا کہ پولیس حقیقت کا پتہ چلا سکے کہ آخر یہ خاتون کون تھی اور لاش کہاں سے آئی؟ یہ 2000 کا دسمبر تھا جب لاش ایدھی فاؤنڈیشن کے سرد خانے میں منتقل کر دی گئی، اگلے آٹھ سال تک لاش کے ساتھ کیا ہوتا رہا اور لاش لوگوں کے ساتھ کیا کرتی رہی؟ اس پر بات کرنے سے قبل ہم امریکی ریسرچ جنرل ARCHAEOLOGY کے والیم نمبر 54 شمارہ نمبر 1 کے ایک مضمون کی طرف چلتے ہیں، جہاں دو ماہرین کا تحریر کردہ ایک مضمون بلوچستان کے کسی غار سے برآمد ہونے والی اس ممی کے حوالے سے چند ایسے سوالات اٹھاتا ہے جو ہنوز جواب طلب ہیں، یہ بھی بتاتے چلیں کہ مذکورہ ریسرچ جرنل آرکیولوجیکل انسٹیٹیوٹ آف امریکہ کے تحت شائع ہوتا ہے اور اسے دنیا کے معتبر ترین ریسرچ جرنلز میں شمار کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر روز اور ڈاکٹر کرسٹین کے مشترکہ مضمون میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر ممی جعلی تھی تو پھر وہ 1996 سے 2000 تک کس طرح سلامت رہی اور اسے ممیانے کا عمل کہاں کیا گیا؟ دوسری بات یہ کہ خاتون کی لاش اگر 1996 سے تعلق رکھتی ہے تو اس کی شناخت ہونی چاہئے، تیسرا سوال یہ کہ ممی کے تابوت سے ملنے والی قدیم تحریر کہاں سے آئی؟ اس تحریر کی شناخت کے لئے اٹلی سے ماہرین کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے تصدیق کی تھی کہ یہ تحریر قبل مسیح کے مصر سے تعلق رکھتی ہے، لاش پر موجود کفن، بھی اسی انداز کا تھا جس انداز کا قدیم مصری اپنی ممیوں کو پہنایا کرتے تھے، لاش کے سر پر موجود سونے کا ہزاروں سال قدیم تاج کہاں سے آیا؟ اگر ماہرین کا یہ دعویٰ کہ ممی جعلی تھی، اس بنیاد پر تھا کہ لاش سے رطوبت خارج ہو رہی تھی جو کسی بھی ممی سے کبھی نہیں ہوتی اور یہ کہ لاش زیادہ سے زیادہ پانچ سال پرانی تھی، اس سے قطع نظر، ممی کا کفن، تاج اور تابوت و قدیم تحریر کہاں سے آئی؟ یہ سوال اب بھی ہنوز حل طلب ہے۔

Marfat.com

بلوچستان سے برآمد ہونے والی اس ممی کی کہانی کا ایک ایسا رخ بھی ہے جواب تک منظر عام پر نہیں آیا، کچھ ایسے لوگ اب بھی لسبیلہ میں موجود ہیں جو ممی کی کہانی کے اس پہلو سے واقف ہیں، ان کی نصف بات کی تصدیق، انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا اور چند دیگر عالمی ریسرچرز کے ریسرچ پیپر کرتے ہیں جو ریسرچ جرنلز میں شائع ہو چکے ہیں، ایسے ریسرچ پیپر بلوچستان کے ضلع لسبیلہ کی تاریخ اور وہاں موجود غاروں کی تفصیل کا احاطہ کرتے ہیں، ان کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے مگر پہلے، آٹھ سال تک ایدھی کے مردہ خانے کی مہمان رہنے والی ممی کی کہانی کے دوسرے رخ پر بات کرتے ہیں جو شہر روغان سے جڑا ہوا ہے۔

☆☆☆☆

وہ ایک ایرانی شخص تھا، 1995 میں جب بلوچستان میں تشدد کی لہر شروع نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے ساتھ چچ نامہ نامی ایک کتاب اور انگریز مورخ bridget allcbin کی کتاب

History of Civilizations ofCentral Asia.:

earliest times to 700

لایا، جس میں روغان کے غاروں کے بارے میں کچھ ایسی تفصیلات موجود ہیں جو کہیں اور دستیاب نہیں، ایرانی شخص کے ساتھ چند مقامی افراد بھی شامل تھے، انہوں نے 1996 کی ابتدا میں دریائے کھڈ کے قریب اپنا کیمپ لگایا اور ایک ہفتہ مقیم رہے، ان کا فوکس ان غاروں کی تلاشی لے کر کسی خزانے کی تلاش تھا، ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ سر پھرے قسم کی افراد یہاں غاروں میں خزانے تلاش کرنے کے چکر میں تلاشی لیتے رہتے ہیں، ان میں سے اکثر ناکام رہتے ہیں جب کہ بعض افراد چند روز میں ہی کوئی نقصان اٹھا کر فرار ہونے

Marfat.com

پر مجبور ہو جاتے ہیں ایرانی شخص اور اس کے مقامی ساتھی ایک ہفتے تک یہاں مقیم رہے اور اس کے بعد اچانک خاموشی سے چلے گئے، یہاں تک کی کہانی مقامی افراد کو معلوم ہے مگر وہ اپنے ساتھ ان غاروں سے کیا نکال کر لے گئے، صرف تین افراد کو معلوم تھی، یہ وہ مقامی افراد ہیں جو ایرانی شخص کے ساتھ موجود تھے، ان میں سے دو مارے جا چکے ہیں اور ایک بیلہ میں ہی موجود ہے، چاروں افراد ایک نقشے کی مدد سے پیچدہ دروں میں موجود اس غار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں غاروں میں رہنے والے قدیم افراد نے اپنا قبرستان بنا رکھا تھا، یہ عجیب سا قبرستان تھا جہاں نا تو کوئی قبر تھی اور نا ہی کوئی تابوت، بلکہ غار کے اندر قطار سے لاشیں رکھی ہوئی تھی، انہیں مخصوص انداز میں کفن دے کر پہلو بہ پہلو لٹا دیا گیا تھا، زیر زمیں قبریں دنیا بھر میں عام ہیں مگر اسطرح کی عجیب قبریں چند جگہوں پر ہی پائی جاتی ہیں، مثلاً پاکستان کے شمالی علاقوں میں موجود کافرستان نامی وادی میں بھی ایسے قبرستان موجود ہیں جہاں زمیں کے اندر قبریں بنانے کے بجائے زمیں کے اوپر لکڑی کی قبریں بنائی جاتی ہیں، کافرستان کی یہ قبریں بڑی عجیب انداز کی ہوتی ہیں جن میں سے بعض تو ایسی بھی ہیں کہ کفن میں لپٹی لاش لکڑی کی قبر کی درزوں سے باہر جھانکتی رہتی ہے، اسی طرح روغان کے غاروں میں بھی قبرستان بنایا گیا تھا، مگر یہاں لکڑی کی قبریں بنانے کے بجائے سرنگ کے اندر لاشیں ترتیب سے رکھ دی گئی تھیں۔ ایک مقامی ذریعے سے ملنے والی ان معلومات کی نصف تصدیق تین مختلف ذرائع سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک تو چچ نامہ ہے، جس میں کچھ ایسے اشارے موجود ہیں جو ان غاروں میں رہنے والوں کی تاریخ کے بارے میں بتاتے ہیں، دوسرے نمبر پر امریکہ کے تاریخ دان اور محقق Bridget Allcbin ہیں، ان کی کتاب، history of civilization of centerl asia میں بھی کچھ ایسے حوالے موجود ہیں جو ریاست لسبیلہ کی تاریخ اور ماقبل تاریخ کے ان لوگوں کے بارے میں کافی کچھ بتاتے ہیں جو ان غاروں میں مبینہ طور سے رہا کرتے تھے۔ تیسرا حوالہ نسبتا

Marfat.com

زیادہ جدید ہے، یہ حوالہ The Dist. gazetteers of brith india, a bibliography ہے، اس میں بھی بلوچستان کے چیپٹر میں شہر روغان کے غاروں اور اسکی تاریخ کے بارے میں کافی کچھ بتایا گیا ہے، ہم ان حوالہ جات کے بارے میں بعد میں بات کریں گے، پہلے ممی کی دریافت کی مقامی کہانی کو پورا کرلیں۔

چاروں افراد جب نقشے کی مدد سے اس غار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے ایک لاش نکالی اور خاموشی کے ساتھ علاقہ چھوڑ دیا، مقامی افراد کو کچھ معاوضہ پہلے ہی دے دیا گیا تھا اور کچھ معاوضہ اس وقت کے وعدے پر تھا جب یہ ممی فروخت ہو جاتی، لاش کو کوئٹہ پہنچا دیا گیا جہاں یہ مبینہ طور سے ایک قوم پرست لیڈر کے گھر پر رکھی گئی، اس کی ویڈیو بنا کر عالمی بلیک مارکیٹ میں بھی پہنچا دی گئی اور کئی لوگ اس کی خریداری میں دلچسپی لینے لگے، لاش کی ایک ویڈیو کراچی کے علاقے لیاری میں بھی موجود تھی، جہاں لاش کی فروخت کی سودے بازی جاری تھی کہ ایک دوسرے حریف گروپ نے سودا نہ بننے پر پولیس کو مخبری کردی اور اس طرح لاش کی سودے بازی کرنے والا مڈل مین دھرلیا گیا، اکبر علی نامی یہ شخص پولیس کے چھترول کے آگے زبان کھول بیٹھا اور کوئٹہ کے ایک تہہ خانے میں موجود لاش پولیس کے قبضے میں آگئی، حیرت کی بات یہ ہے کہ لاش کو اس وقت تک غار سے نکلنے تقریبا پانچ سال ہو چکے تھے، کوئٹہ میں بھی اس لاش کو ایک ڈیپ فریزر میں رکھا گیا تھا، جب کہ لاش کو غار سے نکالنے والا مرکزی کردار ایرانی شخص اس دوران اسمگلروں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک جھڑپ میں ایرانی سرحد کے قریب مارا جا چکا تھا، اور لاش پانچ سال تک اپنے گاہکوں کی تلاش میں کوئٹہ کے تہہ خانے میں پڑی رہی، حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئٹہ کے اس شخص کو بھی یہ بات نہیں پتہ تھی کہ ممی آئی کہاں سے؟ پولیس کے پاس جانے کے بعد ممی کی ملکیت کا جھگڑا کھڑا ہوا مگر طبی معائنے کے بعد جب ممی جعلی قرار پائی تو کوئی بھی اس کا وارث بننے پر آمادہ نہیں تھا، ممی کے جعلی قرار پانے کی ایک اہم وجہ یہ تھی وہ لاش دراصل اس

Marfat.com

طریقے سے نہیں ممیائی گئی تھی جس طرح مصر میں لاشوں کو حنوط کیا جاتا تھا، بلکہ ہزاروں سال قبل جس غار میں روغان کے قدیم باشندے اپنی لاشیں رکھا کرتے تھے وہ اس طرح سے ڈیزائن کیا گیا تھا کہ وہاں موجود کوئی چیز بھی خراب نہیں ہوتی تھی، حتیٰ کہ لاشیں بھی ہزاروں سال تک بہت حد تک اپنی اصلی حالت میں موجود رہیں، جب اس لاش کو غار سے باہر نکالا گیا تو وہ اس مخصوص ماحول سے باہر آگئی جہاں اس پر وقت اثر انداز نہیں ہوتا تھا، اس لئے وہ خراب ہونا شروع ہوگئی، اس طرح لاش چرانے والوں نے اسے ریفریجریٹر میں رکھ دیا، ایرانی شخص جو اصل ماسٹر مائنڈ تھا وہ مارا جا چکا تھا اور اس کے شریک کار اس بات سے نابلد تھے کہ اب لاش کا وہ کیا کریں؟ شہر روغان کے ایسے غار کی تصدیق، جہاں لاش صدیوں تک خراب نہیں ہوئی، مصر کا وہ غار بھی کرتا ہے جہاں فرعون مصر کی لاش بہت عرصے تک پڑی رہی مگر وہ خراب نہیں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ جب فرعون غرق ہوا تو پانی نے بعد میں اس کی لاش ایک ایسے غار میں دھکیل دی جس کا دہانہ پانی میں ڈوبا رہتا تھا، محفوظ کئے جانے تک فرعون مصر کی لاش اسی غار میں موجود رہی، یہ غار اب بھی موجود ہے اور مقامی افراد یہاں اس روایت کے تحت آتے ہیں کہ غار کی مخصوص فضا مختلف جسمانی خرابیوں کی درستگی کے لئے انتہائی سازگار ہے۔ بالکل اسی طرح شہر روغان کے غار سے باہر نکالے جانے کے بعد خاتون کی لاشش خراب ہونا شروع ہوگئی، اس طرح ماہرین نے اسے جعلی ممی قرار دے کر ایدھی کے سرد خانے میں رکھوا دیا تا کہ اسکی تدفین کر دی جائے، پولیس نے جعلی ممی کی تفتیش قتل کی کسی کیس کی طرح شروع کی تا کہ اس بات کا پتہ چلایا جا سکے کہ لاش کس خاتون کی ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ پولیس گذشتہ آٹھ سالوں میں کبھی اس بات کا پتہ نہیں چلا سکی کہ یہ لاش کس کی ہے؟ جب تک اسے ممی قرار دیا جا رہا تھا، اسے قبل مسیح کی کوئی ایرانی ملکہ قرار دیا گیا، مگر جعلی ممی ثابت ہونے کے بعد یہ ایک لاوارث لاش تھی، ممی کے جعلی ہونے پر امریکی ماہر آثار قدیمہ کے اعتراضات ہم کل کی قسط میں تفصیل سے بتا چکے

Marfat.com

ہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لاش کا تعلق روغان کے غار سے بتانے والے ذریعے کا اصرار ہے کہ لاش 1996 میں غار سے نکالی گئی تھی، جب کہ میڈیکل رپورٹس بھی یہ کہتی ہیں کہ لاش زیادہ سے زیادہ 1996 کی تھی، حقیقت دراصل یہ تھی کہ خاتون کی لاش ممی نہیں تھی بلکہ اپنی نوعیت کی ایک ایسی لاش تھی جسے مخصوص ماحول میں رکھا گیا تھا تا کہ وہ خراب نہ ہو، جب اسے غار سے باہر نکالا گیا تو وہ خراب ہونا شروع ہوگئی، اٹلی کے ماہرین نے اس لا معائنہ کراچی کے نیشنل میوزیم میں کیا تھا، مگر ان کی تیار کردہ رپورٹ کبھی سامنے نہیں آئی، کچھ دیگر غیر ملکی ماہرین نے بھی لاش کا معائنہ کیا تھا مگر ان کی رپورٹس بھی منظر عام پر نہیں آسکیں، لاش ایدھی کے سرد خانے میں منتقل کرنے کے بعد سب نے اسے بھلا دیا اور لاش ایدھی فاؤنڈیشن کے لئے دردسر بن گئی، وہ اسے دفنانا چاہتے تھے مگر یہ ایک قدیم لاش تھی جس کی تدفین کے لئے سرکاری اداروں کی اجازت درکار تھی مگر کوئی بھی سرکاری ادارہ لاش کی تدفین کی ذمہ داری اپنے سر لینے پر تیار نہیں تھا، ایدھی سردخانے میں لاش رکھنے کا خرچہ تقریباً فی یوم 500 روپے تک ہوتا ہے، ایدھی فاؤنڈیشن اس لاش کو دفنانا چاہتی تھی، مگر ہر محکمہ دوسرے محکمے کو ذمہ دار ٹھہرا کر اس سے اجازت لینے کا مشورہ دیتا تھا، 12 مئی کے بہیمانہ قتل عام کے بعد جب مردہ خانے لاشوں سے بھر گیا تھا، فاؤنڈیشن نے اس ممی کو سردخانے سے اٹھا کر باہر گلی میں رکھ دیا تھا، اس طرح آخر کار آٹھ سال بعد ایدھی فاؤنڈیشن نے اس لاش کو ایک بے نام قبر میں چند مہینے قبل دفنا دیا۔ عجیب منحوس لاش تھی، جو بھی اس سے متعلق کسی کام میں ملوث ہوا، پراسرار انداز میں مارا گیا یا نقصان اٹھایا، ایدھی فاؤنڈیشن کو اس لاش نے آٹھ سال تک فل ٹینشن دینے کے علاوہ 14 لاکھ 40 ہزار کا مالی نقصان بھی پہنچایا، اسے غار سے نکالنے والا ایرانی سرحد پر اسمگلروں کے ساتھ مارا گیا، جب کہ شہر روغان میں ا سکا ساتھ دینے والے تین مقامی افراد میں سے دو ایک دھماکے میں مارے گئے اور زندہ بچ جانے والا ایک شخص، تعلیم یافتہ اور قابل ہونے کے باوجود کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہے، اکبر

Marfat.com

علی نامی شخص جو اس ممی کی مارکیٹنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ قتل کے کیس میں ملوث قرار دیا گیا، میں نے اس سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا کہ وہ کہاں گیا، کچھ لوگ یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بھی مارا جا چکا ہے، ایک ایمبولینس ڈرائیور جو ممی کی ہینڈلنگ کے سلسلے میں کام کرتا رہا تھا، سانحہ 12 مئی میں سر میں گولی لگنے سے مارا گیا، جب کہ اس کیس کی تفتیش میں شامل ایک اہلکار بھی روڈ ایکسیڈنٹ میں مارا گیا، پانچ جرمن باشندے جو ممی کے منظر عام پر آنے کے چند سال بعد، مبینہ طور پر اسی قسم کی مزید ممیوں کی تلاش میں شہر روغان کے غاروں میں گئے تھے، پر اسرار انداز میں غائب ہو گئے تھے۔

اب ہم آتے ہیں اس طرف کہ شہر روغان کے غار آخر کس طرح وجود میں آئے اور یہاں کون رہا کرتا تھا۔ بہت سے امریکی تاریخ دانوں نے اپنی کتابوں میں سکندر اعظم کے سفر اور فتوحات کا ذکر کیا ہے اس سلسلے میں سب سے زیادہ تفصیل Thomas Holdich فراہم کرتا ہے، تھامس نے اپنی کتاب The Alexander میں لکھا ہے کہ سکندر اعظم جنوبی ایشیا سے واپس جاتے ہوئے لسبیلہ سے گزرا تھا جہاں اس نے ارمبیل میں قیام کیا (قدیم ارمبیل نامی شہراب بیلہ کہلاتا ہے، اس کی تصدیق دیگر تاریخ دانوں کے ساتھ ساتھ کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ میں تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر نادر مگسی بھی کرتے ہیں) تھامس نے لکھا ہے کہ اس وقت ارمبیل میں بودھ مت کے پیروکاروں کی بڑی تعداد موجود تھی، جو مغربی سمت میں پہاڑوں سے یہاں آئے تھے۔ چچ نامہ بھی کچھ اسی قسم کے اشارے دیتا ہے۔ تھامس کی بات کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ ممی دریافت ہونے کے بعد افغانستان کے وزیر ثقافت نے یہ دعوی کیا تھا ممی کا تعلق افغانستان کے بامیان صوبے سے ہے، جہاں ہزاروں سال قبل ممیاں بنائی جاتی تھیں۔ اقوام متحدہ کے ادارہ UNESCO بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ہزاروں سال قبل بامیان میں بودھ مت کے پیروکار

Marfat.com

آباد تھے، حیرت کی بات یہ ہے کہ جس طرح کے غار شہر روغان کے پہاڑوں میں موجود ہیں بالکل اسی طرح کے غار بامیان میں اس جگہ پر موجود ہیں جہاں بودھا کے دیوہیکل مجسمے تراشے گئے تھے مذکورہ مجسمے طالبان نے تباہ کردیئے تھے مگر پہاڑوں میں کھدے وہ غار اب تک موجود ہیں۔ اس طرح یہ تصویر بنتی ہے کہ شہر روغان کے غاروں اور افغانستان کے بامیان میں گہرا آپسی تعلق موجود ہے، شہر روغان کے غاروں میں بھی بودھا کے پیروکار رہا کرتے تھے اور بامیان کے غاروں میں بھی، یہ امکان بھی ہے کہ شہر روغان کے باسی بھی بامیان سے ہی ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے ہوں، مگر بدھا کے ان پیروکاروں کے ان غاروں میں ممیاں یا لاشیں کہاں سے آئیں؟

☆☆☆☆☆

''او خداؤں کے خدا! تمام بادشاہوں کے بادشاہ! یہ تیرا وعدہ ہے کہ موت ایک اور زندگی میں داخل ہونے کا دروازہ ہے جس سے گزرنا ہر ایک کی سزا ہے، جسم کے اندر کا جسم کبھی نہیں مرتا اس لئے محبت و نفرت کے معاملات نمٹانے کے لئے مجھے دوبارہ سے موت کے دروازے کے پیچھے بھیج''

''طوطنخ آمن''، فراعین مصر میں سب سے پر جلال بادشاہ تھا، اس کی درجنوں بیگمات میں ''نفرتی تی'' سب سے خوبصورت اور چہیتی بیوی تھی مگر وہ جوانی میں ہی کسی سازش کا شکار ہوکر مرگئی، 1932 میں جب انگریز مصر کے اہراموں کی تلاشی لے رہے تھے، نفرتی تی کی ممی دریافت ہوئی، یہ عجیب سی ممی تھی جسم کے نام پر ہڈیوں کے ڈھانچے پر کھال منڈھی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ سینے پر ضرب کا نشان بنارہے تھے، یہ وہ وقت تھا جب مصر کا کوئی ولی وارث نہیں تھا اور قدیم سامان کی لوٹ مار جاری تھی، نفرتی تی کے تابوت پر ایک پنجا بنا ہوا تھا اور تابوت کے اندر ملکہ کے تمام جواہرات موجود تھے، لاش پر موجود کفن کے اوپر ایک

Marfat.com

عجیب سے رسم الخط میں کوئی تحریر تھی، اس تحریر کو ترجمہ کرنے والے برٹش میوزیم کے سر جوزف فرینک تھے، قدیم مصری رسم الخط میں لکھا گیا تھا ''او خداؤں کے خدا، تمام بادشاہوں کے بادشاہ!...........''، انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ ممی کے سینے پر لکھی اس تحریر کو پڑھ کر ان منحوس منتروں کو زندہ کر رہے تھے جو ہزاروں سال قبل فراعین مصر کے پروہتوں نے پڑھ کر ممی اور اس کے زیورات کو محفوظ بنایا تھا تاکہ کوئی بھی اس ممی یا اس کے زیورات کو نقصان نہیں پہنچا سکے۔ ڈاکٹر فرینک نے ممی کے منحوس منتر تو پڑھ دیئے مگر اس کے بعد برپا ہونے والے طوفان کو روکنا ان کے بس میں نہیں تھا، ڈاکٹر فرینک خود بھی مارا گیا، فرینک کی موت بہت ہی ہولناک تھی وہ ایک ایسی ٹیبل پر بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا جس پر لکڑی کے سطح کے اوپر شیشے کی سطح بھی لگی ہوئی تھی، ڈاکٹر رات کو دیر تک اپنے کمرے میں کام کرتا رہتا تھا، ایک صبح وہ اپنے کمرے میں اس حالت میں پایا گیا کہ شیشے کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر اس کے منہ میں گھسا ہوا تھا ڈاکٹروں نے وجہ موت زیادہ خون بہہ جانا بتائی مگر شیشہ اس کے منہ تک کس طرح پہنچا، یہ عقدہ کبھی حل نہیں ہو سکا، مقامی مزدوروں کا وہ گروہ جو ممی کو نکالنے اور تابوت کھولنے میں ملوث تھا، اس کے ساتھ بھی بہت برا ہوا، ممی کا تاج چرانے والے ایک انگریز فوجی بھاری پتھر تلے دب کر کچلا گیا، طوطنخ آمن کی ملکہ نفرتی تی کی ممی سے متعلق اکثر افراد کی موت انتہائی پر تشدد اور غیر متوقع حالات میں ہوئی۔ اس بارے میں ڈاکٹر عبدالکریم سنگاپوری نے کافی کچھ لکھا۔

عبدالکریم سنگاپوری ماہر آثار قدیمہ اور پر اسرار علوم کے طالب علم ہیں، وہ 1984/85 میں کراچی سے رئیس اکیڈیمز کے تحت ایک رسالہ ''سائیکک رپورٹس'' کے نام سے نکالتے رہے ہیں انہوں نے مصر کے اہراموں میں ایک عرصہ گزارا، اور اس راز تک رسائی حاصل کی آخر ممیوں سے متعلق اکثر افراد پر اسرار موت کا شکار کیوں ہوتے ہیں، اس پر بات کرنے سے قبل ہم یہ بتاتے چلیں کہ شہر روغان میں ممی کہاں سے آئی۔

منحنی سے جسم اور بڑے سر والے اس ہندو بوڑھے سے میری ملاقات بیلہ بازار میں اس وقت ہوئی تھی جب میں شہر روغان سے واپس آکر تصاویر کی سی ڈی بنوانے کے لئے پریشان پھر رہا تھا، اس دن بیلہ میں بجلی نہیں تھی اور اس بات کا کوئی امکان بھی نہیں تھا کہ بجلی اسی دن آ

Marfat.com

جائے گی، بوڑھے کی دکان میں چھوٹے جنریٹر سے پنکھا چل رہا تھا، اسی بجلی سے میں بھی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا مگر اس نے پوچھ لیا کہ کون سی تصویریں ہیں؟ میرا جواب سن کر اس نے پراسرار سا قہقہہ لگایا اور بتانے لگا کہ کس طرح وہاں جانے والے غائب ہو جاتے ہیں یا مارے جاتے ہیں، بوڑھا ہندو پرانی روایات کا اچھا حافظ تھا، میں نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے آخری سوال کیا کہ آخر یہاں کون رہتے تھے، بوڑھے کی کہانی بہت طویل تھی:

ہزاروں سال قبل جب زمین پر انسانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اس وقت بھی لسبیلہ ایک ریاست کی طرح آباد تھا، بیلہ شہر اس وقت ارمبیل کہلاتا تھا اور یہاں سے دور دریائے کھڈ کے کنارے وہ لوگ رہا کرتے تھے جنہیں دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، ان لوگوں کی عجیب دنیا تھی، علاقے میں کوئی بھی حکمران ہو، وہ ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا تھا، بلکہ جس کسی سے بھی یہ پروہت ناراض ہو جاتے، بربادی اس کا تعاقب کرتی رہتی تھی، اس لئے ان لوگوں کو کبھی بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا، ان لوگوں کے ساتھ دیوتاؤں کی طاقت تھی،

بعض دیوتا بھی ان کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے، چوں کہ یہ لوگ انتہائی درجے کے عالم ہوا کرتے تھے اور کئی قسم کی طاقتوں کے حامل ہوا کرتے تھے، اس لئے جب ان میں سے کوئی مر جاتا تھا تو اسے قبر میں عام لوگوں کی طرح نہیں دفنایا جاتا تھا، بلکہ جو کوئی ہندومت سے تعلق رکھتا تھا اسے، ہندومت کے مطابق جلانے کے بعد اس کی راکھ کو ایک چھوٹے سے لکڑی کے صندوق میں بند کر کے ایک غار میں رکھ دیا جاتا تھا اور جو ہندومت کے بجائے کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا تھا اس کی لاش ایسے ہی کسی غار میں رکھ دی جاتی تھی، چوں کہ ان لوگوں کا تعلق دیوتاؤں سے ہوا کرتا تھا اس لئے دیوتا بھی ان کی بات سنتے تھے اور ان لوگوں کی لاشیں غار میں خراب نہیں ہوا کرتی تھیں، زمین میں دفن نہ کرنے کا ایک اہم راز یہ تھا کہ ان کی لاش کسی ایسے فرد کے ہاتھ نہ لگ جائے جو اسے اپنے غلط ارادوں کے تکمیل میں استعمال کر بیٹھے، پروہتوں کی لاشوں کے حصول کی کوششیں ہمیشہ سے جاری رہیں، بہت سے لوگ اس بات سے بھی واقف تھے کہ پروہتوں کے پاس خزانوں کے ڈھیر ہیں، چوں کہ ہر حکمران کو ان کی خوشنودی کی ضرورت رہتی تھی لہذا وہ انہیں تحائف بھجواتا رہتا تھا، ہر

Marfat.com

پروہت کے تحائف اس کی لاش کے ساتھ ہی رکھ دیئے جاتے تھے اور اس اس بات سے واقف لوگ ان خزانوں کی تلاش میں رہتے تھے، چوروں اور ناپسندیدہ لوگوں سے لاش اور خزانوں کی حفاظت کے لئے پروہت اپنی زندگی میں ہی منتر پڑھنا شروع کر دیتے تھے، اس کے پیچھے بھی یہ فلسفہ تھا کہ کوئی بھی مرنے کے بعد مرتا نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ھے، جس پروہت کے پاس جتنے خزانے ہوتے تھے وہ اتنا ہی طاقت ور خیال کیا جاتا تھا کیوں کہ خزانے اس وقت ملتے تھے جب وہ کسی حکمران کی کوئی خواہش حسب درخواست پوری کر دیتا تھا، ان لوگوں کا یہی خیال تھا کہ مرنے کے بعد بھی پروہت کو ان خزانوں کی ضرورت باقی رہتی ہے کیوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد مرتا نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے، جہاں وہ ایک بار پھر دنیا میں آنے کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہ بات تو سمجھ میں آنے والی ہے کہ چور خزانے چرا لیا کرتے تھے مگر لاش چرانے کی بات اس وقت عجیب سی تھی، حقیقت یہ ہے کہ پروہت، طویل مشقتوں کے بعد ایسی طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا کرتے تھے جس سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہو جاتے تھے، بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو طاقت کے حصول کا آسان راستہ استعمال کرنا چاہتے تھے، ایسے لوگوں کے لئے پروہتوں کی لاش یا اس کی راکھ بہت قیمتی تھی، لہذا ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اسے حاصل کر لیں، پروہتوں کی اپنی لاشوں اور خزانوں کی حفاظت کے لئے تین طرح کے اقدامات کئے، ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ لاشیں دفنانے یا پانی میں بہانے کے بجائے، انہیں ایک مخصوص غار میں رکھا، یہ غار کسی پیچیدہ درے میں زمین کی گہرائی میں ہے، جہاں عام آدمی کا پہنچنا انتہائی مشکل ہے، اس کے بعد انہوں نے غار تک پہنچنے والے راستے کو مظبوط منتروں کے ذریعے مشکلات کا جال بنا دیا، اگر کوئی اس غار تک پہنچ بھی جائے تو وہ اندر نہ جا سکے، اس کے باجود یہ بات ممکن تھی کہ کوئی نا کوئی اس غار کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے، لہذا انہوں نے تیسرا اور آخری کام یہ کیا کہ اپنی لاشوں اور خزانوں کو بھی منتروں کے جال میں جکڑ دیا، اگر کوئی لاش اور خزانے تک پہنچ بھی جائے گا تو لاش کو چھوتے ہی منحوس منتر آزاد ہو جائیں گے اور پھر جہاں جہاں بھی یہ خزانے اور لاش

Marfat.com

جائے گی، محافظ منتروں کی نحوست وہاں تباہی پھیلاتی رہے گی، لوگ مرتے رہیں گے اور خون بہتا رہے گا، اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ لاش اور خزانے کو دفنا دیا جائے۔''

جس وقت میری اس ہندو بوڑھے سے ملاقات ہوئی تھی، اس وقت تک روغان کی ممی کے بارے میں زیادہ تفصیلات اکٹھی نہیں کر سکا تھا مگر بعد میں ایک انکشاف نے مجھے ہلا کر رکھ دیا، روغان کے غار کے جو ممی 1996 میں نکالی گئی تھی وہ پولیس کے ہاتھ 2000 میں لگی، مگر اس وقت تک ممی کے پاس سونے کے ایک تاج اور نامعلوم رسم الخط والی تحریر کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ممی کے ساتھ زیورات اور دیگر خزانے بھی نکالے گئے تھے، مگر ان کا سراغ نہیں لگ سکا، کہا یہ جاتا ہے کہ زیورات اور ایسے ہی چیزیں کچھ جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں لگیں اور کراچی کے علاقے لیاری میں آج بھی موجود ہیں، اہم بات یہ ہے کہ جس شخص کو پولیس نے ممی کیس میں گرفتار کیا تھا وہ بھی لیاری سے ہی پکڑا گیا تھا، اس لئے یہ بات وزنی ہے کہ زیورات بھی لیاری میں ہی ہوں گے کیوں کہ کوئٹہ کے جس گھر سے ممی برآمد ہوئی وہاں زیورات موجود نہیں تھے، اگر یہ بات درست ہے کہ ممی کے زیورات لیاری میں موجود ہیں تو چند سالوں سے وہاں جاری کشت وخون کے پس منظر میں بیلہ کے ہندو بوڑھے کی بات میں حیران کن مماثلت نظر آتی ہے۔ اس بات کی تصدیق ایک اور ذریعہ سے بھی ہوتی ہے، ڈاکٹر عبدالکریم سنگاپوری یہ دعوی کرتے ہیں کہ اکثر ممیاں اس حالت میں پائی گئیں کہ ان ۔ کے ہاتھ سینے پر ضرب کا نشان بنا رہے تھے، یہ دراصل ایک مخصوص نشان تھا اور پروہت ممیوں اور ان کے خزانوں کو محفوظ بنانے کے لئے جو منتر پھونکا کرتے تھے وہ اسی ضرب کے نشان کے نیچے پڑا رہتا تھا، جب کہ کچھ منتر کفن کے اوپر بھی لکھ دئے جاتے تھے، جیسے یہ کوئی ان منتروں کو دہراتا یا پھر انہیں چھوتا، حفاظتی منتروں کی نحوست کا عمل شروع ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ مصر کی اکثر ممیوں نے منظر عام پر آنے کی قیمت کئی انسانی جانوں کی صورت میں وصول کی۔ اگر سنگاپوری کی بات کو فرسودہ بھی سمجھ لیا جائے تو شہر روغان کی 2000 میں منظر عام پر آنے والی ممی سے متعلق کم از کم 6 افراد کی پراسرار اور غیر طبعی موت کی توجیہص پیش کرنا باقی ہے۔ فراعین مصر کی خظرناک جادو کی تصدیق قرآن پاک

Marfat.com

بھی کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادوگروں کو لایا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

شاید یہ ایک اتفاق ہی ہو، 2000 میں جب لیاری میں اکبر علی نامی شخص روغان کے غاروں سے چرائی گئی ممی کو فروخت کرنے کی کوشش کرر ہا تھا، روغان کے پہاڑوں میں آباد دو گروہ ایک دوسرے کے خلاف مورچہ زن تھے اور ایف سی کے دستے خون خرابہ روکنے کی کوشش میں علاقے کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، پھر کچھ دن بعد جب پولیس نے کوئٹہ کے ایک گھر سے ممی کو اپنی تحویل میں لیا تو ممی کے مسکن، شہر روغان کے دو گروہوں کے درمیان جنگ شروع ہو چکی تھی، اس جنگ میں دونوں اطراف کے کئی لوگ مارے گئے، حالاں کہ بات کچھ بھی نہیں تھی، بے آباد، سنگلاخ زمین کے ایک چھوٹے سے چند گز کے ٹکڑے پر شروع ہونے والی تکرار نے بات لاشوں اور ڈھیروں زخمیوں تک پہنچا دی، اس سے قبل بھی جب 90 کی دہائی میں یہاں سے مبینہ طور پر ممی نکالی گئی تھی، لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے، 1999 میں جب لیاری میں پہلی بار مبینہ طور سے ممی کے کچھ زیورات پہنچے، لیاری گینگ وار کے اس خون آشام دن کا آغاز ہوا، جس کی شام اب تک نہیں ہو پائی ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ صرف اتفاق ہی ہو مگر یہ بہت ہی عجیب اتفاق ہیں، روغان کی ممی یا اسکے زیورات جہاں سے بھی گزرے، اپنے پیچھے لاشیں چھوڑ گئے، بیلہ کے ایک ہندو بوڑھے کا کہنا ہے کہ یہ ان منتروں کی نحوست ہے جو، ممی کی حفاظت کے لئے پروہتوں نے ہزاروں سال قبل پڑھ کر پھونکے تھے۔

90 کی دہائی کے درمیانی سالوں میں جب ایرانی شخص نے اپنے مقامی مددگاروں کی مدد سے روغان کے غاروں سے ممی نکالی اور اسے نامعلوم جگہ منتقل کیا تو عین اسی دوران، یہاں مقیم دو گروہوں کے درمیان کشیدگی کا آغاز ہوا، یہ ناقابل یقین سی بات ہے کہ وجہ تنازع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر موجود چند گز زمین کا ٹکڑا ہے، ایک گروہ نے اچانک دعویٰ

Marfat.com

کیا کہ یہ ٹکڑا ان کا ہے، حالانکہ اس جگہ سے کئی کلومیٹر دور تک کسی بھی انسان یا آبادی کا کوئی وجود نہیں مگر پھر بھی زمین کا یہ بیابان ٹکڑا جنگ کا باعث بن گیا، پہلے دعوے دار کا جواب دوسرے گروہ نے بندوق کی نالی سے دیا اور شہر روغان کی طرف آنے والا واحد کچا راستہ کئی روز کے لئے بند ہو گیا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان دنوں ممی، اسی علاقے کے کسی کچے گھر میں پڑی، علاقے سے باہر نکلنے کے مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی، حالات خراب ہونے کے بعد جب سیکورٹی اہلکاروں کی بڑی تعداد نے اپنی پوزیشنیں سنبھالنا شروع کیں تو، ممی چوروں نے پکڑے جانے کے خدشے کے باعث فوراً ہی یہ جگہ چھوڑ دی اور اپنے ساتھ ہی ممی لے گئے، ممی کے علاقے سے نکلتے ہی ہر شخص پرسکون ہو گیا، اور بڑے بوڑھے یہ کہتے پائے گئے کہ جنگ کس بات پر ہو رہی تھی؟ اگلے چند روز میں علاقہ بالکل پرسکون تھا اور سکیورٹی دستے واپس چلے گئے، یہ سکون، شہر روغان کے ویرانوں میں اس وقت تک قائم رہا جب تک ممی کسی نامعلوم مقام پر پڑی، فروخت ہونے کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرتی رہی، اس دوران ایرانی مارا جا چکا تھا اور جن کے پاس ممی تھی انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کا کیا کرنا ہے، 1999 کے آخری مہینوں میں ممی کی ایک ویڈیو اور کچھ زیورات لیاری پہنچے، شاید یہ بھی ایک اتفاق ہی ہے کہ انہی دنوں لیاری میں منشیات فروشوں کی دو گروہوں کے درمیان مورچہ بندی شروع ہوئی اور حالات حالات خراب ہونا شروع ہوئے، جس شخص نے ہمیں یہ بتایا تھا، اس کی بات کو چیک کرنے کے لئے ہم نے اخبارات کی پرانی فائلیں چیک کیں تو اسکی تصدیق ہو گئی، لیاری گینگ وار کی ابتداء 1999 کے آخری دنوں میں ہی ہوئی تھی اس سے قبل یہاں پر منشیات فروشوں کی گروہ موجود تو تھے مگر ان کی آپسی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح روغان میں انتہائی چھوٹی سی بات پر جنگ کی ابتدا ہوئی، لیاری میں بھی بظاہر منشیات فروشوں کے درمیان تنازعے کی ابتداء بھی محض ایک شک کی بنیاد پر ہوئی جو آگے چل کر کشت و خون میں بدل گیا، 2000 میں جب روغان کی ممی کی ویڈیو اور زیورات کو لیاری میں مختلف لوگوں کو دکھایا جا رہا تھا اور گاہک ڈھونڈنے کی کوششیں جاری تھیں، عین انہی دنوں ممی کا آبائی مسکن

Marfat.com

شہر روغان میں دوبارہ سے فضا کشیدہ ہوگئی، وجہ تنازع اس بار بھی زمین کا وہی چھوٹا سا ٹکڑا تھا مگر اس بار جنگ کی بادل بہت شدید تھے، حیرت ناک بات یہ ہے کہ چند ہفتے تک روغان کے دو گروہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھے رہے مگر شاید یہ کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ بات قتل و غارت تک جا پہنچے گی، کیوں کہ چند سال قبل جب ممی کے دریافت کے کچھ دن بعد یہ تنازعہ پیدا ہوا تھا تب بھی بعد میں مقامی لوگ اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ اتنی معمولی سے بات پر جنگ کی نوبت کیوں آ گئی، واقعات کی کڑی سے کڑی ملا کر دیکھی جائے تو جس دن لیاری سے پولیس نے ممی کی ویڈیو کے مالک اکبر نامی شخص کو گرفتار کیا، اسی روز روغان کے دو گروہوں نے ایک دوسرے پر اپنی بندوقین سیدھی کر لیں، لیاری میں بھی اکبر کی گرفتاری کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اسی کے ایک ساتھی نے پولیس کو اطلاع دی اور اس طرح پولیس ملزم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی، کہا یہ جاتا ہے کہ اس گرفتاری کے پیچھے بھی ممی کے زیورات ہی کارفرما تھے، پرانے اخبارات کی فائلیں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ممی فروخت کرنے کی کوشش کرنے والے کی گرفتاری کے چند روز بعد ہی لیاری میں شدید لڑائی ہوئی تھی اور کئی افراد مارے گئے تھے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ شاید اکبر کی گرفتاری کے بعد ملزمان نے شک یا مخبری کی بنیاد پر ایک دوسرے پر حملے کئے ہوں مگر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ لیاری سے تقریبا 400 کلومیٹر دور روغان میں کیا ہوا؟ روغان میں ان دنوں ایک ہفتے تک جنگ جاری رہی اور دونوں طرف سے کئی افراد مارے گئے، اس دوران، علاقے میں امن و امان کی صورتحال بہتر کرنے کے لئے ایف سی کے دستے بڑی تعداد میں تعینات کئے گئے اور علاقے کی طرف جانے والا راستہ ایک ہفتے تک بند رہا، بیلہ، بلوچستان کا ایسا علاقہ ہے جہاں قوم پرستوں یا بلوچ تحریک کا اتنا زیادہ اثر نہیں ہے اور بم دھماکوں جیسی صورتحال یہاں کبھی پیش نہیں آئی، مگر ان دنوں یہاں پر پہلی بار ،شہر روغان کے بیابانوں میں ایک دوسرے کے خلاف بم استعمال کئے گئے، وجہ تنازعہ اس بار بھی زمین کا وہی چند گز کا ٹکڑا تھا، انہی دنوں روغان کی ممی کا چرچا بھی اخبارات میں تھا، اسی تناسب سے لڑائی میں بھی شدت تھی، روغان کے آس پاس کے علاقے میں شاید ہی

Marfat.com

چند ہزار کی آبادی ہو مگر جنگ کی شدت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی کمک کے لئے دوسرے علاقوں گاڑیوں میں بھر کر لوگ آئے۔شاید یہ بھی اتفاق ہی ہو کہ جیسے ہی اخبارات سے ممی کا ذکر غائب ہوا، اور معاملہ ٹھنڈا پڑا، روغان کے پہاڑوں میں بھی بظاہر حالات نارمل ہوتے گئے مگر لیاری میں سکون نہیں ہو سکا۔

لیاری میں جنگ کی بظاہر وجہ تو یہ نظر آتی ہے کہ منشیات فروشوں کے دو گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں مگر بتانے والے یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ جنگ اسی وقت کیوں شروع ہوئی جب، ممی کے سفر میں لیاری کا پڑاؤ آیا؟ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممی کی ویڈیو کے ساتھ ساتھ یہاں پر کچھ زیورات بھی آئے تھے، یہ زیورات پولیس برآمد کرانے میں ناکام رہی اور زیورات اب بھی یہاں پر ہی موجود ہیں، یہ واضح نہیں کہ زیوارت کس کے پاس ہیں اور اب تک فروخت کیوں نہیں کئے گئے، ایک ممکن صورت یہ بھی ہے کہ جس کسی کے پاس یہ زیورات رکھوائے گئے تھے، وہ بھی مارا گیا اور زیورات اب تک اسی جگہ پر محفوظ ہیں جہاں اس نے رکھے تھے، اس راز سے ایک اور شخص بھی واقف تھا، اکبر علی نامی اس شخص کو پولیس نے گرفتار کر لیا تھا مگر بعد میں کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ اکبر علی کہاں گیا، اپنے ذرائع کے ذریعے اس کا پتہ چلانے کی کوشش کی مگر اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

عبدالکریم سنگاپوری کا تعارف ہم نے کل کرایا تھا، ممی اور خون خرابے کے بارے میں وہ بھی ایک دعوی کرتے ہیں، ڈاکٹر عبدالکریم سنگاپوری نے تبت کے پراسرار پگوڈوں اور مصر کے اہراموں میں کافی وقت گزارا، وہ ممیوں کے بارے حیرت انگیز باتیں کرتے ہیں جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہی نظر آتی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کہیں سے کوئی ممی دریافت کی جائے اور باہر آنے کے بعد وہ قتل و غارت نہ کرے۔

☆☆☆☆

صبح کا سورج نکلنے میں چند گھنٹے باقی تھے جب گڑبڑ کا احساس ہوا، گھوڑوں کی ٹاپوں

Marfat.com

اورتلواروں کی جھنکار صاف سنائی دیتی تھی، ہمارے ساتھ موجود مقامی گائیڈ عبدالرزاق سیاں کے خراٹے پہلے سے ہی رات کے سناٹے میں گونج رہے تھے مگر گھوڑوں کی ٹاپوں اور لوہا ٹکرانے کے سازوں کے ساتھ مل کر وہ مزید خوفناک ہو گئے، جھنجوڑنے پر عبدالرزاق ہڑ بڑا کر اٹھا، کان لگا کر آوازیں سنیں اور پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ ہم لوگ رات دیر گئے بیلہ سے شہر روغان کے لئے نکلے تھے، دریائے کھڈ کے قریب پہنچے تو ابھی صبح ہونے میں دیر تھی اس لئے سب لوگ جیپ کے قریب چادریں بچھا کر دراز ہو گئے، اور تھوڑی دیر بعد ہی فضاء، قدیم جنگجوؤں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج رہی تھی۔

712 عیسوی میں جب محمد بن قاسم نے سندھ کا رخ کیا تھا تو اس کی فوج کے دو حصے تھے، ایک سمندر کے راستے سندھ پہنچا اور دوسرا محمد بن قاسم کی سربراہی میں مکران کے ساحل سے ہوتا ہوا، دریائے کھڈ کے کنارے، شہر روغان کے قریب خیمہ زن ہو گیا، اس وقت یہاں پر کسی آبادی کا کوئی نشان نہیں تھا مگر پہلی رات ہی عرب لشکر پر بہت خوفناک گزری اور غاروں میں رہنے والے بدھ مت کے پیروکاروں کے چھاپہ ماروں نے خوفناک تباہی مچائی، ایسا پہلی بار نہیں تھا، اس سے قبل بھی جب عرب حملہ آور یہاں سے گزرے اور انہوں نے دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالا، غاروں میں رہنے والے بھکشو، جو مارشل آرٹ کے ماہر اور ستواں پہاڑی غاروں میں رہائش کی وجہ سے چستی و پھرتی میں یکتا تھا، حملہ آوروں پر شب خون مارتے رہے، اس آنکھ مچولی کا خاتمہ محمد بن قاسم نے کیا۔ لسبیلہ کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنا کہ بلوچستان، خاص طور سے جس مورخ نے بھی جنوبی ایشیا پر قلم اٹھایا، اس نے لسبیلہ کا ذکر ضرور کیا، اور جب بھی لسبیلہ کا ذکر آیا، عرب حملہ آوروں اور محمد بن قاسم کا ذکر بھی آیا۔ لسبیلہ کا سب سے پہلا ذکر تاریخ میں سکندر اعظم کے حوالے سے ملتا ہے، وہ یہاں سے گزرتا ہوا، ارمبیل میں رکا، اس وقت یہاں پر بدھ حکمران تھا، سکندر اعظم نے یہاں کا حکمران، اپنے ایک جنرل، سیلو کاسٹ نیکولتر کو مقرر کیا، یہ مغربی اور وسط ایشیا کا گورنر تھا، اس کے بعد تاریخ میں چچ کا ذکر ہے، جب چچ یہاں آیا تو اس وقت ارمبیل میں بدھ حکمران، سیمون کا راج تھا، یہ 636 عیسوی کی بات ہے، اس کے بعد مکران کے ساحل پر عرب حملہ

Marfat.com

آوروں کی آمدورفت شروع ہو گئی، دریائے کھڈ کی وجہ سے ہر حملہ آور شہر روغان کا رخ کرتا اور یہاں غاروں میں آباد جنگجو ترین بدھ بھکشواس کے بھڑ جاتے، غاروں میں آباد بدھ بھکشو یہاں بامیاں سے آئے تھے اور دریا کے کنارے پہاڑی سلسلہ ان کی عجیب وغریب رہائش گاہوں کے لئے انتہائی پرکشش تھا، انہوں نے پہاڑوں کے اندر طویل سرنگیں اور غار کھودے، چوں کہ یہ لوگ مارشل آرٹ میں یکتا تھے اور بظاہر انسانی بساط سے بڑھ کر کمالات دکھا سکتے تھے اس لئے بیلا کے ہندوں نے انہیں دیوتاؤں کے رتبے پر فائز کر دیا، کہا یہ جاتا ہے کہ بدھ بھشکو ستواں پہاڑوں پر چڑھنے کے لئے نا تو سیڑھیوں کا استعمال کرتے تھے اور نا ہی رسیاں استعمال کرتے بلکہ بندروں کی طرح پہاڑی رخنوں میں ہاتھ اور پیر پھنسا کر تیزی سے اوپر چڑھ جاتے، یہ لوگ تیر، تلوار، خنجر اور لچک دار ڈنڈوں کی مدد سے جنگ لڑنے کے ماہر تھے، تبت اور بامیان سے گیان کی منزلیں طے کرنے کے لئے بھی نو آموز اور چننے ہوئے بھکشو یہاں پر بھیجے جاتے تھے، یہ لوگ عموماً پرامن رہتے تھے مگر جب کوئی دریا کے قریب جانے کی کوشش کرتا تو انتہائی پر تشدد ہو جاتے، ڈاکٹر سدھیر بیرودکار نے History of budhism in Arambial میں لکھا ہے کہ بدھ بھکشوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ ان کے پہاڑی گیان مندروں یا مراکز کے قریب کوئی بھی غیر متعلقہ شخص نہ جانے پائے، یہی بات شہر روغان کے لئے بھی تھی، شاید وہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ کہ گیان کی اعلی منزلوں تک پہنچنے کے لئے بیرونی دنیا سے رابطہ توڑنا ضروری سمجھتے تھے یا پھر ان کے کوئی ایسے راز تھے جو وہ کسی اور سے شیئر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، شہر روغان میں بھی یہی ہوا کہ وہ کسی بھی ایسے گروہ پر حملہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے جو ان کی عمل داری میں مداخلت کرے۔

636 عیسوی میں شہر روغان کے غاروں میں جو کچھ بھی ہوتا رہا، کسی نے اس میں مداخلت نہیں کی مگر جب عرب حملہ آور مکران کے ساحل پر پہنچے اور انہوں نے علاقے میں اپنا اثر جمانا شروع کیا تو صحرانشینوں کی روایات کے تحت پانی پر اپنا کنٹرول چاہا یا پھر یہ کہ پانی تک آسان رسائی کو اہمیت دی، اسی تناظر میں وہ علاقے کے واحد دریا، دریائے کھڈ تک

Marfat.com

پہنچے اور یہاں بدھ بھکشوں نے ان پر حملہ کر دیا، صحراوں اور میدانوں میں لڑنے کے عادی ان حملہ آوروں کو ایسے حیرت ناک جنگجوؤں سے پہلی بار واسطہ پڑا تھا جو رات کے اندھیرے میں اچانک کسی پہاڑی غار سے بندر کی طرح چھلانگیں مارتے اترتے اور بیک وقت، تیرو تلوار و خنجر کے استعمال سے ہر طرف افراتفری پھیلا دیتے، محمد بن قاسم کی آمد تک یہ سلسلہ چلتا رہا، نا ہی عرب حملہ آوروں نے شکست تسلیم اور نا ہی غاروں میں رہنے والے بھکشوؤں نے ان کا پیچھا چھوڑا، لسبیلہ ڈسٹرکٹ کی سرکاری تاریخ کے مطابق، جس وقت محمد بن قاسم اپنی فوج کے ہمراہ مکران سے ہوتے ہوئے بیلہ پہنچے، یہاں پر عرب فوج کا جنرل ہارون پہلے سے موجود تھا، اور اس نے محمد بن قاسم کا آگے بڑھ کر استقبال کیا تھا۔ اگر اس تاریخی حقیقت کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ محمد بن قاسم کے جنگی نقشے میں بیلہ کا معرکہ بھی موجود تھا، شاید یہ ا س لئے بھی ضروری تھا کہ اسلامی فوج کو رسد کا راستہ محفوظ رہے، محمد بن قاسم کی فوج نے دریائے کھڈ کے دوسرے کنارے پر پڑاوٗ ڈالا، جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے یہ انتہائی اہم علاقہ ہے، ایک طرف اونچے پہاڑ ہیں، دوسری طرف نیچے گہرائی میں دریا بہہ رہا ہے، جب کہ دریا کے پار پہاڑی سلسلے میں غار ہیں، جہاں مقیم بدھ بھکشو اسلامی فوج کے مدمقابل تھے۔ ہم لوگوں نے بھی رات اسی میدان میں گزاری تھی جہاں محمد بن قاسم کی فوج نے پڑاوٗ ڈالا تھا۔ عرب فوج پر اس میدان میں پہلی رات بہت بھاری گزری اور طویل سفر کی تھکی ہاری فوج پر رات کے اندھیرے میں خوفناک شب خون مارا گیا، عرب سپائیوں کو کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ حملہ آور کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں، اس رات عرب فوج کو جو نقصان اٹھانا پڑا، اس کا بدلہ انہون نے اگلے دن اس طرح لیا کہ اسلامی فوج کے سپاہی بڑی بڑی مشعلین روشن کر کے دریا پار اتر گئے اور رسیوں کی سیڑھیاں لگا کر پہاڑوں پر چڑھ گئے، اس کے بعد انہوں نے غاروں میں گھس کر لڑائی شروع کر دی، ہمارا گائیڈ عبدالرزاق سیاں، اپنے اجداد کی تاریخ بتاتے ہوئے اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اسی میدان جنگ میں محسوس کرنے لگا۔ اس کا تلوار نما خنجر اس طرح لہرانے لگا کہ سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

Marfat.com

محمد بن قاسم کی فوج یہاں پر ایک ہفتہ مقیم رہی اس دوران کچھ دستے آگے بڑھ گئے اور کچھ لوگ یہاں مقیم رہے، ارمبیل میں پہلے سے موجود عرب فوج کا امیر، جنرل ہارون، جس نے محمد بن قاسم کا استقبال کیا تھا، اسی جنگ میں کام آیا اور اس کی قبر ارمبیل میں بنائی گئی، یہ قبر اب بیلہ شہر کے بازار میں جنرل ہارون کی قبر کے نام سے موجود ہے اور، قبر کے بجائے ایک مزار کی شکل اختیار کر چکی ہے، مقامی لوگوں میں ہر ایک کو یہ پتہ ہے کہ جنرل ہارون محمد بن قاسم کی فوج کا ایک جنرل تھا، جو بیلہ میں ہونے والی کسی لڑائی میں شہید ہوا اور اس کی قبر یہاں بنا دی گئی، شہر روغان کے قریب رہنے والے قبیلے، سیاں، کے افراد مزید یہ بتاتے ہیں کہ وہ جنرل ہارون شہر روغان کی جنگ میں شہید ہوا اور تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ جنرل ہارون محمد بن قاسم کی فوج سے نہیں تھا بلکہ یہاں پہلے سے موجود عرب فوج کا امیر تھا، جس نے محمد بن قاسم سے مدد طلب کی تھی۔

محمد بن قاسم کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب غاروں کے گوریلے نہیں لا سکے اور انہیں شکست ہوئی، اسلام فوج آگے بڑھ گئی اور کچھ عرب یہاں ہی مقیم ہو گئے۔اس بات کو صدیاں بیت گئیں مگر آبادی سے دور یہ ویرانہ اب بھی سیاں گوٹھ کے نام سے معروف ہے، شہر روغان اور اس کے گرد پھیلے پہاڑی سلسلوں کے موجود مالک سیاں گوٹھ کے باسیوں کے پاس آباؤ اجداد کے جو شجرے ہیں وہ بھی بڑے عجیب ہیں، کوئی کردستان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی کے دادے پڑدادے کبھی بغداد سے عرب فوج کے ساتھ یہاں آئے تھے، مورخین نے بھی یہی لکھا ہے کہ شہر روغان کے گرد آباد لوگوں کی شکلیں اور عادات واطوار عربوں سے ملتی ہیں، اور شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اکثریت کے اجداد کا تعلق کردستان سے تھا۔

محمد بن قاسم کی اسلامی فوج اور غاروں کے پراسرار مکینوں کی خوفناک جنگ کو صدیاں بیت چکی ہیں مگر اب بھر ہر ماہ، کسی بھی رات کے آخری پہر قدیم جنگجوؤں کی روحیں یہاں پر برسر پیکار ہو جاتی ہیں، مقامی لوگ اس بات کی عادی ہیں اس لئے وہ نا تو گھوڑوں کی ان ٹاپوں پر توجہ دیتے ہیں اور نا ہی تلواروں کی یہ جھنکاریں انہیں خوفزدہ کرتی ہیں، البتہ جب بھی

Marfat.com

یہاں رات کے آخری پہر، تلواروں کے سازوں کے درمیان اللہ اکبر کے نعرے بھی گونجتے ہیں تو سب لوگ اپنے ماضی کو یاد کرتے ہیں کہ ان کے اجداد کبھی یہاں پر اس طرح سے آئے تھے۔

پو، پوٹھ چکی تھی اور اندھیرا، ہلکی روشنی میں تبدیل ہو رہا تھا، مگر ہمارا مقامی گائیڈ، عبدالرزاق سیاں، ہر طرف سے بے نیاز، ایک پتھر سے ٹیل لگائے، دور نیچے بہتے دریائے کھڈ پر نظریں جمائے، اپنے اجداد کی کہانی سنانے میں مصروف تھا۔

☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی میں چاند کی روشنی اس اسٹریٹ لائٹ کا کام دے رہی تھی جو لوڈ شیڈنگ کے باوجود جلتی رہے، ہم لوگ بیلہ شہر کے کنارے، خشک ندی عبور کر کے درختوں کے جھنڈ میں گھس گئے، ہر طرف کھجور کے درخت اور خوردرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں، سبزیوں کے کھیتوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے تو سامنے ہی زمین سے کچھ فٹ اوپر نکلا ہوا سفید رنگ کا ایک گنبد موجود تھا، اس گنبد میں داخل ہونے کے لئے سیڑھیاں اتر کر سطح زمین سے کئی فٹ نیچے جانا پڑتا ہے، گنبد کے اندر ہر طرف چرس کی بدبو اور چمگادڑوں کی بیٹیں پھیلی ہوئی ہیں، پھٹے ہوئے کپڑے، کچرا اور ہر طرح کی گندگی میں، عجیب سے حلیئے والے دو افراد، سنگ مرمر کی بنی قبر پر نیم دراز، سگریٹ کے کش لگا رہے تھے، یہ قبر، برطانوی ہند کے پہلے چیف کمشنر اور ہندوستان کے پہلے بیوروکریٹ، سر رابرٹ سنڈیمن کی ہے، جو 1892 میں بلوچستان کے دورے پر نکلے اور بیلہ کے حکمران، جام غلام محمد کی مہمانی میں ان کی زندگی کی شام ہوگئی، کل کے حکمران کی قبر پر آج چرسی قابض ہیں، جب کہ سر رابرٹ کے اعزاز میں قبر کے اطراف بنائے جانے والے پارک میں مقامی انتظامیہ سبزیاں کاشت کرتی ہے، بیلہ پریس کلب کے صدر، قاسم رونجھا کا یہ بھی کہنا ہے کہ برطانیہ سے اب بھی سر رابرٹ کی قبر کی دیکھ بھال اور پارک کی تزئین و آرائش کے لئے فنڈ آتا ہے

Marfat.com

مگر یہ فنڈ پارک کو سنوارنے اور سر رابرٹ کے مقبرے کو نکھارنے کے بجائے، سبزیاں اگانے میں صرف ہو جاتا ہے، بیلہ، جو صدیوں قبل، ارمبیل کے نام سے مشہور تھا، ہمیشہ سے عظیم حملہ آوروں کے لئے خطرناک رہا ہے، سر رابرٹ سنڈیمن یہاں کس لئے آئے اور ان کی موت کن پراسرار حالات میں واقع ہوئی، اس کا تفصیلی ذکر کرنے سے قبل، سکندر اعظم کا ذکر کریں جو جنوبی ایشیا سے واپس جاتے ہوئے شہر روغان پر حملہ آور ہوا اور دریا کے کنارے بنے سینکڑوں غاروں کی تلاشی لیتے ہوئے ایک زہریلے تیر نے اس کی زندگی کی شمع گل کر دی۔

سکندر اعظم کے جنوبی ایشیا کے سفر اور پاکستان کے نقشے کا باہم بہت دلچسپ تعلق ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں، غیر فطری (جیسا کہ بعض لوگ دعوی کرتے ہیں) ہرگز نہیں بلکہ انتہائی فطری ہیں، سکندر اعظم نے اپنے جنوبی ایشیا کے سفر میں جو راستہ داخل ہونے کے لئے استعمال کیا تھا یہ تقریباً وہی راستہ ہے جو نقشے پر بھارت کے ساتھ ہماری سرحدوں کی نشان دہی کرتا ہے، حتیٰ کہ رن آف کچھ بھی اسی میں شامل ہے، جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے یہ علاقہ سندھ کا حصہ ہے، سکندر اعظم واپسی میں مکران کے ساحل سے ہوتا ہوا اپنی پیدل فوج کے راستے چلا، دریائے حب میں اس وقت پانی ہوا کرتا تھا، مگر اس کے بعد اس کا دوسرا بڑا شہر روغان تھا، جہاں دریا میں خوب پانی تھا، مگر غاروں کے مکین کسی کو دریا کے قریب بھی آنے کی اجازت دینے کے قائل نہیں تھے، اپنے راستے کی ہر رکاوٹ مٹانے کا قائل سکندر اعظم اس بات پر شدید غصہ میں آ گیا اور اس نے اس تمام علاقے کا حکمران اپنے ایک گورنر سیلکاس نیکاٹوس کو مقرر کیا، اس بارے میں بعض تاریخ دان یہ بھی کہتے ہیں کہ دراصل یہ گورنر اس وقت بنا تھا جب سکندر اعظم مارا گیا تھا، سیلکاس نے یہ علاقے میں ہونے والی جنگ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یا پھر وہ بحفاظت اپنی فوج کو یہاں سے نکال لے گیا۔

جب سکندر کی فوج ارمبیل پہنچی تو یہاں موجود اس کے مخبروں یا وفاداروں نے یہ بات اس تک پہنچا دی کہ غاروں میں بیش بہا خزانے موجود ہیں، مگر شہر روغان کے رہنے والے

Marfat.com

افراد نے نا صرف یہ کہ اسے نذرانے دینے سے انکار کردا بلکہ اس سے ملنے تک سے انکا رکردیا، پھر جب سکندر اعظم خود اپنی فوج کے ہمراہ دریا کے کنارے خیمہ زن ہوا تو بجائے انتظار کرنے کے، غاروں کے مکینوں نے پہلی رات ہی سکندر اعظم کی فوج پر شب خون مار دیا۔اس علاقے کی یہ روایت رہی ہے کہ جو بھی حملہ آور یہاں آیا، اس پر پہلی رات بھاری گزری، اور اپنے اوپر حملے کا انتظار کرنے کے، غاروں کے مکین، خود ہی رات کو چھاپے مارتے رہے، اگلی صبح، غیض وغضب سے بھرے سکندر اعظم نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ پہاڑی دروں میں پھیل جائیں اور ہر غار میں گھس جائیں، ہر اس شخص کو قتل کردیا جائے جو غار یا دروں میں ملے، ہر وہ چیز لوٹ لی جائے جو غاروں میں ملے، ہزاروں سپاہی دریا عبور کر کے پہاڑی دروں میں گھس گئے، کچھ سپاہی پہاڑوں پر چڑھ گئے اور قتل وغارت گری شروع ہوگئی، سکندر اعظم خود فوج کی کمان کر رہا تھا، اسی دوران کسی شخص نے زہر میں بجھا ایک تیر تاک کر مارا جو سیدھا سکندر اعظم کو لگا اور زہر کی تابنا کی کی تاب نہ لاتے ہوئے، سکندر اعظم گر پڑا، سپاہی اسے اٹھا کر دور لے گئے اور جنگ ماند پڑگئی، مختلف تاریخ دانوں کی تحقیق سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، کہ سکندر اعظم، شہر روغان آیا تھا اور یہاں پر اس کی ایک جنگ بھی ہوئی تھی، اس بات کی شہادت بھی ملتی ہے کہ سکندر اعظم، واپسی کے سفر میں ایک جنگ کے دوران زہریلا تیر لگنے سے شدید زخمی ہوا تھا اور پھر جانبر نہیں ہوسکا، اس کے سفر کی آخری تفصیلات، شہر روغان تک ہی ملتی ہیں پھر اس کے بعد اس کی موت کے قصے شروع ہوجاتے ہیں، تمام شواہد کو ملا کر دیکھا جائے تو یہی تصویر بنتی ہے کہ شہر روغان میں اس نے اپنی زندگی کی آخری جنگ لڑی اور یہی اس کی موت کا پیغام ثابت ہوئی۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ سکندر اعظم نے اپنے ایک جنرل سلیکاس کو اس علاقے کا گورنر بنایا تھا، مگر کچھ لوگ بھی کہتے ہیں کہ سکندر کی موت کے بعد، سلیکاس یہاں کا حکمران بنا تھا، حقیقت سے قریب تر بات یہ ہے کہ جب سکندر یہاں پر ایک زہریلے تیر کا نشانہ بنا اور پھر بستر مرگ پر جا لیٹا تو اس کے بعد، تمام علاقے کی کمان اس کے معتمد ترین جنرل سلیکاس نے سنبھال لی، سکندر اعظم کی فوج غاروں پر اپنا قبضہ مکمل نہیں کرسکی تھی اور وہ یہاں

Marfat.com

سے پسپا ہو کر قریب المرگ سکندر کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئی، سکندر اس تیر کی گھاؤ سے جانبر نہیں ہو سکا اور اسی زخم سے مارا گیا۔ سکندر کے بعد چچ یہاں پر آیا مگر اس کے لئے ماحول دوستانہ تھا، اور اس کے بعد عربوں نے یہاں کا رخ کیا، عرب حملہ آور سب سے سخت جان ثابت ہوئے اور انہوں نے علاقے کو زیر نگین کرنے میں شاندار کامیابی حاصل کی، ان فوج کے تیس خاندان یہاں پر آباد ہوئے تھے، جو آج تک پورے علاقے اور دریا کو کنٹرول کرنے کے علاوہ، اس پورے پہاڑی سلسلے اور غاروں کی ملکیت کا دعوی کرتے ہیں، یہ علاقہ بھی، انہی کے قبیلے کے نام پر ''سیاں گوٹھ'' کے نام سے مشہور ہے۔ ان لوگوں کے ناک نقشے تو عربوں سے ملتے ہی ہیں مگر رسوم و رواج اور رہائش کے انداز بھی صحرا نشین عربوں سے اب تک ملتے ہیں، ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تقریباً تمام لوگوں کے پاس اپنے اجداد کے شجرے محفوظ ہیں، گو کہ علاقے میں تعلیم کا رواج نہیں ہے اور نا ہی کوئی اسکول یہاں موجود ہے مگر اس کے باوجود تقریباً ہر گھرانہ ایک بچے کو ضرور کسی اسلامی مدرسے میں داخل کراتا ہے اور تقریباً اکثر ایسے بچے جو اپنی مذہبی تعلیم پوری کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں وہ علاقے سے ہجرت کر جاتے ہیں، یہ بچے اپنے کیریئر کا آغاز کسی شہری علاقے میں موجود مدرسے میں تدریسی سرگرمیوں سے کرتے ہیں، اگر دینی تعلیم کا یہ رجحان یہاں نہ ہوتا تو شاید اکثر لوگ اپنے علاقے سے باہر کی دنیا کے بارے میں جانے بغیر ہی مر جاتے، سب سے قریبی شہر بیلا تک بھی جانے کے لئے انہیں مہینوں اور بعض اوقات سالوں انتظار کرنا پڑتا ہے، ورنہ ان کی زندگی، کسی پہاڑی کے دامن میں اپنی بکریاں اور بھیڑیں چراتے گزر جاتی ہے، جب کسی کا تفریح کا دل چاہتا ہے تو وہ دریائے کھڈ کے کنارے چلا جاتا ہے، جہاں دن بھر ٹھنڈے پانی میں نہانے کے ساتھ ساتھ مچھلیوں کا شکار چلتا رہتا ہے، مچھلیاں پکڑنے کا ان کا انداز بھی ان کی طرح نرالا ہے، ان کی عقابی نگاہیں پانی کے نیچے بھی دیکھتی رہتی ہیں اور جیسے ہی کوئی مچھلی ان کی نگاہ میں آتی ہے یہ حیرت انگیز سرعت سے پانی میں جھپٹا مار کر اسے پکڑ لیتے ہیں اور لوہے کی ایک تار میں پرو، لیتے ہیں، شام کو جب وہ گھر کا رخ کرتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی درجنوں مچھلیاں ان کی تار میں ٹنگی ہوتی ہیں۔

Marfat.com

بیلہ میں جہاں محمد بن قاسم کے جنرل ہارون کی قبر، ایک مزار کا روپ اختیار کر چکی ہے وہیں، سر رابرٹ کا مقبرہ چرسیوں کی آماجگاہ ہے، سر رابرٹ، برطانوی ہند کے پہلے چیف کمشنر تھے ریاست بیلہ کے حکمران خاندان کے ایک جھگڑے میں مصالحت کار کا کردار ادا کرنے آئے تھے، یہیں پر وہ پراسرار انداز میں جان کی بازی ہار گئے اور، ایک خشک ندی کے کنارے ان کی قبر بنی۔ میں نے رات کے وقت سر رابرٹ کے مقبرے سے واپس آتے ہوئے اپنے گائیڈ سے پوچھا کہ سر رابرٹ بھی غیر مقامی تھے اور جنرل ہارون کا تعلق بھی یہاں سے نہیں تھا، دونوں ہی ایسی قوتوں کی نمائندگی کر رہے تھے جو حملہ کر کے یہاں فاتح کی حیثیت سے موجود تھیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جنرل ہارون کی قبر یہاں عزت کے نشان کے طور پر سنبھال کر رکھی گئی ہے اور جنرل رابرٹ سنڈیمن کا مقبرہ عبرت کا نشان بنا ہوا ہے؟ گائیڈ بولا ''سر! عزت اور ذلت تو اللہ کی طرف سے ہے، اس نے جنرل ہارون کو عزت دی ہے''۔

☆☆☆☆☆

دونوں طرف بلند پہاڑوں کے درمیان تنگ سے درے میں بہتے دریائے کھڈ کے کنارے چلتے ہوئے ہم جیسے ہی ایک موڑ سے مڑے، سامنے چھوٹے سے قد کا بھورا ریچھ پانی کے عین درمیان کھڑا ہماری ہی طرف دیکھ رہا تھا، ہمیں اپنے سامنے دیکھ کر اس نے غراہٹ کی آواز نکالی اور پہاڑی درے میں تیزی سے غائب ہو گیا، ریچھ کو دیکھتے ہی ہمارے ساتھ موجود مقامی افراد کی آپس میں بحث شروع ہو گئی، کچھ افراد اس کا پیچھا کرنے کے حق میں تھے اور کچھ اپنے کام پر ہی توجہ مرکوز کئے رکھنے پر مصر تھے۔ چوں کہ اس علاقے میں اب یہ بھورے ریچھ تقریباً معدوم ہو چکے ہیں اس لئے جب کبھی بھی کوئی ایسا ریچھ نظر آجائے تو مقامی افراد کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اسے مار گرایا جائے اور اس کی کھال ان کی کچی جھونپڑی میں بہادری کا ایک اور تمغہ بن کر لٹکا رہے۔

Marfat.com

دریائے کھڈ کے کنارے پھیلے پیچ دار درے جہاں قدیم ترین انسانی آبادی یا پتھر دور کی نشانیوں کے حامل ہیں وہیں یہ درے دنیا میں تقریباً معدوم ہو جانے والے چھوٹے قد کے بھورے ریچھ کا گھر بھی ہیں، ورلڈ بیئر ایسوسی ایشن، کا کہنا ہے کہ اس علاقے میں اب شاید ہی چند ریچھ باقی رہ گئے ہوں گے کیوں کہ مقامی آبادی ان ریچھوں کا عرصے سے شکار کرتے آئے ہیں حالاں کہ نا توان کا گوشت کھایا جاتا ہے اور نا ہی یہ ریچھ، مداریوں کے کام کے ہیں کیوں کہ ان کا قد کافی چھوٹا ہوتا ہے، بے دریغ شکار کے باوجود اگر اب بھی کچھ ریچھ یہاں باقی رہ گئے ہیں تو اس کی وجہ یہاں کے پیچ دار درے اور لاتعداد غار ہیں، جہاں انہیں محفوظ پناہ گاہ مل جاتی ہے اور غذا کے لئے بھی انہیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، دریائے کھڈ صدیوں سے اسی طرح بہہ رہا ہے اور ایک طرف اس دریا سے مقامی قبائل کو مچھلیاں حاصل ہوتی ہیں تو دوسری طرف ان ریچھوں کا بھی یہیں پر گزارا ہے، چوں کہ یہاں دریا کے کنارے کوئی آبادی بھی نہیں ہے اس لئے دن دیہاڑے بھی یہ ریچھ پہاڑی دروں سے باہر نکل کر دریا میں اٹھکھلیاں کرتے رہتے ہیں ایک ایسے ہی موقع پر ہماری بھی اس ریچھ سے مدبھیڑ ہوئی تھی، 47 درجہ حرارت والے اس گرم ترین دن کی صبح یہ ریچھ دریا کے عین درمیان کھڑا شاید مچھلیاں پکڑ کر ناشتہ کر رہا تھا کہ اُسے ہمارے بو آئی اور آمنا سامنا ہونے سے قبل ہی ہوشیار ہو گیا، ہمیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے فرار ہو گیا، سیاں گوٹھ کے مقامی افراد کو شغل ہی شکار ہے اس لئے وہ اس بہترین موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے، کیوں کہ ایسا موقع انہیں بہت کم ہی ملتا ہے، گو کہ یہاں شکار کی کمی نہیں اور شکار کا شوق رکھنے والے افراد اگر یہاں شکار کی صورتحال کے بارے میں جان لیں تو شاید انہیں اس سے زیادہ آئیڈیل جگہ کوئی اور نہیں مل سکے گی، ایک ایسی جگہ جہاں پہاڑی بکرے، لومڑیوں اور ہرن سے ملتے جلتے جانوروں کی کمی نہ ہو اور پھر انہیں شکار کرنے کے لئے بھی نا تو پہاڑی دروں میں ان کا پیچھا کرنے پڑے اور نا ہی افریقہ کے جنگلات کی طرح، شکار کا گھنٹوں پیچھا کرنے پڑے، اس سے زیادہ آئیڈیل جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے؟ میلوں تک پھیلے سنگلاخ پہاڑوں اور صحرا میں دریائے کھڈ واحد ایسی جگہ ہے جہاں تازہ اور صاف پانی ہر

Marfat.com

وقت دستیاب رہتا ہےاور دریا کے کنارے پہاڑی درے قدرتی پناہ گاہ بھی ہے، اس لئے علاقے میں پائے جانی والی جنگلی حیات، یہیں آس پاس موجود رہتی ہے، جب بھی کسی کو شکار کرنا ہو، وہ دریا کے کنارے کسی پہاڑی چوٹی پر بیٹھ جاتا ہے جہاں نیچے دریا پر جانور پانی پینے آتے رہتے ہیں۔ ان جانوروں میں سب سے بڑا جانور بھورا ریچھ ہے، اس کے بعد جنگلی بکروں کا نمبر آتا ہےاور پھر مزید چھوٹے جانور اور تیتر جیسے پرندے بھی بکثرت ملتے ہیں، پیشہ ور شکاریوں یا شکار کے شوقین افراد سے یہ علاقہ اب تک اس لئے محفوظ رہا ہے کہ ایک تو یہاں تک رسائی انتہائی مشکل ترین ہے، پھر یہ کہ پورا علاقہ سنگلاخ اور صحرا پر مشتمل ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ دریا کے کنارے بھی کسی قسم کا کوئی سبزہ موجود نہیں ہے، ہر طرف پتھر بکھرے پڑے ہیں یا پھر ریت کے ڈھیر ہیں، اگر یہاں پر سبزہ نظر بھی آتا ہے تو مقامی درخت ڈیڈار اور کھبڑ (مسواک) کے پودے اور ببور کے کانٹے دار پودے نظر آتے ہیں، اپنی اسی خوفناکی کی وجہ سے یہاں غیر مقامی افراد کے علاوہ کوئی بھی نہیں آتا، ایک اور وجہ، جو سب سے اہم بھی ہے، مقامی افراد اجنبیوں کی یہاں آمد کو سخت ناپسند کرتے ہیں، مقامی گائیڈ کے بغیر شاید آج تک یہاں کوئی بھی غیر مقامی فرد نہیں آیا، اس جگہ سے واقفیت نہ رکھنے والا کبھی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ سنگلاخ پہاڑوں اور صحرا میں سفر کرتے کرتے اچانک ایک زیر زمین دریا نمودار ہو جائے گا، دریائے کھڈ کو زیر زمین دریا اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ سطح زمین سے دریا کی سطح تک جانے کے لئے تقریباً ایک کلومیٹر نشیب میں اترنا پڑتا ہے، جہاں دریا کبھی چوڑے پاٹ میں بہتا ہے اور کہیں چھوٹے سے تیز رفتار نالے کی صورت اختیار کر جاتا ہے، اسی دریا میں پہاڑوں کے درمیان چلتے جائیں تو کنر کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، کنر کو اس علاقے کی جنت کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا مگر اس جنت تک پہنچنے کے لئے بقول صدیق (مقامی قبیلے سیاں کا گائیڈ) راستہ جہنم سے ہو کر گزرتا ہے، کنر میں شہر روغان کے نسبت کافی سبزہ اور کھجور کے جنگل ہیں، کہا جاتا ہے کہ کھجور کے اس جنگل میں ہر قسم کی کھجور موجود ہے، انگریز دور میں جب سر رابرٹ سنڈیمن بلوچستان کے دورے پر آئے تھے تو انہیں بھی کنر کا دورہ کرایا گیا تھا۔ کنر تک جانے کے لئے دریا کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ پہاڑی درے میں تیس کلومیٹر کا سفر کرنا پڑتا ہے اگر دریا میں پانی زیادہ ہو تو پھر یہ سفر ناممکن ہے۔ یہاں پر دریا کے دونوں طرف سطح مرتفع واقع ہے یعنی دونوں طرف کافی دور تک ہموار وادی ہے اور اس کے اختتام پر پہاڑی سلسلے ہیں اس وادی کے عین درمیان میں دریا بہہ رہا ہے مگر ایک کلومیٹر نشیب میں اترنے کے بعد۔ اس جگہ کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے برسوں قبل محکمہ سیاحت نے اسے سیاحتی مرکز بنانے کی کوشش کی تاکہ باہر کی دنیا بھی اس خطے سے واقف ہو سکے، اس سلسلے میں یہاں ایک ریسٹ ہاؤس بھی بنایا گیا اور ایک چیئر لفٹ ٹائپ کا جھولا بھی لگایا گیا، یہ چیئر لفٹ دیسی ساختہ تھی جیسا کہ شمالی علاقہ جات میں دریا پار کرنے کے لئے لوہے کا ایک رسہ باندھ کر اس کے ساتھ ڈولی لٹکا دی جاتی ہے اور جس کو دریا عبور کرنا ہو وہ ڈولی میں بیٹھ کر رسے کو کھینچتا جاتا ہے اور ڈولی آگے بڑھتی جاتی ہے، اسی طرح کی ایک ڈولی کنر میں بھی دریا پر نصب کی گئی، سطح مرتفع کے ایک کونے سے ڈولی میں بیٹھتے اور دور نیچے نشیب میں بہتے دریا کا نظارہ کرتے دوسرے سرے پر جا اترتے جہاں ایک ریسٹ ہاؤس نما تین کمروں کا مکان بھی سرکاری انتظام پر تعمیر کیا گیا، کھجور کے جنگل کے درمیان مقامی افراد کے کھیت اور کاریز کی نالیوں سے بہتا پانی، اس علاقے کو مقامی افراد کے لئے جنت نظیر بناتے ہیں مگر سیاح کبھی بھی یہاں نہیں آسکے کیوں کہ حکومت نے ریسٹ ہاوس اور جھولا تو بنا دیا مگر یہاں تک آنے کے لئے سڑک نہیں بنائی، اب دریائے کھڈ کے تنگ درے سے گزر کر کون یہاں آئے گا؟ یہ کام مقامی افراد ہی کر سکتے تھے اور وہی کر رہے ہیں، جھولے سے انہیں یہ سہولت ہوگئی کہ جو راستہ وہ پہلے دریا کے اندر اتر کر اور دوبارہ اوپر چڑھ کر طے کرتے تھے وہ اب منٹوں میں جھولے میں بیٹھ کر طے ہو جاتا ہے، رہا ریسٹ ہاؤس تو وہ کسی کے بھی مصرف میں نہیں ہے۔ جنگل اور درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے یہ علاقہ بھی شکار سے تو اٹا پڑا ہے مگر یہاں مقامی لوگ ایک خاص شکار کے لئے آتے ہیں، دریائے کھڈ میں موجود مچھلیاں اتنی بڑی ہیں کہ اگر کوئی پیٹ بھر کر کھانا شروع کرے تو اسے کم از کم دو درجن مچھلیاں تو درکار ہوں گی، یہاں کے لوگ بھی اسی طرح سے مچھلیاں پکاتے ہیں، کہ ایک سلاخ میں ایک درجن مچھلیاں پرو لیتے ہیں اور ایسی سلاخوں کو آگ

Marfat.com

کے گرد رکھ کر بھون لیتے ہیں، آگ پر بھنی ہوئی یہ مچھلیاں اس طرح سے کھائی جاتی ہیں کہ ایک سلاخ ایک شخص اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور مچھلیاں کھاتا جاتا ہے، ایک لقمے میں ایک مچھلی کھانے کی زحمت سے بچنے کے لئے لوگ کنر کا رخ کرتے ہیں کیوں کہ یہاں دریا میں پائی جانے والی مچھلیاں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ درجن کے حساب سے نہیں کھائی جاتیں بلکہ ایک مچھلی ایک سے زائد افراد کے لئے پوری ہو جاتی ہے۔ کنر کی اتنی تعریفیں کرنے کے بعد ہمارے ساتھ موجود گائیڈ نے آخر اس بات کا اعلان کر ہی دیا کہ ہم کنر کی طرف جا رہے ہیں، ہماری جیپ بہت پیچھے پہاڑی چوٹی پر کھڑی رہ گئی تھی اور ہم لوگ دریا کے کنارے کنارے پیدل مارچ کر رہے تھے، صبح کا اندھیرا، اب مکمل ختم ہو چکا تھا اور ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی، میرا خیال تھا کہ دریا کے کنارے تھوڑی دور تک چہل قدمی کرنے کے بعد واپس آجائیں گے مگر اس اعلان سے تشویش میں مبتلا کر دیا کیوں کہ کنر تک پہنچنے کے لئے کم از کم تیس کلو میٹر پیدل چلنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

بیلہ سے تقریباً سو کلو میٹر آگے جائیں تو ہنگلاج کے عجیب و غریب پہاڑ شروع ہو جاتے ہیں، دریائے ہنگول کے کنارے کھڑے پہاڑی سلسلے اور ہنگلاج کے پہاڑوں میں بہت فرق ہے، دریا کنارے کے پہاڑ گول پتھروں اور مٹی سے بنے ہیں جب کہ ہنگلاج میں ہر طرف سخت چٹانیں ہیں، یہاں ہر پتھر کسی جنگجو کے تیز دھار بھالے کی طرح کھڑا ہے، یہاں ذرا سی بے احتیاطی ایسا زخم دیتی ہے جو سفر سے فوری واپسی پر مجبور کر دیتا ہے، دن کے وقت جب یہاں تیز دھوپ اور شدید گرمی میں ہر طرف ہو کا عالم ہوتا ہے اور ہر طرف یوم حساب کی سی خاموشی ہوتی ہے، کچھ لوگ ہانپتے کانپتے پہاڑی چٹانوں پر چڑھتے یا اترتے دکھائی دیتے ہیں، یہ وہ یاتری ہیں جو دور دراز سے سفر کر کے اس بے آب و گیاہ چٹانوں میں ہنگلاج ماتا کے درشن کرنے آتے ہیں۔ ہندو مت کے 152 اہم دیوتاؤں میں سے

Marfat.com

ایک، ہنگلاج ماتا کی جنم بھومی بلوچستان کے ان سنگلاخ پہاڑوں میں بتائی جاتی ہے، یہاں گہری کھائیاں ہیں، اونچی چٹانیں ہیں اور چھوٹے بڑے سینکڑوں غار ہیں، انہیں غاروں میں سے کئی غاروں میں ہنگلاج ماتا کے کئی مندر بھی قائم ہیں، ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس طرح ہنگلاج ماتا کے مندر بلوچستان میں بیلہ کے قریب موجود ہیں، اسی طرح بھارتی ریاست گجرات میں بھی گوتم گوہل نامی علاقے میں ہنگلاج دیوی کے مندر قائم ہیں، گجرات میں زیادہ تر مندر اس وقت قائم ہوئے جب بلوچستان پاکستان میں شامل ہوا اور بھارت سے آنے والے یاتریوں کو یہاں آنے کے لئے ویزا لینے کی ضرورت پڑی، اس کے بعد ہنگلاج وادی سے کچھ پنڈت اور سادھو بھارت ہجرت کر گئے، انہیں بھارتی ریاست گجرات کے علاقے گوتم گوہل میں جگہ ملی اور انہوں نے یہیں پر اپنے مندر قائم کر لئے اس طرح اب ہنگلاج وادی میں قائم مندروں میں آنے والے اکثر یاتری پاکستان سے تعلق رکھنے والی ہندو کمیونٹی پر مشتمل ہوتے ہیں یا پھر ایسے سر پھرے سیاح جو ہر طرف، قدیم کھنڈرات اور تاریخ کی باقیات ڈھونڈتے پھرتے ہیں، ایسے ہی افراد پر مشتمل ایک گروپ ''آف روڈ پاکستان'' جو کراچی سے ہی تعلق رکھتا ہے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل ہے، ہنگلاج وادی اور یہاں قائم قدیم مندروں کا با جماعت دورہ کرنے والا پہلا ''سیاح گروپ'' ہے۔

ہنگلاج وادی اور یہاں قائم مندروں کا تعلق پتھر کے دور سے بتایا جاتا ہے جس وقت انسان غاروں میں رہا کرتا تھا، شہر روغان اور اس کے گرد پہاڑی سلسلوں میں میں آبادی تھی، پھر جب مہذب دور کا آغاز ہوا اور انسان نے غاروں سے گھروں کی طرف آیا تو دنیا کی پہلی چند سویلائزیشنز میں سے ایک بلوچستان کے ان علاقوں میں بھی قائم ہوئیں جو آج کے جدید دور میں پسماندہ ترین علاقوں میں سے ایک ہیں، معروف محقق اور سائنسدان ڈاکٹر مرزا ارشد علی بیگ بھی اس بات کی تصدیق کرتے کہ دنیا کی چند پہلی سویلائزیشنز میں سے ایک بلوچستان کے شہر بیلا کے قرب و جوار میں قائم تھی، ڈاکٹر بیگ نے اپنی زیر تصنیف کتاب کے پہلے باب میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے، ان کی کتاب، ان علاقوں کا

Marfat.com

تفصیلی جائزہ ہے جو آج پاکستان میں شامل ہیں، ڈاکٹر بیگ کی مذکورہ کتاب کے پہلے باب کے مطابق سکندر اعظم نے جنوبی ایشیاء پر اپنے حملے کے دوران اس مملکت کی سرحدوں کا تعین کیا تھا جو پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے میں موجود ہے، اس کی پیش قدمی نے بھارت کے ساتھ سرحدوں کا تعین کیا اور اور واپسی میں بلوچستان میں قائم دنیا کی ابتدائی مہذب دنیا سے ہوتا ہوا گیا، یہیں پر اس کی جنگ بھی ہوئی جس میں وہ زخمی ہوا اور اسی زخم نے بعد میں اس کی جان لی، ڈاکٹر بیگ کی کتاب میں مزید لکھا ہے کہ مہذب دنیا کے ابتدائی دور میں یہ پورا علاقہ انتہائی سرسبز تھا اور یہاں جانوروں کی بہتات تھی، ساحلی پٹی ہونے کی وجہ سے ہر بیرونی حملہ آور سب سے پہلے یہاں کا رخ کرتا تھا اور بیرونی دنیا سے آنے والے بھی سب سے پہلے یہاں اترتے اس کے بعد سندھ کے اندرونی علاقوں کا رخ کرتے۔ سکندر اعظم کے حملے کے وقت یہاں بدھوں کی حکومت تھی یا ہندو مت کے ماننے والوں کی؟ اس بارے میں متضاد آرا تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں، محمد بن قاسم کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ ان کا راجا داہر سے پہلا مقابلہ دراصل بیلا کے قریب ہی ہوا تھا، اس وقت یہ علاقہ راجا داہر کی مملکت میں شامل تھا، راجا داہر کی حکومت میں اس علاقے کے شامل ہونے کو تقویت وادی ہنگلاج دیتی ہے، یہاں پہاڑی غاروں میں موجود قدیم مندروں کے بارے میں یہ تو نہیں معلوم کہ ان کی تاریخ کیا ہے اور یہ کتنے قدیم ہیں مگر وہاں موجود افراد کا کہنا ہے کہ ہنگلاج دیوی نے جب یہاں جنم لیا، اسی وقت سے یہاں مندر بھی قائم ہیں، ان مندروں کی عجیب بات یہ ہے کہ انہیں شہر روغان کی طرح گہرے غاروں میں نہیں تعمیر کیا گیا ہے بلکہ چٹانوں کے نیچے بنے چھوٹے چھوٹے قدرتی غاروں میں ہی پتھروں پر ہنگلاج ماتا کے بت کھودے گئے ہیں، جب کہ اس کے برعکس شہر روغان کے پہاڑی سلسلے میں باقاعدہ انسانی ہاتھوں سے کھدے غار ہیں جن میں سے بعض کافی طویل اور گہرے بھی ہیں، ان میں اترنے کے لئے رسی کا استعمال کرنا پڑتا ہے، وادی ہنگلاج کے غار ایسے نہیں ہیں اور ان تک رسائی بھی شہر روغان کی نسبت آسان ہے، یہاں تک پختہ سڑک بھی اب تعمیر ہوگئی ہے اور پہاڑی سلسلے میں داخل ہوتے ہی مندروں کا

Marfat.com

سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے، پہلا مندر جو ایک عمودی چٹان تلے چھوٹے سے غار میں بنا ہوا ہے، اس میں تین مورتیاں تراشی گئی ہیں تینوں ہنگلاچ دیوی کی ہی ہیں، یاتری یہاں اپنے ساتھ خوشبودار تیل لے کر آتے ہیں اور غار میں موجود پتھر کے چراغوں میں ڈال کر جلاتے ہیں، ہنگلاچ دیوی کو، ہندو عقائد کے تحت خوشحالی اور امن کا نقیب سمجھا جاتا ہے، یہاں آنے والے کیا منتیں مانگتے ہیں، اس بارے میں تو نہیں معلوم مگر یہاں آنے والوں میں کراچی سے لے کر پشاور تک کے ہندو یاتری شامل ہیں، بیلہ کو ہندو کمیونٹی کے حوالے سے بلوچستان میں اہم شہر گردانا جاتا ہے، اس لئے ہندو یاتری ہنگلاچ وادی کا رخ کرتے وقت پہلا پڑاؤ بیلہ ہی میں ڈالتے ہیں، بلوچستان کا شہر بیلہ اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ یہاں کے کاروبار پر تقریباً ہندو کمیونٹی چھائی ہوئی ہے، بیلہ پریس کلب کے صدر قاسم رونجھا کا کہنا ہے کہ شہر کے واحد اور مرکزی بازار میں فیصد دکانیں ہندو کمیونٹی کی ہیں، گذشتہ عید الضحیٰ پر اس وقت بیلہ میں دلچسپ صورتحال پیدا ہوگئی تھی جب ہندو کمیونٹی کے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عید پر چھٹی کریں گے اور اپنے کاروبار بند رکھیں گے، اس طرح عید پر پورا بیلہ شہر بند ہو گیا، ہر طرف دکانیں بند تھیں اور مقامی لوگ جو ماہانہ بنیادوں پر چیزیں خریدنے کے بجائے اشیائے ضرورت روزانہ کی بنیادوں پر خریدنے کو ترجیح دیتے ہیں، وہ پریشان ہو گئے، اس روز ہندو کمیونٹی سے خصوصی درخواست کر کے دکانیں کھلوائی گئیں اور شہر میں رکی ہوئی زندگی دوبارہ سے بحال ہو سکی، اس کے بعد سے ہندو کمیونٹی سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ عید پر بھی اپنے کاروبار بند نہ کیا کریں، میں نے ازراہ مذاق قاسم رونجھا سے کہا کہ اس طرح تو آپ لوگ ہندو کمیونٹی کے رحم و کرم پر ہیں؟ جواب میں تمام حاضرین نے قہقہہ لگایا اور بتایا کہ ایسا اب سے نہیں ہے بلکہ قیام پاکستان سے قبل ہی سے یہ صورتحال چلی آ رہی ہے، مقامی آبادی یا تو زراعت میں دلچسپی رکھتی ہے یا پھر مزدوری کرتی ہے اگر کوئی کچھ اور کرنا چاہتا ہے تو وہ ڈرائیور بن جاتا ہے، قیام پاکستان سے قبل تو صورتحال یہ تھی کہ بیلہ کا سو فیصد کاروبار ہندو کمیونٹی کے پاس تھا، قیام پاکستان کے بعد بہت سے ہندو اپنے کاروبار بند کر کے بھارت چلے گئے، اس کے بعد کچھ مقامی افراد نے بھی کاروبار کی طرف توجہ کی اور اب بازار میں

Marfat.com

مسلمانوں کی دکانیں بھی نظر آتی ہیں مگر یہ وضاحت بھی کرنا ضروری ہے کہ بیلہ کی ہندو کمیونٹی کی طرف سے کبھی بھی کوئی ایسا اقدام نہیں کیا گیا ہے جس سے کسی قسم کا انتشار پیدا ہوا اور اسی طرح انہیں بھی کبھی مسلمان اکثریت سے کوئی نقصان نہیں پہنچا، نا ہی وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کرتے ہیں، قیام پاکستان کے وقت بھی یہاں سے ہجرت کرنے والے ہندو، بغیر کسی وجہ کے یہاں سے گئے اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو بعد میں دوبارہ بیلہ میں آبسے۔

جس طرح بیلہ اور ارد گرد کے علاقوں میں ہندو کمیونٹی صدیوں سے آباد ہے، اسی طرح ان کے مندر بھی یہاں موجود ہیں، ان مندروں میں سب سے قدیم اور تاریخی اہمیت کے حامل سنگلاچ وادی کے پہاڑی غاروں میں ہیں، یہ مندر اتنے قدیم ہیں کہ اس علاقے کا نام بھی انہی مندروں پر ہے، یعنی ہنگلاچ وادی کا نام، ہندومت کے 52 دیوتاؤں میں سے ایک، ہنگلاچ ماتا کے نام پر ہے، اس طرح اس روایت کا تقویت ملتی ہے کہ یہاں عرب مسلمانوں کی آمد سے قبل، ہندو آباد تھے جو بعد میں عربوں کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہوئے۔ باقی ہنگلاج ماتا کی درگاہ پر کیا ہوتا ہے وہ تو ہم تفصیل سے پہلے بتا ہی چکے ہیں۔

Marfat.com

پاکستان کے
کالے جادوگر
(اندر کی کہانی)
سعید احمد عباسی
BLACK MAGICIAN OF
PAKISTAN

Marfat.com